ایڈیٹوریل
خان بہادر مولوی سید اکبر حسین
مسٹر محمد فائق ....
مسٹر محمد یعقوب ....
رازدار ......
سعید محمد خاں ....
Accession numbers
40348 .....
Date 20-2-1975

"اولڈ بوائے"

اِس ماہواری رسالے کے خاص مقاصد یہ ہیں۔

(۱) جملہ سابق طلبا مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علیگڑھ کے دلوں میں اُن کے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا اس کی حالت سے اِن کو باخبر کرنا اور اس کی ترقی کے لیے ہر طرح کوشاں رہنا۔

(۲) اولڈ بوائز میں رشتۂ اخوت قائم رکھنا اور اس میں ترقی دینا اور ایک دوسرے کے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

(۳) "اولڈ بوائز ایسوسی ایشن" اور "کالج" کی مالی مدد کے لیے سابق طلبا کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادر مہربان کے خدمت گذاروں میں خود اس کے فرزندوں کے خدمات کافی اور تسلی بخش ہوں۔

(۴) جملہ اولڈ بوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا تاکہ وہ قومی ضروریات میں معتد بہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کر سکیں جو قوم نے انپر ہمارا کالج کے قائم کرنے میں کیا۔

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست کی جاتی ہے۔

(۱) جملہ خط و کتابت در بارہ ترسیل زر و تبدیل پتہ منیجر "اولڈ بوائے" بنارس سے ہونی چاہیے۔

(۲) مضامین اور دیگر مراسلات بنام اسسٹنٹ اڈیٹر "اولڈ بوائے" بنارس آنا چاہیئے۔ اسی طرح ریویو کے لئے کتابیں اور تبادلے کے لئے اخبارات و رسائل بھی۔

منتظمان "اولڈ بوائے" ہر وقت مفید مشورہ و رفع شکایات کے لئے تیار ہیں۔ اور شکر گذاری کے ساتھ اُن پر پوری توجہ کریں گے۔

سید منظور علی۔ اسسٹنٹ اڈیٹر و منیجر

"اولڈ بوائے"

کالج کا گذشتہ اختلاف

گذشتہ نمبر میں ہم نے اراکین کالج کے درمیان ایک افسوسناک اختلاف کی خبر شایع کی تھی اور یہہ وعدہ کیا تھا کہ ہم آیندہ اُن امور کے متعلق ایک تفصیلی بحث کریں گے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہ معرکہ بحسن وخوبی طے پا گیا۔ اگر معاملہ کسی اور قسم کا ہوتا تو ہم اوسپر خاک ڈالتے لیکن جب واقعات شایع کردئے جائیں تو کیسے چھپائے جاسکتے ہیں۔ اسکے علاوہ ہمکو یہ اندیشہ ہے کہ اگر ہم ساکت رہے تو کہیں اولڈ بوائز ہم پر یہہ الزام نہ لگائیں کہ ایسے نازک موقع پر ہمارے کان پر جوں نہ رینگی۔ بعض حضرات نے تو اس واقعہ کی اہمیت کی لئے یہاں تک بڑھا لی تھی کہ وہ اسکو کالج کے لئے ایک خطرہ عظیم سمجھتے تھے لیکن ہم کو اپنے محترم بزرگ **نواب وقار الملک بہادر** کی ذات بابرکات اور **انریبل صاحبزادہ صاحب** کی متانت اور مآل اندیشی سے یہہ کامل توقع تھی کہ مخالفت کسی قدر اہم کیوں نہو اُسکے مضرت رساں نتایج سے ہمارا عزیز **کالج** ضرور مامون ومصئون رہے گا۔ ہم اپنے کو نیز جملہ اولڈ بوایز کو مبارکباد دیتے ہیں کہ ہمارا خیال صحیح نکلا اور اختلاف مصالحت کی خوشنما صورت میں تبدیل ہوگیا۔

اسباب اختلاف

یہہ نہایت خوشی کی بات ہے کہ موجودہ اختلاف اولڈ بوایز کے درمیان نہیں ہے لیکن ہمکو یہہ لکھتے ہوئے افسوس ہے کہ اسکا ایک فریق ہمارے قابل فخر اولڈ بوائے **انریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب** ہیں اور دوسرے فریق ہمارے **محترم بزرگ جناب نواب صاحب بہادر**۔ مذکورۂ بالا اختلاف بوجہ ایک یادداشت کے پیدا ہوا تھا جسکو جناب

صاحبزادہ صاحب نے بخدمت ٹرسٹیان کالج ارسال کیا تھا۔ اس میں ممدوح الیہ نے چند اصلاحیں پیش کی تھیں جن میں سے دو بالتخصیص قابل ذکر ہیں۔

اول یہہ کہ طلباء کالج کو اولڈ بوایز کی صحبت سے محفوظ رکھا جاوے۔

دوم یہہ کہ انکو یعنی طلباء کو اپنی مرضی کے مطابق کسی امر میں فیصلہ حاصل کرنے کے لئے لوکل ٹرسٹیان یا آنریری سکریٹری پر اثر ڈالنے کا موقع نہ ملے۔

امر اول کے متعلق جناب نواب صاحب قبلہ حسب ذیل رشاد فرماتے ہیں:۔

"میں تجویز میں اُس پارٹی فیلنگ کا اثر دیکھتا ہوں جو اولڈ بوایز کے باہم موجود ہے

. . . .

. . . .

میں ٹرسٹی صاحبان کو ہرگز یہہ مشورہ نہ دونگا کہ وہ اس قسم کے خیالات کا اتباع کریں جو اولڈ بوایز کی نوہین میں داخل ہے" آگے چلکر جناب ممدوح فرماتے ہیں:۔

"بہت ہی غلطی ہوگی اگر کبھی ہم اس قسم کی پارٹی فیلنگ میں مبتلا ہوں۔ ہم کو اپنے گھر میں انتظام درست رکھنا چاہئے۔ اس کے بعد نکتہ چینی سے ہمکو کوئی خوف نہ کرنا چاہئے۔"

ہم اپنے نواب صاحب قبلہ کے اس شفقت آمیز احساس کا اولڈ بوائز کی طرف سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہم کو اپنے قابل فخر اولڈ بوائے جناب صاحبزادہ صاحب سے یہہ توقع نہ تھی کہ وہ اپنی گروہ کی بابت اسقدر سخت رائے رکھیں گے۔ طلباء کالج کو اولڈ بوایز سے الگ کرنا درحقیقت ناخن سے گوشت کا جدا کرنا ہے۔ اور یہہ ناممکن العمل ہی نہیں بلکہ ناممکن الحصول ہے۔ اولڈ بوایز خدانخواستہ دل شکستہ بھوکے بنگالی انتہا پسندوں کی جماعت نہیں ہیں جو نادان اور ناعاقبت اندیش طالب العلموں کو ہندوستان کے افلاس اور فاقہ کشی کی مبالغہ آمیز داستان سنا سنا کر جان فروشی اور جان ستانی کا سبق دیتے پھریں۔ وہ اپنی ذمہ داریوں سے قدرے واقف ہیں اور اُنکے لئے ایسے قواعد کا نافذ کرنا اون کو بددل اور بدنام کرنا ہے۔ اولڈ بوایز اور

طالبعلموں کے درمیان جس اجنبیت کی آجکل شکایت ہو رہی ہے وہ ایسے ہی خیالات کا نتیجہ ہے اور اگر یہ قایم ہو گئی تو یہی نہیں کہ اس سے کالج کو سخت مضرت کا اندیشہ ہے بلکہ آیندہ وہاں کے طالب علموں میں وہ تمام جوش سولوے محبت باہمی غرضکہ ساری خوبیاں جسکے لئے ہمارا کالج ممیّز اور ممتاز ہے ناپید اور مفقود ہو جائیں گی۔

امر دوم کے متعلق جناب نواب صاحب فرماتے ہیں:-

"میں . . . اس قدغن کی اپنے نزدیک کوئی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اور نہ صرف یہ کہ ضرورت نہیں سمجھتا بلکہ اوس کو مضر سمجھتا ہوں۔ کالج کا نزیری سکرٹری کوئی بچہ نہیں ہوتا جو دوسروں کی رائے سے متاثر ہو کر سیدھے راستہ سے منحرف ہو جاویگا

. . . .

. . . .

میں تو اپنے آپ کو نہ صرف ٹرسٹیوں کا سکرٹری سمجھتا ہوں بلکہ معاملات کالج میں تمام قوم کا سکرٹری سمجھتا ہوں۔"

ہم کو اپنے شفیق اور محترم بزرگ سے لفظ بہ لفظ اتفاق ہے ہماری رائے میں طلباء کو ضرورت سے زیادہ سخت قواعد کا پابند کرنا یہی نہیں کہ فضول بلکہ سخت خطرناک ہے۔ قبل کسی تادیبی آئین وضوابط کے وضع کرنے کے ہم کو اپنی قوم کے بچوں کے جذبات اون کے گرد و پیش کے حالات اور سب سے بڑھکر اُن کے مزاج کی صحیح تشخیص کی ضرورت ہے۔ ایسے قواعد جو اُن کی امنگوں اور حوصلوں کو دبا دیں ہماری قوم کے لئے کبھی مفید ثابت نہوں گے۔ اگر اُن کو کسی قسم کی شکایت ہو تو اسکا یقینی موقع دینا چاہئے کہ وہ اُنکو ٹرسٹی صاحبان سے بآزادی تمام کہہ سکیں اور آخر الذکر اصحاب کا یہ فرض ہے کہ اسکا بڑا خیال رکھیں کہ ادنی سے ادنی شکایت بھی اُن کے کانوں تک پہونچنے سے نہ رُکنے پائے۔ یہی ادنی قسم کی شکایتیں ہیں جو بڑھتے بڑھتے نہایت مہیب شکلیں اختیار کر لیتی ہیں

اور معاملات کو اختیار سے باہر کر دیتی ہیں۔ طلباء کو جو شکایتیں ہوں وہ اگر آنریری سکریٹری سے نہ کہیں گے تو کس سے کہیں گے۔ کالج کا آنریری سکریٹری کسی قلمرو کا **ناظم** نہیں ہے جسکا وقار نمائشی قائم کیا جائے اور جسکے کان تک کسی جائز شکایت کی رسائی بجیال سہولت انتظام ضوابط کی بندشوں سے روکی جائے۔ اوسکے اور طلباء کے درمیان **پدرانہ تعلقات** ہونے چاہئیں تاکہ اُن میں اوسکی **محبت** اور **ادب** پیدا ہو اور وہ اپنے **رعب** سے بہت سی اُن دقتوں اور مشکلات کو رفع کر سکے جو عارضی خوف سے بجائے رکنے کے اور زیادہ ترقی پذیر ہو جاتی ہیں۔

پارٹی فیلنگ

سب سے زیادہ **افسوسناک** اوس **پارٹی فیلنگ** کا وجود ہے جسکی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ اسکے بارہ میں جناب **نواب صاحب** تحریر فرماتے ہیں:۔

"واقعات یہ ہیں کہ اولڈ بوائز میں باہم **پارٹی فیلنگ** قائم ہے ایک پارٹی میں کالج کے بعض وہ لوکل ٹرسٹیز شامل ہیں جنکو کالج کے مختلف کاموں میں اکثر اوقات قابو حاصل رہا ہے۔ اُس پارٹی میں ایک رکن ہمارے معزز دوست **صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب** بھی ہیں اور وہی اوس پارٹی کے لیڈر ہیں۔

دوسری پارٹی کے لیڈر میرے معزز دوست مسٹر **شوکت علی خانصاحب** اور مسٹر **محمد علی خانصاحب** (آکسن) ہیں۔ آخر الذکر پارٹی کو ہمیشہ یہ شکایت رہی ہے کہ اول الذکر پارٹی تمام اختیارات کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتی ہے ......

اور جہانتک مجھکو تجربہ ہوا میں نے بھی اس شکایت کو ایک حد تک ضرور صحیح پایا۔"

ہم کو کسی طرح یہ بات خوشگوار نہیں معلوم ہوتی کہ ایسی نزاع جسکا اثر کالج پر پڑے ہماری جماعت کے ایسے قابل قدر افراد سے منسوب کیجائے جو واقعی کالج کے فدائی اور اوسکے لئے جان توڑ کوشش کرنے والے ہیں اگر خدانخواستہ کالج کو کسی قسم کا گزند اُن کی آپس کی ناچاقی

کی وجہ سے ہو بچا تو دنیا یہی کہیگی کہ کالج ہی کے عزیز فرزندوں نے جنھیں اُس نے نہایت لاڈ پیار سے اپنی آغوش عاطفت میں پالا تھا اوسکو ہلاک کرڈالا ۔ کیا یہی صلہ اون احسانات کا ہے جو کالج نے ہم پر اور تمام قوم پر کیا ہے؟ اور کیا سرسید کے نام لیوا اپنے پیشوا کے عظیم الشان کارناموں کا اظہار شکریہ اسی طرح کرنا چاہتے ہیں؟

ہمارے دوست اس زہر اُگلنے پر ہم کو معاف فرمائیں گے۔ جو رشتہ اخوت اور یگانگت کا ہمارے اور اونکے درمیان ہے وہ دوسروں سے نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ کالج سے اونکو جو فرط محبت ہے وہ دوسروں کو نصیب نہیں۔ اونکا جوش اونکا اخلاص اُن کی دل سوزی بیشک قابل رشک ہے۔ اولڈ بوایز میں جو روح وہ پھونکنی چاہتے ہیں اُسے کون نظرانداز کرسکتا ہے۔ لیکن ہم صاف کہے دیتے ہیں کہ جسقدر وہ ہمارے خیال و انداز میں اونچے ہیں اوسی قدر ہماری توقع اور امیدیں بھی جو اُن کی ذات سے وابستہ ہیں اونچی ہیں اور اُنکی خفیف سی خفیف باتیں بھی جو دوسروں میں درگذر کیجاسکتی ہیں ہم کو **غالب** کے اس شعر کا مصداق بنانے کے لئے کافی ہیں۔

پُر ہوں میں شکووں سے اس طرح کہ جیسے باجا
اِک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھیئے کیا ہوتا ہے

جناب نواب صاحب قبلہ کے یہ الفاظ۔

"کالج کو مشکلات سے نکالنا سب سے زیادہ مقدم ہے۔ سو **مشتاق حسین**۔ اور زید عمرو بکر اگر اُس پر سے قربان ہو جائیں تو اوسکی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔"

آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اُنسے ہمارے دل پر ایک چوٹ لگتی ہے کہ کاش یہہ الفاظ ہمارے کسی "اولڈ بوائے" کے قلم سے نکلے ہوتے! اوسوقت ہم سمجھتے کہ ہم نے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کی کچھ داد دی۔ ہم اپنے محترم بزرگ کو اطمینان دلاتے ہیں کہ ہم کالج کو قوم کی نہیں بلکہ خدا کی امانت سمجھتے ہیں۔ ہرگز ہرگز ہم اوسکو اپنی ذاتی

عظمت و شان کی آماجگاہ نہ بنائیں گے۔ اور نہ کبھی یہ جائز رکھیں گے کہ وہ ہماری
جماعت کے دو حریفوں کا میدان کارزار بنے یا وہاں کسی کی "انتظامی قوت کا
جھنڈا" لہلہائے۔ ہمارے لئے اُن کی علحدگی ایک حادثہ عظیم ہوتی اور وہ بادر فرمائیں
ہم کبھی ایسا نہ ہونے دیتے۔ ہم کو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا واقعہ بخوبی ذہن
نشین ہے اور قبل اسکے کہ ایسا روز بد پیش آتا ہم اپنی تمام مخالفتوں کو بھلا کر باہم ایسے
شیر و شکر ہو جاتے کہ وہ دیکھتے کہ ہم کیا تھے اور کیا ہو گئے۔ خدا اُنکو ہمارے
سر پر قائم رکھے۔ آمین! ثم آمین!!

یہ بدقسمتی ہے کہ "اولڈ بوائے" کے اجرا کے آغاز ہی میں ایسے واقعات پیش آئے
جن کا اولڈ بوایز سے پوشیدہ رکھنا ہم اخلاقی کمزوری ہی نہیں بلکہ اپنے لئے صریحی
بے ایمانی سمجھتے ہیں۔ ہم کو اندیشہ ہے کہ ہماری اس تحریر پر شاید کسی قسم کی بدگمانی ہو مگر
اس خوف سے ہم اپنے اہم فرائض کی انجام دہی سے باز نہیں رہ سکتے۔ ہم امید کرتے
ہیں کہ جس آزادیٔ خیال کو ہمارے کالج نے پھیلایا ہے وہ ہم کو ایسی بدگمانیوں سے
محفوظ رکھے گی۔ اور ہم کو توقع ہے کہ آئندہ ہم کو اس قسم کی تحریر کا موقع نہ آئے گا۔

اڈیٹر

ہمارا رسالہ پریس میں جاچکا تھا کہ ہمیں حضور نواب صاحب بہادر والیٔ جاورہ کے ولیعہد پیدا
ہونے کی خبر معلوم ہوئی۔ خداوند کریم حضور موصوف کو مبارک کرے اور مولود کو عمر طویل
عطا فرمائے ہز ہائنس ایک نیک مزاج اور ملنسار نوجوان اور ہمارے کالج کے
سرپرستوں میں ہیں۔

کلام اکبر

شروع اکتوبر میں دو دن کے لئے ہم چند اولڈ بوائز بنارس سے الہ آباد گئے۔ الہ آباد کے تمام بھائیوں سے مل کر دو بہت مزہ دار دن مسٹر این احمد بیرسٹرایٹ لا کے بنگلہ پر بسر کئے۔ خاصکر آخر دن جبکہ مسٹر ظہور احمد بھی بستی سے واپس آگئے تھے تقریباً پچیس اولڈ بوائز نے مسٹر این احمد کے بنگلہ پر مگر مسٹر ظہور احمد کو حلال کر کے بہت زور شور کے ساتھ افطاری کھائی۔ بعد کو سات آدمیوں کا کھانا پچیس آدمیوں پر تقسیم ہوا۔ یہ علیگڈھ کی خاص ادا ہے۔

ان دو دنوں میں چکر لگاتے لگاتے خان بہادر مولوی سید اکبر حسین صاحب کی "عشرت منزل" میں پہونچ گئے۔ اور وہاں ایسے آرام پائے کہ دل آنے کو نہ چاہتا تھا۔ دو گھنٹے حضرت اکبر کی ملاقات کے لئے بہت کم تھے" چلتے چلتے قبلہ و کعبہ کی بیاض سے کچھ تازہ کلام اڑا لیا جسے ہم یہاں درج کرتے ہیں:۔

موڑ سے نہ گردن کبھی اے یار نکالی — تو نے نہ مری حسرت دیدار نکالی

حضرت اکبر بھی نیٹو ہیں باین فضل و کمال — سچ کہا جس نے کہا بے عیب ذات اللہ کی

رونق ہی نہیں اسکی پرساں ہی نہیں کوئی — نیٹو کی لیاقت بھی مفلس کی جوانی ہے

دور گردوں نے ابھارا دہر کو سچ ہے مگر — یہ نہ کہیے حضرت سید نے پھر کیا کر لیا
ان نگاہوں سے کہ جو تھیں خوگر طوف حرم — آفریں کہئے کہ بتخانے کو اپنا کر لیا

بت کدے میں جو ملکشا تھے وہ بالم ہو گئے   تھے جو کافر وہ حرم میں جان عالم ہو گئے
قصد یہ تھا کر دوں اس مطلع کی شرح مختصر   لکھنے کو بیٹھا جو میں کالم کے کالم ہو گئے

———(۰:۰)———

شمشیر زن کو اب نئے سانچے میں ڈھالئے   شمشیر کو چھپایئے زن کو نکالئے

———(۰:۰)———

منہ بوسئہ مس سے موڑے کیوں   ملتا ہوا مال چھوڑے کیوں
بے وقت کا راگ ہے نہ سنئے   واعظ کو مگر جھنجھوڑے کیوں

"چلتے وقت ہم نے "اولڈ بوائے" کا پہلا نمبر نذر کیا اور رخصت ہوئے۔ بنگلہ پر قریب دو بجے کے پہونچے ہی تھے کہ ایک خط ملا جسکو پڑھکر ہمارا دل باغ باغ ہو گیا۔ "اولڈ بوائے" کے دیگر پڑھنے والوں کو بھی ہم اس خوشی میں شریک کرنا چاہتے ہیں۔"

قبلہ وکعبہ کا خط یہ تھا۔

"اولڈ بوائے کو پڑھکر میرے خیالات میں وسعت ہو گئی مجھے یہ آئیڈیا ہی نہ تھا۔ یہ پرچہ تو نہایت ضروری تھا! کوئی وجہ نہیں کہ آیندہ اسکا ایک جزو انگریزی ہو۔ اس میں تصویروں کی بھی ضرورت ہے۔ خدا کرے آپکے اولڈ بوایز میں آرٹسٹ بھی پیدا ہوں۔ امید ہے کہ اس پرچہ کی اتنی آمدنی ہو کہ چند مدت میں اعلیٰ درجہ کی آب وتاب سے یہ پرچہ نکلے اور انگلستان کے پرچوں سے ٹکر لے . . . . .
"علیگڈھ کے کھلنڈرے" والا مضمون سب سے بہتر ہے اس میں زندگی ہے، درحقیقت وہی اولڈ بوائے کی آواز ہے۔ اگر میں اچھا رہا تو نہایت خوشی سے اولڈ بوائے کی قلمی خدمت کرونگا، قوم کی جو دھمی صورت ذہنوں میں بھتی ہے اسکو آپ اس پرچہ کے ذریعہ سے واقعی کر دکھایا چاہتے ہیں۔ آپکی بلند نظری اور دور اندیشی قابل ستائش ہے اور میں اس رائے کو نہایت زور شور سے واپس لیتا ہوں کہ عزیزی مسٹر محمد علی صاحب انگلستان میں قیام فرمائیں۔ اب آپ کہیں ملیں گے تو زیادہ مفید اور معنی خیز اور پریکٹیکل باتیں کرسکوں گا اور میں انکو نہایت ضروری سمجھتا ہوں۔"

ہم اِن ہمت افزا الفاظ کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور یقین ہے کہ اپنے اولڈ بوائے کو قبلہ استغفار کی پر لطف مگر تکلیف دہ زحمت سے بچائیں گے اور اولڈ بوائے کے لئے جس خاص کلام کا وعدہ فرمایا ہے وہ ارسال کرینگے۔

درد

حضرات۔ آپ کی صحبت سے میں ہمیشہ مستفید ہوتا رہا۔ میں آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے میرے لئے اپنا قیمتی وقت صرف کرنے میں کبھی دریغ نہیں کیا۔ آج میں آپسے "درد" کے نسبت کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

جی ہاں میں میرزا درد سے بخوبی واقف ہوں اپنے وقت کے مشہور شاعر گذرے ہیں۔ سنا ہے کہ صاحب دیوان بھی تھے۔ گو غالب کے فلسفیانہ کلام اور حالی کی پر درد قومی نظموں نے بچارے پچھلے شعرا کو محض تاریخی حیثیت سے قابل یاد کر رکھا ہے۔ پھر بھی اِن قدسی نفوس کے بعض بعض اشعار اور مصرعے اب بھی زبان زد خاص و عام ہیں۔ مرزا کے مقطع کا یہ مصرعہ آپ نے بھی سنا ہوگا۔

میں ہوں لفظ درد جس پہلو سے اُلٹو درد ہوں

جناب آپ اپنا وقت ضائع نہ فرماویں میں نے میرزا درد کے کلام پر تنقید کرنیکی آپ کو زحمت نہیں دی ہے معاف فرمائے۔ تو کیا آپ مجھسے کسی ایسی شے کے نسبت کچھہ دریافت کرنے ہیں جو "یہہ درد ہمارا دوست" ہو۔ اسکا پتہ آپ کسی اشتہاری طبیب سے پوچھیں۔ انکے پاس ایسی گولیاں تیار ملینگی جو درد سر۔ درد گردہ۔ درد قولنج کو یکساں مفید ہوں۔ اور پھر ہر مزاج اور ہر موسم کا لحاظ بھی اُس میں ہو۔ پوچھنے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ براہ راست دوا طلب کر لیجئے۔ ویلیو پے ایبل پارسل آ موجود ہوگا۔ اُسی کے ساتھ اسناد اور ترکیب استعمال کا پرچہ بھی ہوگا۔

جناب! مجھے عرض کر لینے کی اجازت دیجئے۔ یہہ اشتہاری میرے درد کی دوا نہیں ہیں مجھے اِن حکیم ڈاکٹر سے کچھ واسطہ نہیں۔ میں نے تو آپ سے یہہ پوچھنا چاہا تھا کہ درد کیا

چیز ہے۔ درد قومی کسکو کہتے ہیں۔ وہ محبت عام طور پر مسلمانوں میں کیونکر پیدا ہوسکتی ہے جو آپ علیگڈہ والوں میں دیکھتے ہیں۔ قومی مجالس کو دیکھیے۔ کانفرنس کو دیکھیے کیسے جوق کے جوق علیگڈہ والے ٹوٹتے ہیں۔

اہاہ! میں سمجھا۔ تو یہہ درد قدرتی ہے اور ابتدائی تربیت سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ مسدس حالی میں اسکا تفصیلی بیان ہے۔ علیگڈہ والوں میں کسی زمانہ میں آپس میں اس سے کہیں زیادہ اختلاط تھا۔ انکا بھائی چارا مشہور ہو چلا تھا۔ کالج سے ان کی گرویدگی اس درجہ تھی "کہ تیرے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد"۔ مگر اب جیسے جیسے طلبا کی کثرت ہوتی جاتی ہے۔ یہہ اُخوت بجائے بڑہنے کے گھٹتی جاتی ہے۔ ذرا اسکو غور سے دیکھیے تو اگلے اور پچھلوں میں آپ کو فرق معلوم ہوجائیگا۔ خود میرا تجربہ ہے کہ اسی کالج کے ایسے بھی طلبا ہیں جنھیں اپنے ضلع کے کل اولڈ بوایز کے نام تک نہیں معلوم۔ اُنکی مدد کرنا۔ اُنکو ترقی کے درجہ پر پہونچانا۔ اُنکے لئے خود نقصان اُٹھانا۔ اور اُن کے ساتھ دلسوزی سے پیش آنیکا کیا ذکر ہے۔ بلکہ بعض موقعوں پر تو اسکی بھی شکایت سنی گئی کہ اگر ان میں کوئی ممتاز عہدہ پر پہونچ گیا اور اپنے کم استطاعت بھائی سے اگر ملا بھی تو ضابطہ کی ملاقات کی۔ فصل کی حالت پوچھی اور بس۔ وہ اگلی سی یکرنگی اور برادرانہ میل جول بظاہر نظر نہیں آتے۔ فریمسن کی طرح ان کی محبت صیغۂ راز میں ہو تو اس کا حال خود اُنہیں کو معلوم ہوگا۔ آپ کی بات پر علیگڈہ والوں کا ذکر نکل آیا۔ جو کچھ اُن کے آپس کے برتاؤ ہوں اُسکے وہ خود ذمہ دار ہیں۔ اپنے کالج کی عزت اور نیکنامی کے وہ خود محافظ ہیں جس کالج کو مرحوم سرسید نے اپنا خون جگر پی کر اُنکے لئے قایم کیا اوس کی شہرت ملک اور قوم میں خود اُنہیں سے ہوگی۔ اب رہا اصلی محبت کے معنی۔ اُس کی مثال یوں سمجھیے کہ اگر دو آدمی ایسے ہوں کہ ایک کے حالت کا عکس دوسرے پر پڑے۔ اور یہ دونوں دایمے۔ دریمے۔ قدیمے۔ سخنے ایک دوسرے

کے کام آئیں - اس میں نہ طالب شہرت ہوں نہ امید وار صلہ - تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ ان میں وہ محبت ہے جسکی تصویر یوں کھینچی گئی ہے ؎

عشق کیا چیز ہے اک درد کا پیدا کرنا
اور اوسی درد کا پھر طالب درماں ہونا

"فایق"

مسٹر محمد علی بی اے ڈاکسن نے ہمیں ایک پہیلی بھیجی ہے جو نہایت مزہ دار اور دلچسپ ہے۔ اس کی شان نزول وہ یہ بتاتے ہیں کہ ہمارے کالج کے ایک نہایت قابل "اولڈ بوائے" جن کی شہرت سارے ہند میں ہے الہ آباد تشریف لائے! خان بہادر مولوی سید اکبر حسین صاحب نے! جو علاوہ بے نظیر اور جلیلی طبیعت رکھنے کے اسلام کی محبت میں بھی سرشار ہیں اور اس لئے مہمان نوازی اُن کا خاص شیوہ ہے اُن اولڈ بوائے کو بھی حسب دستور مدعو کیا۔ وہ تشریف لائے۔ اور کون ایسا ہوگا جسے حضرت اکبر بلائیں اور وہ بھاگتا ہوا نہ آئے۔ دوسرے دن کے لئے پھر مدعو کیا۔ مگر ہمارے دوست کسی مجبوری کی وجہ سے حاضر نہ ہوسکے۔ اس پر حضرت اکبر نے ذیل کے اشعار لکھکر اُنکے پاس بھیجدیئے:۔

دلِ انگلش رُخِ ترکانہ داری — ز دردِ ہندیاں پروانہ داری
"جنید" ایفائے وعدہ فرض پنداشت — مگر بغدادِ را بیگانہ داری

نوازی شعر اکبر را تحسیں
ہمیں یک شیوۂ شاہانہ داری

بتائیے وہ "اولڈ بوائے" کون ہیں اتا پتہ یہ ہے:۔ صورت "ملیح" اور "بھاری" طبیعت "لطیف" اور "جلیلی" "حریت" کے شیدا۔ سنوسی حکومت کے طرفدار۔ ایشیائی بادشاہوں اور خاص کر اسلامی حکمرانوں سے خفا۔ علیگڈھ کے عاشق اور میرے عزیز دوست۔

ایک معمہ

اولڈبوائے کا پہلا پرچہ ابھی پہونچا۔ میرے مکرم دوست مسٹر شوکت علی نے جس محبت اور اخلاص کے ساتھ اپنے پرانے دوستوں کا ذکر کیا ہے جس خوبی سے ان کی علمی قابلیت کا اعتراف کیا ہے اور جس مزہ سے پرانی بے تکلفی یاد دلاکر چٹکیاں لی ہیں اس نے طبیعت میں ایک امنگ پیدا کردی کہ اپنے دیرینہ قیام علیگڈھ کا ذکر کرکے کچھ پرانے دوستوں سے جنسے سلسلۂ کتابت و مراسلت عرصہ سے بند ہے اور جن کی ملاقات بوجہ چند در چند مجبوریوں کے گذشتہ کئی سال متواتر سالانہ جلسہ میں شامل نہ ہوسکنے کے باعث نصیب نہیں ہوئی اس پرچہ کے ذریعہ سے نصف الملاقات کا لطف اٹھایا جائے اور اولڈبوائز کی برادری سے انہیں ہم شناس کرایا جائے جسکا دوسرا مرحلہ روشناسی ہو وہ خود کسی سالانہ جلسہ کے موقعہ پر شریک ہوکر طے کریں گے۔ میں اپنے دوستوں کی توجہ ۱۹۰۳ء کے علیگڈھ کی طرف پھیرتا ہوں اور ایک خاص واقعہ کی یاد دلاتا ہوں جو اگر سب نہیں تو مرزا ابراہیم بیگ۔ ممتاز اسدخاں۔ حاجی محمد خاں۔ محمد برکت علی بٹ اور شیخ عبدالغنی ضرور بتاسکینگے یہ ایک معمہ ہے حل طلب اور اسکے حل کرنے کی توقع کم سے کم مندرجہ بالا احباب سے ضرور کیجاتی ہے۔ مئی کا مہینہ تھا۔ کالج کا نیا سال شروع ہونے والا تھا۔ یونیورسٹی کے امتحان ہوچکے تھے جماعت بندی ہونے کو تھی۔ اگرچہ پروفیسروں کی ایک جماعت حسب معمول ولایت کو سدھارنے والی تھی۔ گرمی کی بہار تھی "فاختہ اڑانے" کے دن آگئے تھے پرانے طالب العلم ایک دوسرے کو دیکھتے دیکھتے اکتا گئے تھے اور چاہتے تھے کہ نئے طالب العلموں کے غول کے غول آئیں اور چند روز انکے ساتھ ہنسی مذاق اور خوش گپی میں اچھے کٹ جائیں کہ ایک اجنبی وضع کا نوجوان دور دراز کی مسافت طے کرکے

احاطہ کالج میں پہونچا۔ انکا حلیہ ملاحظہ ہو۔ جتنے لمبے اُتنے چوڑے۔ سُرخ چہرہ۔ موٹے موٹے گال۔ سبزہ آغاز۔ گھیرے دار ڈھیلا ڈھالا پاجامہ پہنے اُسپر ایک غیر علیگڈھ کاٹ کا کوٹ جو معلوم ہوتا تھا درزی سے ناپ لئے بغیر اندازاً ڈیڑھ گز چوڑا ڈیڑھ گز لمبا تھان بھر کپڑا صرف کرکے ایک ہفتہ کی محنت سے تیار کیا ہوگا زیب تن کئے تھے چہرہ پر بشاشت تھی جو اس بات پر شاہد تھی کہ بدخلق نہیں ہنس مکھ آدمی ہیں جلدی ہی کالج کی زندگی سے مانوس ہو جائیں گے جب چلتے تھے تو ایک بھاری بھرکم چھوٹے قد کے جھومتے جھامتے ہاتھی کی طرح نظر آتے تھے۔ یار لوگ نئے لوگوں کی آؤ بھگت کے لئے تیار تو پہلے ہی سے بیٹھے تھے ایسا مشغلہ انہیں خدا دے بھلا ان عجب صورت اجنبی پر کسکی نظر نہ پڑتی یہ صاحب پکی بارک کے شمالی ونگ میں ٹھہرے۔ ڈائننگ ہال آتے جاتے پکی بارک کے پہلے کمروں کے سامنے سے اکثر گذرتے۔ پکی بارک کچھ تو یوں ہی خداداد ذہانت چلبلے مذاق اور سیر پسند طبایع کے لئے نامور چلی آتی تھی اور کچھ ان دنوں میاں مسعود کے ورود سے اور بھی شہرہ آفاق ہو رہی تھی۔ کون میاں مسعود جنرل سر الیگزنڈر گیزلی کے خاص ایڈیکانگ۔ انٹرنس کلاس کی کشتی کے ناخدا۔ الہ آباد یونیورسٹی کے خیرخواہ۔ آپ کے نام نامی اور صفات گرامی سے آگرہ۔ علیگڈھ۔ بریلی میں کون واقف نہیں آپکا خاص خطاب "ٹامی" ہے۔ میاں اجنبی کی صورت دیکھتے ہی ہر ایک کے جی میں آیا کہ کوئی موزوں نام انکا رکھا جاوے چنانچہ سہرا مرزا ابراہیم بیگ کے سر رہا جنھوں نے ان کی مستانہ وار چال دیکھکر بے ساختہ کہدیا" وہ آرہے ہیں" پھر کیا تھا اس الہامی نام کو مقبولیت کا جامہ نصیب ہوا جدہر وہ جاتے "وہ آرہے ہیں" "وہ جا رہے ہیں" کا شور مچ جاتا۔ سکول کے لونڈوں کو ایک کھیل ہاتھ آگیا۔ اب میاں اجنبی سٹ پٹائے۔ ڈائننگ ہال جاتے تو یہی غل۔ بورڈنگ ہوس میں پھرتے تو یہی شور۔ کھیل میں جاتے تو یہی پکار۔ آخر ایک دن انکے یار غار برکت علی بٹ کو جو غصہ آیا تو مسجد کے دروازے کے باہر ایک اسکول کے لونڈے کو پیٹ دیا۔ برکت علی سے شاید

آپ واقف ہوں یہ حضرت پتلے لمبے چھریرے بدن کے زرد رو میاں اجنبی سے ملتی جلتی وضع کے آدمی تھے خاص بات آپ میں یہ تھی کہ چلتے ہوئے ایک کندھا معمول سے اونچا اور دوسرا نیچا رکھتے تھے آپکی آواز میں ایک خاص شیرینی اور مہربلا پن تھا جو شاید مینڈک کی آواز میں بھی مشکل سے ہو۔ غرض اس مار پیٹ کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ "وہ آرہے ہیں" کا پُر لطف فقرہ کچھ دبی آواز سے کہنے لگے۔ گرمی کی رخصت تک تو میاں اجنبی نے جوں توں کرکے وقت بسر کیا لیکن رخصت کے بعد جب دوبارہ کالج میں پہونچے تو نہ وہ چیخ پکار تھی نہ مار پیٹ کی نوبت سب لوگ اتنے واقف ہوچکے تھے اکثروں سے راہ و رسم دوستی کے درجہ تک پہونچ چکی تھی اب وہ پکّی بارک میں رہتے تھے اور اونکا مسکن مرجع عام ہو رہا تھا ڈائننگ ہال سے آتے جاتے بہت لوگ انکے یہاں جمع رہا کرتے تھے انکی وضع میں بھی تغیر ہو چکا تھا ڈھیلے پاجامے اور کھلے کوٹ کی جگہ انگریزی لباس زیب تن تھا۔ این احمد کی کپتانی میں ہاکی کے کھیل میں شامل ہونے کی وجہ سے انکا بدن بھی کچھ ہلکا ہو رہا تھا۔ غرض انہیں ابتدا کی انگشت نمائی نے بہت فائدہ دیا۔ ہر ایک سے واقفیت ہوگئی۔ اور بہتوں سے دوستانہ مراسم پیدا ہوگئے۔ بتائیے وہ صاحب کون ہیں؟

اس معمہ کے حل کرنے والوں کی تعداد میں میں اور اضافہ کئے دیتا ہوں یعنی سعید محمد خاں یعقوب علی خاں (یار خاں کی گردن) مصطفےٰ حسین رضوی (خبنا) اور ناظر الدین حسن (این این رائٹ ٹرن) سابق کپتان علیگڈھ ملیشیا۔

مکرر عرض یہ کہ اگر معمہ حل کرنے میں وقت ہو تو اتا پتہ بتائے دیتا ہوں کہ وہ ذات شریف میں ہی ہوں۔

راقم
ایک رازدار

دو فرمائشیں

خوشا وقتے و خرم روزگارے
کہ یارے برخورد از وصل یارے

واقعی یہ ہے کہ علیگڈھ کالج کے پرانے طالبعلموں کو کالج کے ساتھ جسقدر الفت ہے ایسی دوسرے کالجوں کے طلبا میں بہت کم پائی جاتی ہے۔ جس زمانہ تک ہمنے کالج میں طالبعلمی کی ہے اُس زمانہ کے طالبعلموں کا تو ایسا ہی حال تہا اور اپنے سے پُرانے جن طالبعلموں سے رسم ہے اُنکو بھی یہی کہتے سنا ہے۔ نہ صرف سنا بلکہ دیکہا ہے۔
علاء الحسن صاحب نے ایک مرتبہ تین مہینہ کی رخصت لی تھی تقریباً کل رخصت کا زمانہ کالج میں ابراہیم حسین کے کمرہ پر گنجفہ اور شطرنج میں صبر کردیا۔ مولوی حبیب اللہ خاں اور سید طفیل احمد کو بھی دیکہا کہ ہمیشہ کالج آنے کا بہانہ ہی ڈہونڈہتے رہتے تہے۔ آج ہز آنر کی آمد ہو اور خانصاحب علیگڈہ میں موجود ہیں کل کوئی والی ملک کالج میں تشریف لاتے ہیں اور مولوی طفیل احمد چلے آتے ہیں۔ شوکت علی کے واسطے تو بہانہ ڈہونڈہنے کی بھی ضرورت نہیں بس دو دن کی رخصت ملنا چاہئے اور حضرت کالج میں موجود رہے ہیں۔ یہ تو گویا ہماری طالب العلمی کے زمانہ کے اولڈ بوائز کی حالت تھی۔ اُسوقت کے موجودہ طالبعلم بھی ایسے ہی کالج کے دلدادہ تہے کہ چھوڑنے ہی کو جی نہیں چاہتا تہا تعطیلوں کے آنے سے بجائے خوشی کے افسوس ہوتا تہا چھوٹی موٹی تعطیلیں مثل عید بقرعید کے تو اکثر طالبعلم کالج ہی میں گذارتے تہے اور سچ یہ ہے کہ کالج کی عید میں جو لطف آتا تہا اور نماز کے بعد ڈائننگ ہال کی بریانی اور بورانی جو مزا دیجاتی تہی وہ کالج چھوڑنے کے بعد آجتک نصیب نہیں ہوا اور گلے ملنے کا تو گویا چرچہ ہی جاتا رہا اب وہ لطف کہاں کہ میاں

احمد حسین صاحب سے عید ملنے کیواسطے اول تو مین میں جو کی رکھکر اوپر کھڑے ہوئے تب
احمد حسین کے برابر ہوکر عید ملی گئی - بڑی تعطیلوں میں بھی ہمیشہ تعطیل شروع ہونے سے
تین چار روز بعد مکان کو جاتے تھے اور کالج کھلنے سے تین چار روز پیشتر پہونچ جاتے
تھے - ان تین روز کی کیفیت نہ پوچھئے ریلوں کے وقت اکثر تو اسٹیشن ہی پر پہونچ جاتے
تھے ورنہ کالج کے بڑے پھاٹک پر تو ضرور ڈٹے ہوتے - جو طالب علم گھروں سے آئے
اول اُنکی تلاشی لے لی ناشتہ اپنے قبضہ میں کرلیا تب پھاٹک سے آگے بڑھنے دیا - بعض تو
ایسے تھے کہ بڑی تعطیلوں میں بھی گھر کا نام نہیں لیتے - سرفراز خاں تو بغیر شہر میں ہیضہ کی کثرت
ہوئے کبھی کالج سے ٹلے نہیں مشتاق اور فرید کا بھی تقریباً ایسا ہی حال تھا - غرض کہ اُس زمانہ
تک تو نئے اور پُرانے سب طالب علم کالج کی محبت میں سرشار نظر آتے تھے یہانتک کہ کھانا
وغیرہ کی بورڈنگ ہاؤس میں جو شکایتیں ہوتیں اون کو بھی کالج کی بدنامی کے خوف سے
گھر جاکر نہیں کہتے تھے - لیکن اب چار پانچ سال سے سنا ہے کہ طالبعلموں کی یہ حالت
نہیں ہے اس عرصہ میں جو لوگ کالج چھوڑ گئے ہیں نہ اُن میں وہ پرانی محبت ہے نہ
موجودہ طالبعلموں کو وہ خیال ہے اسکا اصلی سبب تو مسٹر شوکت علی کو معلوم ہوگا یا مسٹر
محمد علی کو اسواسطے کہ قرون اخیرے کے اولڈ بوائز اور زمانہ حال کے طالبعلموں سے اُنہیں
کا رسم وراہ قائم ہے لیکن اتنا فرق تو ہمیں بھی محسوس ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے جو اولڈ بوائز
بذریعہ ملازمت یا کسی اور وجہ سے کسی شہر میں جاتے ہیں وہ نہ اس امر کی پرواہ کرتے ہیں
کہ اسباب کو معلوم کریں کہ کالج کے پُرانے طالب علم کون کون وہاں موجود ہیں اور اگر یہ
معلوم بھی ہو جائے تو نہ اُنسے ملنے کی پرواہ کرتے ہیں - برخلاف اسکے ہم اپنے زمانہ کے
طالبعلموں کو دیکھتے ہیں کہ جس شہر میں اُن میں سے دو بھی جمع ہو جاتے ہیں اُنکے زمانہ
طالب علمی میں خواہ کتنا ہی بُعد کیوں نہ ہو فوراً ایک دوسرے سے ملکر شیر وشکر ہو جاتے
ہیں - جس زمانہ میں میں کالج میں پڑھتا تھا مصطفیٰ خاں مرحوم (حق مغفرت کرے عجب آزاد

مرد تھا، شاہجہاں پور میں منیجر کورٹ آف وارڈس ہو گئے تھے۔ تعطیل کے زمانہ میں میں جب شاہجہانپور گیا تو مجھے انکے وہاں ہونے کا علم ہوا۔ مصطفیٰ خانصاحب بہت پرانے زمانے کے طالبعلموں میں تھے۔ میں نے اسوقت تک انکو دیکھا بھی نہیں تھا البتہ انکا نام اور انکی قابلیت کا تذکرہ ضرور سنا تھا۔ میرا جی چاہا کہ انسے جاکر ملوں لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ خانصاحب بڑے صاحب ہیں اور لوگوں سے ملاقات میں بھی ذرا پہلو تہی کرتے ہیں۔ یہ خبر سنکر اول تو میرا جی ذرا ہچکچایا لیکن پھر میں نے خیال کیا کہ ہیں تو کالج ہی کے طالب علم اگر میرے ساتھ ذرا سی بھی کج اخلاقی کی تو ایسا جھاڑوں گا کہ یاد کریں گے۔ یہ خیال کرکے میں مصطفےٰ خاں صاحب کے یہاں پہونچا لیکن اول ہی ملاقات میں ہم ایسے دوست ہو گئے جیسے کہ کوئی برسوں کے ایک جگہ رہنے سہنے اور ملنے والے ہوں۔ یا اب یہ کیفیت ہے کہ میں سنتا ہوں کہ مرادآباد میں کالج کے زمانہ حال کے کوئی صاحب پرانے طالب علم انسپکٹر آبکاری ہیں لیکن آجتک نہ ہم میں سے کسی نے انکو دیکھا نہ انھوں نے ہم کو اولڈ بوائے کے ذریعہ سے اور بڑے بڑے کام جو کچھ ہوں اونکا خیال یا خیالی بلاؤ تو محمد علی صاحب ہی پکاتے ہوں گے اسواسطے کہ وہی کالج کی خوابیں دیکھتے ہیں اور بڑے بڑے اسکیم بناتے ہیں، ہمیں تو سردست اتنا فائدہ محسوس ہوتا ہے کہ ایسے اولڈ بوائز سے جنکا اوپر ذکر کیا ہے بات چیت کرنے کا کہنے سننے کا موقعہ ملجائے گا اور جب وجوہ معلوم ہو جائینگے جنکی وجہ سے طلبا کے خیالات میں یہ تبدیلی واقعہ ہوئی ہے تو ممکن ہے کہ سب کی کوشش سے کچھ اصلاح بھی ہو جائے۔ یہ باتیں تو آیندہ کی ہیں اسوقت تو اولڈ بوائے کے ناظرین سے مجھے اسقدر عرض کرنا ہے کہ کئی سال ہوئے اولڈ بوائز کے سالانہ جلسہ میں یہ رزولیوشن پاس ہوا تھا کہ جونیر اولڈ بوائز اپنے شہر کے سینیر اولڈ بوائز کے یہاں جاکر ملاقات پیدا کیا کریں۔ اس رزولیوشن کی عملاً تعمیل بہت کم ہوئی ہے میری استدعا ہے کہ ہمارے پرانے طالب علم اپنے اپنے شہروں میں اس ضروری رزولیوشن کی پورے طور پر تعمیل کرنے کی

کوشش کریں اور نہ صرف پرانے طالب علم بلکہ موجودہ طالب علم بھی تعطیلوں میں جب اپنے مکانوں کو جاویں تو وہاں جسقدر اولڈ بوائز ہوں اُنسے ملنا اپنا فرض خیال کریں اسطرح بہت سی غلط فہمیاں اور شکایتیں دور ہو جائینگی بہت سے واقعی نقص معلوم ہو جائیں گے اور بہت سی اصلاحیں کالج کے انتظامات میں کرائی جاسکینگی۔ دوسری بات یہ کہ آئے دن اخبارات میں کالج کے موجودہ اور پرانے طلبا کے مضامین کالج اور کالج کے منتظمین کی شکایت میں شایع ہوتے ہیں۔ ان مضامین میں جو واقعات درج ہوتے ہیں وہ صحیح ہوں یا غلط لیکن اونکا پبلک میں شایع ہونا اور اغیار کی نگاہوں سے گذرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا اس لئے اب کہ طلبا کا ایک مستقل آرگن قایم ہو گیا ہے پرانے اور نئے طلبا کو عہد کر لینا چاہئے کہ سوائے اولڈ بوائے کے کالج کے متعلق کوئی مضمون کسی اور اخبار یا رسالہ میں شایع نہ کریں گے۔ اگر یہی دو مقصد حاصل ہو گئے تو سمجھ لیجئے کہ اولڈ بوائے نے اپنے وجود کو ضروری اور لکارآمد ثابت کر دیا وما ذالک علی اللہ عسیرا۔

خاکسار۔ محمد یعقوب از مراد آباد

مسٹر محمد یعقوب صاحب نے "اولڈ بوائے" کے لئے جو دو تجاویز روانہ فرمائی ہیں ہم انہیں نہایت خوشی کے ساتھ درج رسالہ کرتے ہیں اور ہم دونوں باتوں میں اُن سے متفق ہیں، لیکن کیا اسلامی طریقے کے مطابق یہ مناسب ہوگا کہ مقیم "اولڈ بوائز" مسافر "اولڈ بوائز" کے پاس جاکر اُن کی آسائش اور ضروریات کے متعلق استفسار کریں۔ ظاہر ہے کہ اس طریقے سے آنے والے "اولڈ بوائز" کے دلوں میں مقیم "اولڈ بوائز" کی عزت زیادہ ہو جائیگی اور وہ ہمیشہ کے لئے اُنکے ہو جائیں گے"

(اولڈ بوائے)

اولڈ علیگیرینس کرکیٹ کلب

موجودہ علیگڈھ کرکیٹ کی حالت دیکھکر اس کی تنزلی کے اسباب پر توجہ دلانا بیجا نہوگا۔

جسوقت میرے زمانہ کپتانی میں مسٹر (اب سر تھیوڈور) ماریسن نے اس خیال سے کہ اولڈ بوایز کا شریک ہوکر کالج کے بڑے بڑے میچ کھیلنا نئے طلبا کی دل شکنی کا باعث ہوتا ہے یہ خواہش ظاہر کی کہ اولڈ بوائز کا موجودہ طلبار کالج کے شریک ہوکر میچ کھیلنا بالکل بند کردیا جائے تو اسکی مخالفت کی گئی جو بالآخر کارگر ہوئی۔ اولڈ بوائز کی اسوقت میں مدح سرائی کرنا گویا اپنے منہ میاں مٹھو کی حیثیت رکھتا ہے مگر اسبات کا اعادہ کرنا بھی ضروری ہے کہ اگرچہ ہم ہی میں ایسے بھی بزرگ گذرے ہیں جو فلانل کی پتلوں سے ناراض ہوکر اسکو "دبرجاں" کے نام سے یاد فرماتے رہے ہیں اور بعض بزرگوں نے اکثر لنچ پر پنیر پیش ہوتے وقت "دھردے" کا حکم دیکر کل بلیٹ اپنے ہی سامنے رکھالی ہے یا چھری کو بائیں اور کانٹے کو داہنے ہاتھ میں پکڑکر اسکو بجائے موہنہ کے رخسار مبارک میں داخل فرمالیا ہے اور سنا تو یہہ بھی گیا ہے۔ کہ زمانہ جاہلیت میں تو دھوبی کی تکلیف بچانے کے لئے خود ہی جوتے کے ساتھ پتلون پر بھی کھریا کرلی ہے تاہم اولڈ بوائز کی موجودگی اور ہمت افزائی نے بہت سی شکستوں کو فتح سے بدل دیا اور اُن کی مثال سے نئے طلبار نے ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی جیسے باقاعدہ کپڑے پہننے یا کرکیٹ فیلڈ اور بیرونی مقامات میں شریفانہ اور علیگڈ ہی آن بان قائم رکھنے میں سبق لئے ہیں۔ اور اُنکے "سنگھی والے" اور "دال مونگ اور ترچھے نینا" کے کورس۔ اُن کے بڑے بھائیوں کی سی محبت دلچسپی اور نصیحت نے وہ جوش زندہ دلی اور ولولے پیدا کردیئے ہیں جو بعد کو پیارے کالج کی عزت اور شہرت بڑھانے

اور اسکی ٹریڈیشن قائم رکھنے میں ممد ثابت ہوئے ہیں۔

سنہ ۱۹۰۳ء کے اکسفورڈ آکسفورڈ کے میچ کے بعد اولڈ بوائز کی شرکت مسدود کر دی گئی اور اسوقت سے کالج کی شہرت سے زوال کی طرف آہستہ آہستہ مگر نہایت استقلال کے ساتھ قدم بڑھانا شروع کیا! گو جب اولڈ بائز شریک ہوسکے تو سنہ ۱۹۰۶ء میں بمبئی میں پارسیوں کو سرتوڑ شکست دیکر یا کلکتہ میں سنہ ۱۹۰۸ء میں کھیل کر "پرانے چانول" رنگ دکھا ہی گئے۔ مگر یہ ایک فقط وقتی کارروائی تھی اور پچھلے زمانہ میں تو کالج کرکیٹ کا زوال اس حد کو پہونچ گیا کہ کرکیٹ کے فدائیوں نے بریلی کے مقام پر دسمبر گذشتہ میں ایک میٹنگ کی اور کالج کرکیٹ کو سنبھالنے کی ضرورت محسوس کرکے "اولڈ علیگیرینس کرکیٹ کلب" کی بنا رکھی اور وہ دروازہ بھی جو سنہ ۱۹۰۳ء میں بند کر دیا گیا تھا کھلوا لیا۔ جسکے عمدہ نتائج کا اظہار ہونا شروع ہوگیا ہے۔ دوسرا اسکا اہم تر مقصد ہمارے کلب کا خود اولڈ بائز میں کرکیٹ کا شوق قائم رکھنا ہے کہ مبادا کہیں وہ دنیا کے تفکرات میں پھنسکر کرکیٹ کھیلنا نہ بھول جائیں۔

اس کلب کا سالانہ چندہ پانچ روپیہ ہے اور کلب کے بلیزر کی قیمت معہ کالج کے بٹن اور نکٹائی کے بیس روپیہ ہے جو اکتوبر آیندہ میں مسٹر محمود شاہ (علیگ) کی دوکان لدھیانہ سے ملسکتا ہے۔ اگرچہ اسوقت تک کلب میں صرف پندرہ اولڈ بوائز چندہ دیکر باقاعدہ شریک ہوئے ہیں اور اگرچہ اسوقت تک کے غیرممبران میں سے چند وہ اولڈ بوائز بھی ہیں جو کالج کرکیٹ کی جان اور جو اولڈ علیگیرینس کرکیٹ کلب کے آفس بلیزرز بھی مشتہر ہو چکے ہیں لیکن اطمینان یہی ہے کہ دل سے تو سب شریک ہیں۔ انشاء اللہ باقاعدہ بھی جلد شریک ہوجاوینگے۔ خیال ہے کہ آیندہ بڑے دن کی تعطیل میں نئے طلباء کی شرکت سے پارسی پریذیڈنسی و ہندو کلب سے میچ کھیلے جائیں اسلئے درخواست ہے کہ موجودہ و نیز آیندہ ممبران کلب مطلع فرمائیں کہ کون کون صاحب بمبئی میں اسوقت کھیل سکینگے اور قبل تاریخ روانگی کلب کا بلیزر بھی خرید لیں اور اگر ابھی تک چندہ سالانہ نہیں بھیج سکے ہیں تو کسی عرصہ دراز تک مہینہ کی پہلی تاریخ کا انتظار نہ فرمادیں۔

سعید محمد خاں جوائنٹ سکریٹری۔ از اٹاوہ

اولڈ بوائے

کا

خیر مقدم

زمانہ جنکو بھلا چکا تھا وہ پھر فسانے سنائے تو نے
ہوئے تھے جو دل سے محو نقشے ہمیں دوبارہ دکھائے تو نے

بہت سنبھلکر بگڑ گئے تھے ہزاروں ملکر بچھڑ گئے تھے
بہت سے بگڑے ہوئے سنبھالے بہت سے بچھڑے ملائے تو نے

سبق اخوت کا بھول بیٹھے تھے گم گئی تھی کتاب الفت
پڑھایا آموختہ دوبارہ پرائے گر پھر بتائے تو نے

یگانے بیگانے ہو گئے تھے رہی تھی یاروں میں بھی نہ یاری
مگر بلا کا اثر ہے تجھ میں پرائے اپنے بنائے تو نے

ہوا تغافل کی چل رہی تھی چمن میں مرجھا رہی تھیں کلیاں
ہوا چلائی کچھ ایسی آ کر کہ سوکھے غنچے کھلائے تو نے

اگرچہ تھے کچھ نیاز والے مگر زیادہ تھے ناز والے
نیاز والوں کو گر نوازا تو لاکھوں روٹھے منائے تو نے

کہیں قیامت کا صور پھونکا کہیں پکارا کہ قم باذنی
ہزاروں سوتے جگائے تو نے ہزاروں مردے جلائے تو نے

مگر یہ طرفہ ہے ابر رحمت چلا ہی کاشی سے سمت کو یل
یہ کیسی گنگا بہائی اُولٹی یہ کیا کرشمے دکھائے تو نے

محمد علی (آکسن)

مسٹر عنایت اللہ بی اے کالج کے نامور اولڈ بوائز میں ہیں اور ہمارے دوست مسٹر شوکت علی "کالج کے کھنڈروں" کے سلسلہ میں مسٹر عنایت اللہ کی یاد ہمارے دلوں میں تازہ کر چکے ہیں۔ "اولڈ بوائے" کا پہلا پرچہ پانے کے بعد جو خط انھوں نے لکھا ہے اسکا اقتباس درج ذیل ہے:-

کسی زمانہ میں "اولڈ بوائے" سے میں ایسے شخص سے مراد لیتا تھا جو اوقات سعیدہ بہا بیا

بل ادا نہ کر سکے۔ مہینہ کا آخری ہفتہ جب انسان کوڑی کوڑی کو محتاج ہوتا ہے
اور مجبور کوں مرنے لگتا ہے اس وقت کسی بھلے آدمی کے سامنے وی پی پارسل
کا پیش کرنا سراسر گناہ بلکہ گناہ کبیرہ ہے۔ یہ تاریخی واقعہ ہے۔ جاں نثار
"اولڈ بوائے" کے کمانڈر (سرسید) مارچ ۱۸۹۸ء کے آخری ہفتہ میں راہی ملک
بقا ہوئے جب کہ اس بڑے آہنی صندوق میں پنشن کے روپیہ میں سے کچھ
بھی باقی نہ تھا تم جانتے ہو کہ اس وقت کیا ہوا؟ کفن اور تجہیز و تکفین کے اخراجات
کس طرح ادا ہوئے۔ میری رائے میں رفاہ عام کے خیال سے گورنمنٹ پر لازم
ہے کہ سول سروس ریگولیشن میں ایک فقرہ اس مضمون کا ایزاد کر دے کہ اُن
ملازمان سرکار کی تجہیز و تکفین گورنمنٹ کے مد سے کی جائیگی جو کسی مہینے کے
آخری ہفتہ میں فوت ہوئے ہوں بشرطیکہ اخراجات کی مقدار ملازم کی گذشتہ
پانچ سال کی اصلی تنخواہ کے بیسویں حصہ سے زیادہ نہ ہو۔ اُس وقت اولڈ بوائے
کا پارسل نہیں لیا گیا۔ ہاں! یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اسکا ٹائٹل پیج اسقدر شاندار
ہوگا" ورنہ پیٹ پر پٹی باندھکر قرض دام کر کے پرچہ وصول کیا جاتا۔ خیر آپ قیمت
کے متعلق زیادہ تردد نہ کریں اور میری طرح جو لوگ وی پی وصول کرنے
سے گریز کریں اُن کے نام مشتہر کر دیجئے۔ سب سے پہلے میرا نام ہو۔ مجھے ہرگز
کوئی عذر نہ ہوگا۔

خط لکھنے کے بعد تنخواہ آئی لیکن "اولڈ بوائے" کا پارسل وصول کرنے
سے پہلے تین روپئے سگرٹ والے کو بھیجنا ہیں"

---(۰)---

عبدالعزیز صاحب بی اے (علیگ) سب ڈپٹی کلکٹر آرہ لکھتے ہیں:-

پہلے نمبر "اولڈ بوائے" کا شکریہ۔ اس وقت ابھی پرچہ کی نسبت کوئی قطعی

راے دینا قبل از وقت ہوگا، لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ یہ ایک دل فریب پرچہ ہے۔ میں نے بڑے لطف کے ساتھ پڑھا۔ اڈیٹوریل اور علیگڈھ کے کھنڈرے میری نظر میں خاص وقعت رکھتے ہیں۔ آخرالذکر مضمون کے پرمذاق طرز ادا نے لطف دوبالا کر دیا۔ اور اسکے پڑھنے سے جو مزہ حاصل ہوا دل جانتا ہے۔

میں نے اپریل ۱۹۱۰ء میں بی اے کی ڈگری لے کر اپنے پیارے کالج کو خیرباد کہا، اس وقت دل کی جو حالت تھی بیان نہیں ہوسکتی۔ تفکرات اور اور مشاغل کی وجہ سے کالج سے سلسلہ تقریباً منقطع رہا لیکن "اولڈ بواے" نے اچانک گہری نیند سے آجگایا۔ میری راے میں اس پرچہ کی بڑی ضرورت تھی اور اس سے اتحاد اور کالج کی ضروریات کا احساس پیدا ہوگا۔ میں ہرحال میں پرچہ کا شریک اور ہر وقت مدد کو تیار ہوں"۔

ہم شکرگذار ہیں کہ ہمارے بھائی مسٹر عبدالعزیز صاحب نے "اولڈ بواے" کا خیرمقدم کرتے ہوے اس کی ترقی اور کامیابی کے متعلق مفید تجاویز پیش کی ہیں۔ پرچہ کا حجم ضرور بڑھایا جاے گا۔

اولڈ بوائز سے درخواست ہے کہ پرچہ کے لئے مضامین بھیجیں۔

———(٠:٠)———

مسٹر نذیر احمد الہ آباد سے ہمیں مبارکباد دیتے ہوے تحریک کرتے ہیں کہ "اولڈ بواے" میں علمی اور فلسفیانہ مضامین بھی درج ہوا کریں۔ ہمیں اپنے بھائی سے بالکل اتفاق ہے اور انتظار ہے کہ علم دوست اولڈ بوائز ایسے مضامین ہمارے پاس بھیجیں۔

مسٹر نذیر احمد کے خط کا ایک حصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

"اولڈ بواے" ابھی ملا۔ میں نے پیارے اولڈ بواے کو آنکھوں سے لگایا

اور دل میں بٹھایا۔ اس کی پیاری صورت اس قابل ہے کہ ہر اولڈ بوائے اسے پیار کرے! اسے چومے اور اس کو دل میں جگہ دے۔ میں "اولد بوائے" کو اور آپ کو اس کی اشاعت پر مبارک باد دیتا ہوں اور نہایت دلی تپاک سے اس کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ خدا کرے کہ یہ نونہال پھلے پھولے اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہو۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

مجھ سے جو کچھ مدد و اعانت اس ناتندرستی میں جس سے غالباً آپ واقف ہوں گے، اسکے لئے ہوسکیگی میں ہمہ تن اور ہمہ وقت تیار ہوں۔

اس موقع پر بطور ایک سچے دوست کے اگر اپنے "اولڈ بوائے" کے لئے کچھ مشورے عرض کروں تو امید ہے کہ آپ اُن پر توجہ فرمائیں گے اولڈ بوائز کیا ہیں اور اُن کا مطمح نظر کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ، اس کی طرف اڈیٹوریل میں اشارے کئے گئے ہیں لیکن میں ایک بات اور عرض کرنی چاہتا ہوں۔ اولڈ بوائز کو قوم کے پیشوا، قوم کے ہادی، قوم کے لیڈر بننا ہے اور سرسید کا مقصد یہ تھا کہ اولڈ بوائز من حیث المجموع دماغی، روحانی اور جسمانی کمالات کے نمونہ ہوں، پس "اولڈ بوائے" کو بھی یہی آئیڈیل پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ جہاں اس میں گذرے ہوئے زمانہ کی بے چین کر دینے والی یاد ہو! جہاں اُس میں دل خوش کن مذاق اور دل لگی کی باتیں ہوں اور جہاں مردانہ کھیلوں اور کرکٹ وغیرہ کے تذکرے ہوں وہاں ادبی، اخلاقی اور فلسفیانہ مضامین بھی ہونے چاہئیں تاکہ دنیا کے سامنے "اولڈ بوائے" کا جو نمونہ ہو وہ دنیا اور کم از کم قوم کے لئے دل شکن نہ ہو۔ بلکہ قوم کو ہمت دلانے والا اور قوم کا دل بڑھانے والا ہو یعنی ایسا ہو

جس سے قوم کا حسن ظن "اولڈ بوائز" کی طرف ترقی ہی کرتا جائے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جہاں اس رسالہ میں تفریح طبع کا سامان ہو وہاں کم از کم ایک مضمون ضرور ایسا ہوا کرے جس سے علیگڈھ کے قدیم طلبا کی ادبی علمی اور دماغی قابلیت کا کافی طور سے اظہار ہو سکے، یعنی ایک مضمون ہر رسالہ میں نہایت اعلیٰ پیمانہ کا (گو اگرچہ خشک ہو) ضرور ہوا کرے۔"

ہم اپنے عزیز بھائی مسٹر خواجہ غلام الثقلین صاحب سے جو اپنی وسیع النظری کا عصر جدید میں عرصہ تک ثبوت دے چکے ہیں۔ اور مسٹر عبد الحق صاحب سے جنھوں نے حال ہی میں ڈریپر کی مشہور کتاب کا مقدمہ تحریر کر کے اپنی فلسفیانہ طبیعت اور قابلیت کا تازہ ترین ثبوت دیا ہے درخواست کرتے ہیں کہ مندرجہ بالا سطور کی جانب خاص طور پر توجہ کریں۔

ہمارے پرجوش دوست مسٹر اظہر علی آزاد ممبر رائل ایشیاٹک سوسائٹی اعظم گڈہ سے ایک پر لطف خط میں پرچہ کے اردو زبان میں چھپنے پر اعتراض اور انگریزی کا حصہ مفقود ہونے پر مایوسی کا اظہار کرتے ہیں۔ چھپائی کے متعلق ہماری بھی یہی رائے ہے اور آئندہ زیادہ احتیاط سے کام لیا جائے گا۔ انگریزی حصہ انشاء اللہ آئندہ جنوری سے اضافہ ہوگا۔

خان بہادر عبد الحمید خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر رائے بریلی! ہمارے کالج کے قابل فخر اولڈ بوائے پرچہ کو بڑی کامیابی تصور کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک اس پرچہ سے اولڈ بوائز کو ہمارے کالج کے انتظامات کے متعلق عمدہ مشورہ دینے کا موقع ملے گا اور کالج کے دل دادوں کی آواز رائگاں نہ جانے پائے گی اور پرانے طلبا میں "اولڈ بوائے" ثالث کا کام دے گا اور ایام گذشتہ کا سلسلہ مستقبل سے ملائے گا۔ کالج کے طلبا کو ہر گز نہ

کالج کی طرف منعطف رہے گا اور محبت کی وہ آگ جو ہمارے دلوں میں روشن ہے اسکے شعلے اطراف واکناف عالم میں ہو جائے گا۔ اور ہم اپنے پیارے کالج کی خدمت کی طرف متوجہ ہوں گے۔

مسٹر بشیر علیخاں صاحب (علیگ) نائب تحصیلدار مہوبا "اولڈ بوائے" سے ملاقات کے عنوان سے اپنے ایک دلچسپ خط میں لکھتے ہیں:-

"میں "اولڈ بوائے" کا مشتاق تو تھا ہی کہ ضرورتاً رخصت اتفاقیہ پر وطن جانا ہوا۔ آگرہ میں ہمیشہ اپنے احباب سے ملنے کے لئے اکثر ٹھہرا کرتا ہوں، اس مرتبہ بھی شدید بارش میں میرزا عابد حسین صاحب بی اے ایل ایل بی کے یہاں پہونچا۔ میرزا صاحب کا شمار بھی شوکت کے کھلنڈروں میں ہے۔ مجھے دیکھتے ہی بجائے اسکے کہ چاء ہوگی، کچھ کھاؤ گے؛ پہلی بات یہ کہی "اگر کچھ کھانا ہو تو نہایت عمدہ چیز دیں" اور میرے وعدہ پر "اولڈ بوائے" اٹھا کر دیدیا۔ میں نے فوراً پڑھنا شروع کر دیا اور جلدی جلدی "کالج کا ابتدائی زمانہ" "علیگڈھ کے کھلنڈرے" "دور افتادگان" وغیرہ ختم کئے۔ اور واقعی بات یہ ہے کہ جو فرحت اس روحانی غذا سے نصیب ہوئی وہ کسی اور بہترین غذائے جسمانی سے ہرگز میسر نہیں ہو سکتی تھی۔ ابھی تو کمسنی ہے، اللہ وہ دن لائے کہ اس کے شباب کی ادائیں سب کو بھائیں اور کم از کم کسی اولڈ بوائے کو تو بلا گرفتار کئے نہ چھوڑیں۔"

ہمارے عزیز بھائی مسٹر محمد وحید بی اے سب ڈپٹی کلکٹر نے ہمیں ایک مطول خط لکھا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں:-

آپکا سوال منہ لکھا یعنی ہم علاؤ تعجب مجھکو پسند کرتا ہوں ۔ جس [illegible]
کو پسند ہی نہیں کرتا بلکہ مجھے اس سے انس ہے ۔ ۱۸ میں نے اور مسٹر
وحید نے سرورق کی عبارتوں کو دیکھا اور میرے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ کئی
کہ خواہ ابتدائی درجہ ہی میں کیوں نہیں مگر ہر ایک بار وہاں ہوتا ۔ اس سے
قبل مجھے علم نہ تھا کہ پیارے اسلم کہاں ہیں ۔ ان کی تحریر دیکھکر مجھے وہ زمانہ یاد
آگیا جو ہم دونوں نے علیگڈھ میں بسر کیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اور اب ہم دو ہزار میل پر ایک
دوسرے سے جدا ہیں ۔ میں نیپال کی سرحد پر ہوں اور کبھی کبھی حکام
نیپال کی اس طرز عبارت کا مزہ لے لیتا ہوں کہ "مشفق مہربان بعد سلام
و نیاز انیکہ"

فرصت ہوئی تو "مبسوق" پر ایک مضمون لکھوں گا ۔

مولوی سید محمد حسن صاحب بلگرامی ہمارے کالج کے مشہور طالب علم ہیں ۔ مولوی صاحب
نے متعدد تصنیفات و تراجم ملک میں پیش فرماکر خود کو روشناس عالم فرمالیا ہے ۔ اس لئے
ہمیں کسی مزید تعارف کی ضرورت نہیں ہم اپنے برادر عزیز سے صرف یہ درخواست کرتے
ہیں کہ ان کی تصنیفات میں کچھ "اولڈ بوائے" کا حصہ بھی ہونا چاہیئے ۔ مولوی صاحب رسالہ
کے متعلق اپنے خط میں تحریر فرماتے ہیں :-

"اولڈ بوائے" کا جو آپنے از راہ کرم بذریعہ وی پی روانہ کیا تھا میں ممنون
ہوں ۔ مہربانی فرماکر اس بیش قیمت رسالہ کے خریداروں میں میرا نام بھی لکھ لیجئے
"اولڈ بوائے" کو جاری کرکے آپنے اس قسم کے رسالہ کی خاص اور دیرینہ
ضرورت کو پورا کر دیا یہ رسالہ ہم لوگوں کو علیگڈھ کے تمام ارکان سے وابستہ
کر دیگا ۔ میں اپنے وقت کے شاعر و مسٹر محمد امین صاحب [illegible]

[illegible]ہتا ہوں، جن کا نام بھی ماتحان رسالے کے صفحات پر آتا ہے کیا

عجب ہے کہ بھائی "منیا" کو بھی بری یاد ہو۔

میں اپنے اس رسالہ کو ہر طرح سے کامیاب دیکھنے کا آرزومند ہوں۔

———(:)———

مولوی محمد ادریس احمد صاحب بی اے اسسٹنٹ سکریٹری "آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" تحریر فرماتے ہیں:۔

"اولڈ بوائے" کی زیارت سے غیر معمولی تفریح حاصل ہوئی۔ علیگڈھیوں کی ضیافت طبع کے لئے یہ نہایت موزوں دسترخوان چنا گیا ہے۔ اگر پہلی سطر شروع کرکے مجھ ایسے گنجل طبع مزدوری پیشہ شخص کا آخر تک پہونچے بغیر رسالہ کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا اس کی دلچسپی کا ثبوت ہو سکتا ہے تو اولڈ بوائے کی دلچسپی اور مقبولیت کے استحقاق میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا۔ ہاں بایں قدر مزید اچار چٹنیوں کی چاٹ کے ساتھ ایک سوڈا واٹر کی بوتل کی بھی ضرورت ہے جو ہاضمہ کو بھی مدد دے، یعنی کوئی سنجیدہ تر اصلاحی مضمون کا سلسلہ۔

———(:)———

ہمارے رسالہ کے متعلق ہمعصر پیسہ اخبار (روزانہ) میں اڈیٹر صاحب یوں رقمطراز ہیں:۔

"رسالہ "اولڈ بوائے" کے اجراء کے متعلق ان کالموں میں پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ آخر اس رسالہ کا پہلا نمبر بابت ماہ ستمبر ۲۰ ستمبر کو وصول ہو گیا۔ علیگڈھ کالج کے ابتدائی زمانہ پر مسٹر رامشنکر صاحب ایم اے کلکٹر غازیپور کا مضمون بہت دلچسپ ہے۔ اور مسٹر محمد امین صاحب کے کالج کے کھیلوں کی تاریخ اور مسٹر شوکت علی صاحب کے کالج کے کھلنڈرے بھی خوب دل آویز کہانیاں ہیں۔ اس کے علاوہ اولڈ بوائز کے متعلق بہت سی اطلاعات درج ہیں

واقعی جس وقت راس کماری سے لیکر لبحر متوسط کے اہم اسلم ... نشانات
پوسٹ آفس ہیں کاشغر وہیں ترکستان تک جہاں مسٹر عبدالعلی خاں میر منشی
ریذیڈنسی ہیں علیگڈھ کالج کے طالب علم پھیلے ہوئے ہیں۔ اور علیگڈھ کے
لئے واقعی مباہات کی بات ہے کہ اس کے بچے ہندوستان کے اندر یا باہر
جہاں کہیں بھی ہیں عزت اور نیک نامی سے بسر کر رہے ہیں۔ واقعی اسوقت
علیگڈھ کالج کا اولڈ بوائے ہونا موجب فخر بن رہا ہے۔۔۔۔۔
اس پہلے رسالہ کو دیکھکر یقین ہوجاتا ہے کہ اس کی ہستی کی ضرورت تھی"۔

———(:)———

ہمعصر "مشرق" نے "اولڈ بوائے" کی نسبت ایک دل آویز نوٹ لکھا ہے جس کا
اقتباس ہم درج ذیل کرتے ہیں:۔

" یہ پرچہ مسٹر ابو حامد عترت حسین بی اے (علیگ) کی اڈیٹری میں بنارس سے
نکلنا شروع ہوا ہے۔ اس کے متعلق ہم اپنے کسی پچھلے پرچے میں نوٹ
دے چکے ہیں اور اب اس رسالہ کا پہلا نمبر ہمارے دفتر میں بغرض ریویو
وصول ہوا ہے۔
پہلے پرچہ میں مضامین کی جو ترتیب رکھی گئی ہے اور جو سلسلے شروع کئے
گئے ہیں وہ اولڈ بوائے کے لئے ہر طرح موزوں ہیں۔ اڈیٹوریل میں
پرچے کے اغراض و مقاصد مناسب طور سے سمجھائے گئے ہیں' بانی کالج
مرحوم کی جو امیدیں علیگڈھ کالج کے تعلیم یافتوں سے وابستہ تھیں وہ انہیں
کے الفاظ میں اولڈ بوائز کو یاد دلائی گئی ہیں۔ بیشک یہ دلوں کو ابھارنے
کے لئے اچھا طریقہ ہے۔ آخر میں یہ بھی جتلایا گیا ہے کہ یہ پرچہ ہر قسم کے
نفاق اور فرقہ بندی کے خیالات سے محفوظ رہے گا۔۔۔۔

"کالج کے کھیلوں کی تاریخ" "اولڈ گڈ ڈیز کے کھیلنڈرے" مضمون بھی اولڈ بوائز کی دلچسپی کے مضامین ہیں۔ ہم کو صرف یہ کہنا ہے کہ انگریزی کے مضمون میں کھیلنڈرے کا لفظ کسی قدر خلاف موقع استعمال ہوا ہے اس کے علاوہ انھوں نے شروع مضمون میں "نقاد" کا لفظ زبردست معترض کے معنی میں استعمال کیا ہے ...... امید ہے کہ اڈیٹر صاحب آئندہ سے "زبان اردو کے حق" کا زیادہ لحاظ رکھیں گے۔

لکھائی چھپائی کے لحاظ سے ابھی بہت زیادہ اصلاح کی ضرورت معلوم ہوتی ہے البتہ ٹائٹل پیج بہت ہی خوشنما ہے۔ لوح پر اسٹریچی ہال اور اس کی بغل کی عمارتوں کا نقشہ ضرور اولڈ بوائز کے دلوں میں کالج کی یاد تازہ کردے گا۔ گو تاسف کے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ بہت سے اولڈ بوائز ایسے ہوں گے جن کے زمانے میں ان عمارتوں میں سے ایک کا بھی وجود نہیں رہا ہوگا۔

اچھا ہوتا اگر اس رسالے کے ساتھ کالج کی مختلف حالتوں کے نقشے وقتاً فوقتاً شایع ہوتے رہتے۔"

اڈیٹر صاحب "ذوالقرنین" نے "اولڈ بوائے کا خیر مقدم" کے عنوان سے جو نوٹ اپنے اخبار میں دیا ہے اس پر ہم کافی غور کر رہے ہیں۔ فی الحقیقت "مشرق" کی طرح "ذوالقرنین" کا یہ خیال کہ رسالہ کی کتابت میں ترقی ہونی چاہیے ایک بڑی حد تک بجا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ ہم رسالہ کی لکھائی چھپائی اور مضامین کو پوری ترقی دیں گے اور یہی ہمارا پہلے بھی خیال تھا لیکن ہمارے معاصرین کو معلوم ہونا چاہیے کہ بنارس میں اچھے خوشنویس عام نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہمیں بہت سی ناگزیر دقتوں کا سامنا ہوتا ہے علاوہ ازیں مضمون جلد کے

کہ ہم خود اپنا پریس قائم کر سکیں۔ ہمارے شہر میں ذوالقرنین [illegible] ہے

علیگڑھ کالج [illegible] قوم میں ابھی شہرت اور نیک نامی کی حد تک

قائم کر لی ہے اُن کی تفصیل کی ہمیں اس وقت ضرورت نہیں ہے

ذوالقرنین اور دیگر اخبارات میں سابق طلبا علیگڑھ کالج سے مخاطب ہو کر

جو مضامین "قوم کی فریاد" کے عنوان سے خاکسار اڈیٹر کے ایک مضمون کے

سلسلہ میں شائع ہوئے اس سے اس کالج کے "اولڈ بوائز" کی اہمیت کا بخوبی

اندازہ ہوتا ہے کہ قوم نے ان نونہالان قوم سے کیا کیا توقعات قائم کر لی ہیں

ہم خوش ہیں کہ قوم کی فریاد رائگاں نہیں گئی اور اولڈ بوائز نے بھی آنکھیں

کھولیں اور انھوں نے مستقل طور سے پریس کے ذریعے سے پبلک میں

اپنا وجود قائم کرنے کی کوشش کی یعنی ایک ماہوار رسالہ "اولڈ بوائے"

کے نام سے نکالنا شروع کیا جس کا صرف پہلا نمبر ہمارے پاس پہونچا

ہے۔ . . . . . اس رسالہ کے تیور بتلا رہے ہیں کہ اگر خدا کو منظور ہے

تو وہ ضرور ان امیدوں کو پورا کر دکھائے گا جو قوم کو اولڈ بوائز سے

ہیں۔ (اڈیٹر) اگرچہ اس پہلے پرچہ کے مضامین صرف کالج کی پرانی

دلچسپیوں کو تازہ کرنے تک محدود رکھے گئے ہیں۔ لیکن ہمیں امید ہے

کہ اس کے مضامین کا دائرہ محدود نہ کیا جائے گا۔ اولڈ بوائز کے متعلق

اطلاعیں، اُن کے کارنامے، کالج کی گذری ہوئی داستانیں اور اُن پر

ریویو یہ سب باتیں بھی اپنے اپنے موقع سے ہوں اور ضرور ہوں لیکن

اس کے ساتھ ہم اس قدر ضرور کہیں گے کہ "اولڈ بوائے" کے مضامین کا پایہ

اس سے کچھ اونچا ہونا چاہئے اس کو اس قسم کے مضامین بھی شائع کرنا چاہئے

جن کے ذریعے سے ان اولڈ بوائز کے دلوں میں جو باوجود قومی کالج کے

تعلیم یافتہ ہونے کے سبب [illegible] اور قومی کاموں کی اہمیت سے واقف ہیں، یہی قومی ہمدردی کی روح پھونک دے تاکہ اس معزز طبقہ سے یہ اعتراض کہ ان میں برادران وطن کے تعلیم یافتوں کی مثل ایثار کا مادہ نہیں یا یہ کہ وہ سوائے تعیش یا خود نمائش کی زندگی بسر کرنے کے قوم کی کوئی عملی خدمت نہیں کر سکتے، اٹھ جائے۔ "اولڈ بوائز" کے طبقہ میں بہت سی مثالیں موجود ہیں جن کا طرز زندگی دوسروں کے لئے مثال کا کام دے سکتا ہے اور جو واقعی کالج کے سپوت کہے جانے کے مستحق ہیں۔ وہ اگر چاہیں تو اس رسالہ کے ذریعہ سے اپنے اور بھائیوں کو آسانی کے ساتھ اپنا ہم خیال بنا سکتے ہیں۔ اگر وہ ایسا کرینگے تو نہ صرف اپنے پیارے رسالہ کے قلمی خدمت کا فرض ادا کریں گے بلکہ ایک بہت بڑی قومی خدمت کے فرض سے سبکدوش ہوں گے۔

دوسری توقع جو اس رسالہ کی اشاعت سے ہمارے دل میں قایم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ بدقسمتی سے اولڈ بوائز کے طبقے میں پارٹی فیلنگ کے جو خیالات عرصہ سے پیدا ہو گئے ہیں اور اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے سالانہ اجلاس کے موقع پر کبھی کبھی ان کی جھلک نظر آجاتی ہے اس کا استیصال کرنا بھی اس رسالہ کا فرض ہے۔ رسالہ کی چھپائی کاغذ سب اچھا ہے لیکن ضرورت ہے کہ کتابت میں ترقی کی جائے۔ اور جس خوبصورتی کا لحاظ ٹائیٹل میں رکھا گیا ہے اسی پیمانہ پر رسالہ کے سارے اوراق تیار کئے جائیں۔

اولڈ بوائز

ستمبر کے "اولڈبوائے" میں ہم اپنے تین عزیز بھائیوں کے تقرر کی خوش خبری دے چکے ہیں۔ ہم کو اس عرصہ میں اطلاع ملی ہے کہ ہمارے کالج کے تین اور قابل طلبا کا تقرر بعہدہ ڈپٹی کلکٹری ہوا ہے! یعنی مسٹر عزیز الحسن غوری بی اے کا فتح پور میں اور مسٹر سید آل علی نقوی بی اے کا کانپور میں اور مسٹر رفیع القدر خاں کا بنارس میں۔ ہم کو امید ہے کہ یہ تینوں صاحب بہت جلد اپنے امتحانوں سے فارغ ہو کر اپنے کالج کی ترقی کی فکر میں پڑ جائیں گے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ہم اُنہیں چین سے ہرگز بیٹھنے نہ دیں گے۔

ہر انسان تھوڑا بہت ضرور خود غرض ہوتا ہے اس لئے ہم کو مسٹر رفیع القدر کے بنارس کے تقرر سے خاص کر خوشی ہوئی ہے۔ وہ اپنے فرائض منصبی اور امتحانات کی تیاری میں از حد مصروف ہیں مگر اُن کا مستحکم ارادہ ہے کہ ان سے نجات پاکر اپنی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن اور کالج کے لئے جان توڑ کر کوشش کریں۔ ہم سب اُنہیں "عزیز القدر" کہتے ہیں۔ ہم اپنے دوست خواجہ عزیز الحسن غوری اور سید آل علی نقوی کو باضابطہ نوٹس دیتے ہیں کہ ہمارا دل بہت وسیع ہے اور اُس میں محبت کی بہت گنجائش ہے، اس لئے وہ مایوس نہ ہوں۔

ہم کو کامل یقین ہے کہ جملہ اولڈ بوائز اس خبر کو خاص خوشی سے سنیں گے کہ ہمارے ایک بھائی مسٹر سید محمد حسنین صاحب سب انسپکٹر ریلوے پولیس مادھو پور ضلع سنبھال پرگنہ نے گذشتہ اگست میں ایک سنگین اور مشکل مقدمہ کی نہایت خوبی کے ساتھ تفتیش کی جس کی وجہ سے جج صاحب نے اپنے فیصلہ میں ان کی کارکردگی کی نہایت عمدہ الفاظ میں تعریف

کی اور نقل فیصلہ انسپکٹر جنرل پولیس بنگال کو بھیجدی۔ ہم اپنے عزیز بھائی اور خود اپنے آپ کو مبارک باد دیتے ہیں۔

ہمارے کالج کی ناموری کے خاص باعث صرف وہ اولڈ بوائز ہی نہیں ہوئے ہیں جو اعلےٰ عہدوں پر معقول تنخواہیں پاتے ہیں بلکہ اس نیک نامی حاصل کرنے میں زیادہ حصہ ان عہدہ داروں کا ہے جو چھوٹی چھوٹی تنخواہوں میں ایمان داری، عزت اور آبرو کے ساتھ اپنی اور اپنے خاندان کی پرورش کرتے ہیں۔ ایسے بھائیوں کی عزت ہم سب کی نگاہوں میں بہت زیادہ ہے۔ خدا انھیں ہمت دے کہ اسی طرح وہ اپنی مادر مہربان کالج کی ناموری کا باعث ہوں۔ ہم ہر ایسے اولڈ بوائے سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے حالات اپنی دشواریوں اور اپنی امیدوں کی داستان سے ہم کو ہمیشہ مطلع کرتے رہیں۔

مسٹر سید محمد حسین صاحب، ہمارے کالج کے سچے شیدا مولوی سید محمد حسین صاحب شوق ڈپٹی مجسٹریٹ اٹاوہ کے بڑے بیٹے ہیں۔ اُن کے چھوٹے بھائی مسٹر محسن بی اے (لارڈ نوز بری) سے جو سندیلہ میں انسپکٹر آبکاری ہیں حال کے اکثر اولڈ بوائز واقف ہونگے۔

گذشتہ پرچہ میں ہم اپنے مکرم مولوی سخاوت حسین کی وفات کی خبر دے چکے تھے جو ماہ اگست میں واقع ہوئی تھی۔ افسوس کہ ستمبر کا مہینہ بھی خالی نہیں گیا اور اس مرتبہ ہم کو ایک اور نوجوان بھائی کی موت کی اطلاع ملی۔ مسٹر خواجہ یحییٰ رئیس علیگڈھ کچھ عرصہ سے بیمار چلے آتے تھے اور انگلستان کی تعلیم کو ترک کرکے علاج کی غرض سے علیگڈھ واپس آگئے تھے۔ گذشتہ مئی میں ہم اُن سے جاکر ملے تھے اس وقت اُن کی طبیعت اچھی ہوچلی تھی مگر افسوس وہ افاقہ عارضی تھا۔ ۱۰ ستمبر کو وہ اپنے عزیزوں اور دوستوں سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مسٹر مجید خواجہ کو یقین کرنا چاہئے کہ سب بھائی اس صدمہ میں اُن کے شریک ہیں۔ مرنا ہر ایک کو ہے مگر نوجوان کی موت کا صدمہ دل دکھاتا ہے۔

ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی تحیلے　　کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

"اولڈبوائے" کا اسٹاف اب مکمل ہو گیا ہے۔ مسٹر سید افتخار عالم اپنی خانگی ضروریات کی وجہ سے مجبوراً اسسٹنٹ اڈیٹری و مینجری "اولڈ بوائے" قبول نہ کر سکے۔ ان کے بجائے مسٹر سید منظر علی صاحب نے اسسٹنٹ اڈیٹری و مینجری کے کام کو اپنے ذمہ لیا ہے اور بنارس آ گئے ہیں۔ سید منظر علی صاحب مولانا اشہری صاحب مرحوم کے اکلوتے صاحبزادے ہیں۔ مولوی سید غلام حسین صاحب جو ۲۰ برس سے پریس میں کام کرتے رہے ہیں اسسٹنٹ مینجر ہیں۔ انشاء اللہ آئندہ "اولڈ بوائے" کی چھپائی وغیرہ میں نمایاں ترقی نظر آئے گی۔

اولڈ بوائز سے درخواست ہے کہ مضامیں وغیرہ اسسٹنٹ اڈیٹر صاحب کے نام بھیجا کریں اور دفتر کے متعلق جملہ خط وکتابت مینجر "اولڈ بوائے" سے ہو۔

مالکان "اولڈ بوائے" نے ہم کو اطلاع دی ہے کہ اُن کو اس بات کا کامل یقین ہے کہ ہمارا یہ رسالہ ہر اولڈ بوائے ضرور خرید کرے گا اس لئے وہ جملہ اولڈ بوائز کو مطلع کرتے ہیں کہ جو روپیہ اس کے مصارف سے بچے گا وہ ہماری "اولڈ بوائز ایسوسی ایشن" کی ترقی مادر داسکو ہر دلعزیز اور مستحکم بنانے میں صرف کیا جائے گا۔

اُن کی اور ہماری یہ آرزو ہے کہ ہر گوشۂ ملک سے اولڈ بوائز کو ڈھونڈھ ڈھونڈ کر اپنی ایسوسی ایشن کا ممبر بنایا جائے تاکہ ہماری مادر مہربان فارغ البالی اور اطمینان سے اپنی نئی پود کی پرورش اور نگہداشت کر سکے اور مالی مدد کرنے والوں میں خود اس کی اولاد کا درجہ کسی سے کم نہو۔ یہ ایسی جائز آرزو ہے کہ ہمارے نزدیک ہمارا کوئی بھائی بھی ایسا ہوگا جو اس کی تکمیل میں علی قدر مراتب کوشاں نہو۔

ہم کو چند اولڈ بوائز نے نوٹس دیا ہے کہ اگر ہر نمبر میں مسٹر سجاد حیدر صاحب بی اے کا کوئی مضمون نہوگا تو ہم دفتر پر چھاپا مار کر غریب اڈیٹر اور عملہ کو تنگ کریں گے، یا ایک گروہ کو جس میں مسٹر شوکت علی خصوصیت کے ساتھ شریک ہوں گے بھیجکر خود سید سجاد حیدر صاحب کی بری گت بنائی جاوے گی۔ ہم اپنے عزیز دوست سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہم پر اور اپنی جوانی پر رحم فرمائیں اور "اولڈ بوائے" کے مدد گاروں کی خواہش کو پورا کریں۔

(یہ نوٹ پریس میں جانے ہی کو تھا کہ ہمیں اپنے عزیز دوست کا خط ملا وہ اقرار کرتے ہیں کہ "اولڈ بوائے" میں ضرور مضامین لکھیں گے اور فی الحال اسکے لئے ایک ڈراما تیار کر رہے ہیں)

کالج کے متعلق مسٹر محمد علی بی اے (آکسن) کے مرتب کئے ہوئے وہ سالانہ اعداد علیگڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں شایع ہوئے تھے جنھیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

(اخراجات اسکول بمد تنخواہان عہدہ داران)

	خرچ روپیہ	تعداد طلبا	خرچ فی کس
سنہ ۱۹۰۰-۱۸۹۹ء	۱۳،۳۰۳	۲۸۱	۴۷-۵-۶ پائی
سنہ ۰۱-۱۹۰۰ء	۱۵،۸۱۳	۳۲۳	۴۸-۱۵ آنے
سنہ ۰۲-۱۹۰۱ء	۱۴،۹۹۹	۳۵۰	۴۲-۱۳-۹ پائی
سنہ ۰۳-۱۹۰۲ء	۱۵،۱۱۳	۳۶۴	۴۱-۸-۳ پائی
سنہ ۰۴-۱۹۰۳ء	۱۹،۵۸۳	۳۵۳	۵۰-۷ آنے
سنہ ۰۵-۱۹۰۴ء	۲۱،۸۰۹	۳۷۰	۵۸-۱۵ آنے
سنہ ۰۶-۱۹۰۵ء	۲۲،۶۲۴	۴۲۲	۵۳-۹ آنے
سنہ ۰۷-۱۹۰۶ء	۲۲،۴۶۲	۴۵۳	۴۹-۸ آنے

سنہ ۰۸-۱۹۰۷ء	۲۵،۲۶۸	۴۵۷	۵۵-۵ آنے
سنہ ۰۹-۱۹۰۸ء	۲۶،۹۰۳	۴۷۵	۵۶-۱۰ آنے
سنہ ۱۰-۱۹۰۹ء	۳۰،۱۴۷	۴۴۱	۶۸-۶ آنے

تخمینہ دوازدہ ماہی

سنہ ۱۱-۱۹۱۰ء	۳۱،۲۶۰

(خرچ تنخواہ از مد بورڈنگ ہوس و موازنہ خرچ فی کس بورڈر)

	خرچ روپیہ	تعداد بورڈران	خرچ فی بورڈر
سنہ ۱۹۰۰-۱۸۹۹ء	۱۱۹	۳۶۹	۵ آنے
سنہ ۰۱-۱۹۰۰ء	۱۱۸	۴۱۵	۴-۶ پائی
سنہ ۰۲-۱۹۰۱ء	۱،۲۳۷	۴۹۶	۲-۸ آنے
سنہ ۰۳-۱۹۰۲ء	۲،۷۷۲	۵۳۱	۵-۳ آنے
سنہ ۰۴-۱۹۰۳ء	۴،۰۰۹	۵۱۴	۷-۱۲ آنے
سنہ ۰۵-۱۹۰۴ء	۶،۷۹۶	۵۴۳	۱۲-۸ آنے
سنہ ۰۶-۱۹۰۵ء	۷،۴۸۷	۶۷۳	۱۱-۲ آنے
سنہ ۰۷-۱۹۰۶ء	۸،۴۲۵	۷۲۲	۱۱-۱۰ آنے
سنہ ۰۸-۱۹۰۷ء	۱۱،۴۵۳	۸۱۴	۱۴ روپیہ
سنہ ۰۹-۱۹۰۸ء	۱۲،۲۲۰	۸۱۴	۱۵ روپیہ
سنہ ۱۰-۱۹۰۹ء	۱۳،۷۱۲ غالباً	۸۲۰	۱۶-۱۱-۶ پائی

(تعداد کل تنخواہان ملازمان کالج و اسکول و بونس و موازنہ خرچ فی طالب علم)

	تنخواہ و اصل خرچ بونس	کل طلبا	خرچ فی کس
سنہ ۱۹۰۰-۱۸۹۹ء	۴۶،۰۸۰	۴۵۷	۱۰۰-۱۳-۳ پائی

سنہ ۰۱ — ۱۹۰۰ء	۵۱٬۷۰۷	۵۱۹	۹۹-۱۰ آنے
سنہ ۰۲ - ۱۹۰۱ء	۵۲٬۴۴۱	۵۷۵	۹۱-۳-۳ پائی
سنہ ۰۳ - ۱۹۰۲ء	۵۸٬۸۴۱	۶۴۸	۹۰-۱۲-۶ پائی
سنہ ۰۴ — ۱۹۰۳ء	۶۴٬۲۷۰	۶۲۲	۱۰۳-۵-۳ پائی
سنہ ۰۵ - ۱۹۰۴ء	۶۶٬۹۹۸	۶۳۱	۱۰۶-۲-۹ پائی
سنہ ۰۶ - ۱۹۰۵ء	۵۷٬۹۶۲	۷۸۵	۷۳-۱۳-۳ پائی
سنہ ۰۷ - ۱۹۰۶ء	۷۱٬۵۶۲	۸۳۲	۸۶ روپیہ +
سنہ ۰۸ - ۱۹۰۷ء	۹۷٬۷۷۰	۹۳۰	۱۰۵-۲ آنے +
سنہ ۰۹ - ۱۹۰۸ء	۹۹٬۲۸۹	۹۱۸	۱۰۸-۲-۶ پائی
سنہ ۱۰ - ۱۹۰۹ء	۱٬۱۰٬۳۲۴	معلوم نہیں	
		تخمینہ دوازدہ ماہی	
سنہ ۱۱ - ۱۹۱۰ء	۱٬۲۴٬۲۱۴	غالباً ۹۲۵	غالباً ۱۱۹-۵ آنے

نوٹ

+ مسٹر آرچبولڈ اکتوبر میں آئے نصف سال کی بچت مسٹر بیک و مسٹر کارنا کا بونس واپس ملا۔

+ ساڑھے تین ہزار کا خرچ سال آیندہ میں بڑھا۔

مسٹر عبدالسلام صاحب نے نہایت محنت کے ساتھ ممبران ایسوسی ایشن کے لئے فہرست (ضلع وار) مرتب کی تھی جو نہایت درجہ مفید ثابت ہوگی۔ ہم اپنے دوست اور اُنکے دفتر کو مبارکباد دیتے ہیں۔ کچھ اور اصلاحوں کی ضرورت ہے جو ہم اگلے نمبر میں پیش کریں گے اور نیز اوسپر مفصل بحث کریں گے۔

دور افتادگان

سید راس مسعود۔ گذشتہ پرچہ میں ہم مسٹر راس مسعود کے کچھ حالات لکھ چکے ہیں اب کچھ مزید حالات معلوم ہوئے ہیں جو ہم نہایت خوشی سے پیش کرتے ہیں۔ سطور ذیل سر تھیوڈور ماریسن کے خط کا ایک حصہ ہیں جو انھوں نے آنریبل مسٹر علی امام صاحب کو لکھا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ راس مسعود انگلستان میں کیسی اچھی طرح بسر کر رہے ہیں۔ انھوں نے آکسفورڈ میں مستعدی اور عمدگی کے ساتھ کام کیا ہے اور امسال ڈگری حاصل کر لی ہے اور تاریخ میں دوسرے درجہ میں رہے جو ایک عمدہ درجہ خیال کیا جاتا ہے۔ اگر وہ سول سروس میں جانا چاہتے تو اس میں بھی داخل ہو سکتے تھے مگر وہ اس کی کوشش کرنی نہیں چاہتے۔ انھوں نے آکسفورڈ میں اعلیٰ درجہ کے دوست پیدا کئے ہیں جو درحقیقت ان کے کالج کے بہترین لوگ ہیں۔ اور جب میں نے ان کو ان لوگوں کے درمیان دیکھا تو معلوم ہوا کہ مسعود کالج سوسائٹی کے اندر ایک وزن اور اثر کے آدمی ہیں۔ مسعود نہایت خوش رو اور قوی جوان نکلے ہیں اور اب وہ پورے پہلوان ہیں انھوں نے اپنے کالج کی طرف سے ٹینس بھی کھیلا تھا اور وہ آج کل ایک اچھے کھیلنے والے ہیں۔ ان کی جسمانی حالت ان کے اعلےٰ درجہ کے اخلاق کا ثبوت ہے"

ان اولڈ بوائز کی تعداد میں جو انگلستان میں تعلیم پاتے ہیں، امسال معتد بہ اضافہ ہوا ہے مسٹر سید محمد زاہد بی اے اور ان کے خالہ زاد بھائی مسٹر سید محمد عسکری تو گذشتہ جولائی میں ہی روانہ ہو گئے تھے، مسٹر سید محمد محسن ستمبر میں رخصت ہوئے۔ تاکہ اپنے زمانہ قیام میں

علاوہ امتحان بیرسٹری کے خاص طور سے پڑھانے کا طریقہ سیکھیں۔ اُن کا ارادہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو قومی تعلیم کے لئے وقف کردیں۔ اب مسٹر سید نقی الحسن صاحب جو ہمارے کالج کے ٹرسٹی مسٹر سید مہدی حسن ڈپٹی کمشنر ورگ (صوبہ متوسط) کے بھتیجے ہیں عنقریب روانہ ہونے والے ہیں۔ ان سب کے علاوہ ہمارے کالج کے قابل فرزند لڈ بوائے مسٹر عبدالرحمن بجنوری بی اے ایل ایل بی بھی ۸ر اکتوبر کو روانہ انگلستان ہو گئے۔

ہمارا ... نامہ نگار لکھتا ہے کہ طلبار علیگڈھ کالج مقیم کوئٹہ نے ایک نہایت پرتکلف اور شاندار ڈنر مسٹر عبدالرحمن بجنوری کی تشریف بری کے موقع پر ان کو دیا جس میں شہر کے تمام چیدہ چیدہ عمائد مدعو تھے۔ حضور ملک معظم، نواب وقار الملک بہادر، مسٹر عبدالرحمن بجنوری اور علیگڈھ کالج کا جام صحت نہایت خلوص اور تپاک سے پیا گیا۔ طلبار کالج کے علاوہ بہت سے معززین نے انہیں یکم اکتوبر کو کوئٹہ سے باچشم پرآب رخصت کیا۔ مسٹر عبدالرحمن بجنوری ہمارے کالج کے اُن لوگوں میں سے ہیں جن پر ہم جس قدر فخر کریں بجا ہے، کالج کی اصطلاح میں "تقار" تھے! یعنی اردو اور انگریزی میں نہایت عمدہ تقریر کرنے کے علاوہ دونوں زبانوں میں لکھتے بھی خوب تھے۔

ہم کو معلوم ہوا ہے کہ وہ آج کل مسئلہ ارتقار پر ایک نہایت عالمانہ کتاب اردو میں لکھ رہے ہیں جس کے شایع ہونے پر ہمارے علم ادب میں ایک قیمتی اضافہ ہوگا۔

علاوہ امتحان بیرسٹری کے وہ جرمن یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری بھی لینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہم اُن کی کامیابی کے لئے دست بدعا ہیں۔

ہم کو یہ سن کر فکر ہوگئی کہ ہمارے عزیز دوست مسٹر تصدق احمد خاں شروانی سابق کپتان (فٹ بال) کو وجع مفاصل نے پھر انگلستان میں بھی دق کیا۔ وہ علاج کی غرض سے فرانس

گئے ہیں لیکن ہمیں امید ہے کہ مسٹر عبدالرحمن بجنوری کے آنے کی خوشی میں جلد تر تندرست ہو جائیں گے
علیگڑھ کی تثلیث اب انگلستان میں پوری ہو گئی، عبدالرحمن بجنوری، سید محمود (قوم) اور
تصدق احمد خاں سب ایک جگہ جمع ہیں!۔

خان بہادر سردار اشرف خاں صاحب بی اے والس کانسل کوہ ملک سیاہ (سیستان) نے
ہم کو "اولڈ بوائے" کا پراسپکٹس دیکھکر اس دور دراز مقام سے ایک نہایت محبت آمیز
اور ہمت بڑھانے والا خط لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"خدا کا شکر ہے کہ انتظار کرتے کرتے پراسپکٹس تو ملا۔ مجھے از حد
اشتیاق ہے کہ جلد اس نئے "اولڈ بوائے" کا دیدار کروں۔ علاوہ
سالانہ قیمت کے اگر مالی امداد کی ضرورت ہو تو مجھے فوراً اطلاع دو۔
میں کچھ دنوں کی رخصت لے کر اکتوبر میں آؤں گا اس وقت اپنے
"کاشی باشی" کا بنارس آکر ضرور درشن کروں گا اور اپنے حالات بھی
"اولڈ بوائے" کے لئے لکھوں گا۔

مسٹر کے ایم اسلم سپرنٹنڈنٹ پوسٹ آفس کیولان (جنوبی ہند) سے اپنے انگریزی
خط مورخہ ۱۰ ستمبر میں ایک دلچسپ فقرہ لکھتے ہیں، جس کو ہم اس غرض سے درج کرتے ہیں
کہ علاوہ پر لطف ہونے کے وہ ہم پر کسا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں!

"اولڈ بوائے کا پراسپکٹس ملا۔ اس کو پڑھکر دل از حد خوش ہوا صرف
ڈر یہ ہے کہ کہیں یہ نیا بھائی تھوڑے دنوں زندہ رہ کر اور اپنی محبت
دل میں پیدا کر کے چلتا نہ بنے۔ کاش میں اڈیٹر صاحب کا چہرہ دیکھ سکتا۔
کیونکہ چہرہ پر ایک نگاہ ڈالنے سے انسان کا بہت کچھ اندازہ ہو جاتا ہے۔

accession numbers

نام دیکھ کر وہ گلاب جیسا پیلا حسن اور بیٹی کو یاد دلاتا ہے؟

آگے چلکر وہ لکھتے ہیں :-

میری بیگم صاحبہ نے یہ خط میری غیر حاضری میں کھولا اور یہ جملہ پڑھکر (جو اردو میں تھا) بہت خوش ہو گئیں۔ سمجھیں کہ اسلم نے ایک غیر معمولی محبت کے جوش میں آکر میرے لئے اتنی قسم کے عطروں کی فرمائش کر دی۔ جب میں واپس آیا تو کہنے لگیں کہ اتنے بہت سے عطروں کی کیا ضرورت تھی، پہلے تھوڑے منگا کر دیکھ لیتے۔

مسٹر اسلم کی شادی ایک نہایت قابل اور تعلیم یافتہ خاتون سے ہوئی ہے۔ یہ خاتون خاندان ارکاٹ سے ہیں اور مسٹر قادر نواز حسن صاحب کلکٹر نیلور کی صاحبزادی ہیں۔ ہمارے اکثر دوست ہمارا نام بجائے "ت" کے "ط" سے لکھتے ہیں، یہ لطیفہ اس کا نتیجہ ہے۔

"اولڈ بوائے" کے ناظرین اس خبر کو نہایت مسرت کے ساتھ سنیں گے کہ اب تک رسالہ کے دفتر میں قریب چار سو خریداروں کے نام درج رجسٹر ہو چکے ہیں اور ان کی قیمت بھی وصول ہو گئی ہے۔ خداوند کریم سے امید ہے کہ اس حسابی سال کے آخر تک ہمارے خریداروں کی تعداد ایک ہزار تک پہونچ جائیگی۔ ہمارے بعض بھائیوں کو "اولڈ بوائے" کے وجود کی اطلاع نہ تھی اسلئے انھوں نے رسالہ کو واپس کر دیا تھا لیکن اب انہیں میں سے اکثر کے منی آرڈر معذرت کے ساتھ چلے آرہے ہیں اور بعض درخواستیں بھیج رہے ہیں۔ ہم اپنے رسالہ کے خریداروں کی فہرست انشاءاللہ آئندہ نمبر میں شایع کریں گے۔

ہم اپنے بھائیوں سے درخواست کرتے کہ اپنے حالات، اپنے تبادلہ اور مختلف ضروری باتوں سے دفتر کو اطلاع دیتے رہیں۔

ہمارے ہمدرد و مربی

مسٹر آل حسن صاحب کالج کے کرکٹ کیپٹن ہم کو اطلاع دیتے ہیں کہ گذشتہ اشاعت میں نینی تال کی میچوں کے حالات میں ایک خاص امر کا تذکرہ رہ گیا تھا جسے ہم نہایت خوشی سے اب درج کرتے ہیں۔ ٹورنمنٹ کے جیت لینے کے بعد ہماری ٹیم کے اور ممبر علاوہ کپتان آل حسن صاحب کے انعام تقسیم ہونے کے وقت جلسہ میں بوجہ سخت بارش شریک نہ ہو سکے جس سے مسز ہوپڈ صاحبہ کو جو انعام تقسیم فرما رہی تھیں ایک گونہ شکایت پیدا ہوئی۔ ان سب نے اعلےٰ حضرت نواب صاحب بہادر والی رامپور کی خدمت میں حاضر ہو کر استدعا کی کہ ہز ہائنس ان کی مدد فرمائیں چنانچہ حضور موصوف نے یہی نہیں کیا کہ مسز ہوپڈ صاحبہ کے دل کو طلبا کی جانب سے صاف کرا دیا بلکہ خود دو دن تک انہیں اپنا مہمان رکھا اور ان سے از حد شفقت اور دلجوئی کا برتاؤ کیا جس سے ہمارے طلباء کے دلوں میں ہز ہائنس کی محبت کا جوش موجزن ہے۔

ہمارے کالج کے بڑے مربی ہز ہائنس سر آغا خاں نے انگلستان سے بذریعہ تار اطلاع دی ہے کہ وہ اس تجویز کے دل سے حامی اور مددگار ہیں کہ ہمارا "پرنس آف ویلز سائنس اسکول" جلد سے جلد "رائل کالج آف سائنس" کر دیا جائے۔ اور نومبر میں واپس تشریف لا کر وہ فراہمی چندہ میں مدد فرمائیں گے۔ ہز ہائنس آغا خاں کی قومی اور خاصکر علیگڈھ کی محبت کی ہمارے دل میں بڑی وقعت ہے۔ خدا نے علاوہ دولت، علم اور مرتبہ کے ان کے دل میں قوم کا درد بھی دیا ہے۔

ہماری آنکھوں کے سامنے وہ منظر ہے جب کہ شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد صاحب نے دہلی کی کانفرنس میں اپنا لکچر شروع کرنے سے قبل ہز ہائنس آغا خاں سے مخاطب ہو کر یہ پڑھا تھا۔

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

سچ ہے کہ واقعی وہ "چیزے دیگر" ہیں یہ خبر نہایت مسرت سے سنی جائے گی کہ ہز ہائنس نے مسٹر محمد علی کی اسکیم کے متعلق پچیس ہزار روپیہ عطا فرمانا منظور فرمایا ہے اور ممکن ہے کہ اس میں دس ہزار اور مرحمت فرما سکیں۔

ہمارے ناظرین یہ خبر نہایت مسرت سے سنیں گے کہ ہمارے کالج کے نامور ٹرسٹی اور اسلامی دنیا کے قابل فخر مدبر و مفکر آنریبل سید علی امام پر گورنمنٹ ہند کے صیغہ قانون کی ممبری کے لئے نگاہیں پڑ رہی ہیں۔

مسٹر سید علی امام کی قانونی قابلیت اور انتظامی لیاقت مسلم ہی نہیں ہے بلکہ وہ ہماری قوم کے ہر طبقہ اور گروہ میں ہر دل عزیز بھی ہیں۔ اصلاحی اسکیم کے متعلق بدقسمتی سے جو ناگوار واقعات پچھلے سال پیش آ گئے تھے ان کو آنریبل موصوف نے جس تحمل اور کوہ وقاری سے برداشت کیا اس کا نتیجہ یہی ہونا چاہئے تھا کہ مخالفین بھی ان کے گرویدہ ہو جائیں چنانچہ یہی دل خوش کن نتیجہ ظہور میں آ رہا ہے۔

خدا کرے وہ وقت جلد آئے کہ ہم اپنے ٹرسٹی کو اور آپ بھی زیادہ گورنمنٹ عالیہ اور ملک کو ان کے تقرر پر مبارکباد دیں۔

ہم نہایت خوشی سے اطلاع دیتے ہیں کہ قبلہ و کعبہ نواب وقار الملک کے صاحبزادے کی طبیعت اب صاف ہے اور نواب صاحب ۱۸ اکتوبر تک علیگڑھ واپس تشریف لے آئیں گے۔ اس عرصہ میں وہ دون کے شہر پر بھی تشریف لے گئے تھے جہاں کالج کے کام کے لئے وہ حضور والیسرائے اور دیگر افسران اعلیٰ سے ملے تھے۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۶

الڈبوا

جلد ۱	بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۱ء	نمبر ۴

ایڈیٹر

ابو حامد عترت حسین بی اے علیگ

فہرست مضامین

حسب ایما
محمد عبد العلیم صاحب میونسپل کمشنر بنارس
باہتمام سید محمد غلام حسین منیجر قادری پریس بنارس چھپا

اولڈ بوا

اِس ماہواری رسالہ کے خاص مقاصد ہین

۱ جملہ سابق طلبا مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علیگدہ کے دلون مین اُنکے کالج کی محبت کا تازہ رکہنا اُسکے حالات سے اُنکو باخبر کرنا اور اُس کی ترقی کے لئے ہر طرح کوشان رہنا۔

۲ اولڈ بوائز میں رشتۂ اخوت قایم رکہنا، اور اُسکو ترقی دینا اور اُنکی حالات سے ایکدوسرے کو آگاہ کرتے رہنا

۳ اُولڈ بوائز ایسوسی ایشن" اور کالج کی مالی مدد کے لئے سابق طلبا کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادر مہربان کے خدمت گذار دن میں خود اُس کے فرزندون کے خدمات کافی اور تسلی بخش ہون۔

۴ جملہ اولڈ بوائز کو عام مسلمانون کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا۔ تاکہ وہ قومی خدمات میں معتد بہ حصہ لیکر اُس احسان کا تہوڑا بدلا کر سکین جو قوم نے اُن پر ہمارے ہمارے کالج کے قایم کرنے سے کیا۔

حسب ذیل پابندی کی درخواست کیجاتی ہے

جملہ خط و کتابت در بارہ ترسیل زر و تبدیل پتہ منیجر "اولڈ بوائے" بنارس ہونی چاہیے مضامین و دیگر مراسلات بنام اسسٹنٹ ایڈیٹر "اولڈ بوائے" بنارس آنا چاہیے، اِسی طرح ریویو کے لئے کتابین اور تبادلہ کے لئے اخبارات و رسائل بھی۔

منتظمان "اولڈ بوائے" ہر وقت مفید مشورہ و رفع شکایات کے لئے تیار ہین، اور شکر گذاری کیساتھ اُن پر پوری توجہ کرین گے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر و منیجر اولڈ بوائے

اولڈبوا

مسئلہ سکرٹری شپ

ہمارے قابل ادب ہم عصر اڈیٹر العزیز نے مسئلہ سکرٹری شپ کے متعلق ایک مفصل رائے کا اظہار کیا ہی جو اپنی شان میں نرالی ہی، گو اسوقت یہ مسئلہ زیر بحث نہین ہی اور خدا کرے زمانہ دراز تک اسکی نوبت نہ آئے لیکن چونکہ زمانہ کی ضروریات کے لحاظ سے یہ مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہی لہذا ہم اسکے متعلق اپنی عاجزانہ رائے کا اظہار کرتے ہین۔

اڈیٹر صاحب فرماتے ہین!

ہماری رائے میں علیگڈھ کالج کے عہدون میں سکرٹری شپ سے زیادہ آسان اور سکرٹری سے زیادہ دشوار کوئی عہدہ یا مسئلہ نہین ہی اگر سکرٹری ٹرسٹیون کے احکام کا اجرا کرنے والا۔ اور ٹرسٹیون کو کالج کے حالات سے واقف کرنیوالا ہی تو اس سے زیادہ آسان کام ہو نہین سکتا، یعنی اگر سکرٹری اپنے پہلے فرض یعنی اُن حالات کو جو بذریعہ عہدہ سکرٹری اُس کو معلوم ہوتے ہین وقتاً فوقتاً ٹرسٹیون کو جتا کر اُن کے فیصلہ کی تعمیل کرتا رہے، خواہ وہ فیصلہ اُس کی مرضی کے خلاف ہوا ہی خواہ موافق تو ہر سکرٹری بآرام تمام اپنے عہدہ کی مدت کو بہترین انتظام کے ساتھ پورا کر کے کامل سرخ روئی حاصل کر سکتا ہی۔ اگر دوسری شق اختیار کیجاے

یعنی چاہا جائے کہ ٹرسٹی اسکی مرضی پر چلنے والے اور اُسکے حکم کی تعمیل کرنے والے ہین تو سکرٹری شپ سے زیادہ دشوار اور ذمہ داری کا کوئی کام نہین ہو سکتا، اور بلاشبہ سکرٹری ایسی حالت مین ہر وقت معرض خطر مین رہیگا اور ضرور اُسکو جوڑ توڑ سے کام لینا پڑیگا جو کل کہ مشکلات پر مشکلات بڑہا دیگا

سید رحمۃ اللہ علیہ آخر قسم کے سکرٹری تھے یعنی اُنکی خواہش تھی کہ ٹرسٹی بر رائے نام رہین۔ اور بیشک اُنکی یہ خواہش باعتبار بانی کالج ہونے اور باعتبار اُس قابلیت کے جس قسم کی قابلیتون کو ایک شاعر نے اس طرح نظم کیا ہے۔

بسے دور باید کہ چرخ ظفر

بیارد چو تو شہسوار دگر!!!

ایک بڑی حد تک بجا اور درست تھی، مگر بعد اُنکے آگے آیت کا معاملہ ہے؛ علاوہ ازین اُس دل و دماغ کا کوئی شخص نہین ہے۔ زمانہ کا رنگ ایسا دگرگون ہو گیا ہے کہ اگر جناب سید صاحب مغفور اس زمانہ میں ہوتے تو انکو بھی اپنی خود مختاری کو ترک کرنا پڑتا، "بر دیگران چہ رسد" اب سب موٹھ مٹر کے دانے ہین جو ہر طرح یکسان اور برابر ہین البتہ اجرائے انتظام کیواسطے کوئی شخص کسی عہدہ پر مقرر کیا جا سکتا ہے اور اصلی حکومت حکمران جماعت کی کثرت رائے کے ہاتھ مین ہونا چاہئے۔ مگر جب ہم جمہور کی رائے کا اندازہ کرتے ہین تو اپنی اور اُنکی رائے یا عمل میں زمین اور آسمان کا فرق پاتے ہین۔ یعنی پبلک (جسمین ٹرسٹی بھی بخوبی شامل ہو سکتے ہین) موٹھ مٹر مین چنا تلاش کرتی ہے یعنی دوسرے سید کی جستجو میں رہتی ہے جو محال اور جنون ہے اور تمام جھگڑونکی جڑ پبلک کی یہ پالسی ہے۔ کیونکہ کون ایسا ہے جو سید کا جانشین بنکر تو ہتا بنا نہ مانگے علی الخصوص جبکہ پبلک اُسکو اسی خیالی کرسی پر جلوہ گر دیکھنے کو موجود ہو۔ اور اگر لوگ ہماری رائے پر چلنے لگین اور سکرٹری شپ کو ہر ایک معمولی بھلے مانس اور فرصت دار شخص کے واسطے موزون تسلیم کرلین تو تمام رقابتین آج ختم ہو جاتی ہین اور کام اپنے ٹھیک مرکز پر آیا جاتا ہے؛

ہمکو اپنے واجب التعظیم معصر کی راے سے مطلق اتفاق نہین ہمارے کالج کی سکرٹری کی حیثیت کسی سکرٹریٹ کے افسر کی نہین ہی بلکہ وہ تمام قوم کا قایم مقام و معتمد علیہ ہی۔ اگر بقول جناب اڈیٹر صاحب کے اس عہدہ کیواسطے ہر معمولی بہلا مانس اور فرصت دار شخص موزون تسلیم کرلیا جاے تو ہم یقین دلاتے ہین کہ کام جاے ٹہیک مرکز پر آجانے کے اپنے مرکز سے بہت دور بہک جائے گا! اور اُس کا تمام اثر و وقار رخصت ہوجائیگا اور آنریری سکرٹری کے فرائض ایسے نہین جو ہر شخص سے انجام پا جائین اور ایسا خیال اُسکے رتبہ کو گہٹاتا ہی جو کسی طرح گوارا نہین ہی۔ فرصت دار شخص کی لم ہمارے معزز معصر نے غالبًا اسلیے لگائی ہی کہ کالج کے سرمایہ پر سکرٹری کی تنخواہ کا بار نہ پڑے لیکن اگر ایسا روز بد آئے کہ ہم اس منصب کو زید و بکر کے سپرد کرسکین تو ہمارے لیے بجاے مفت کام لینے کے ایک تنخواہ دار آدمی رکہنا زیادہ مفید ہوگا اور ہماری ایسی درخواست اکثر حضرات جو ممتاز سرکاری عہدون پر مامور ہین خوشی سے منظور فرمائین گے۔

لیکن اُسوقت نتیجہ کیا ہوگا؟ ہمارے سکرٹری کی حیثیت حسین آباد کے متولی یا موگلی کے امام بارہ کے منتظم کی سی ہوجائیگی اور اسوقت اُس کا جو اثر قوم پر پڑ سکتا ہی وہ محتاج بیان نہین ہم دعوی سے کہتے ہین کہ اسوقت اگر ہم اشتہار دیدین کہ ہمارے کالج کیلیے ایک لایق سکرٹری کی ضرورت ہے، تو بہت سے قابل اور نوجوان مسلمان اپنی تمام امیدونکو خیرباد کہکے لبیک کہنے کو طیار ہو جائین گے لیکن کیا ایسا کرنا مناسب ہوگا؟ کیا ہمارے کالج کا کام بلا ایک دیرینہ کار اور پختہ مغز شخص کے چلسکتا ہی؟ اس کا فیصلہ ناظرین خود کرسکتے ہین۔

آنریری سکرٹری کی اصلی شان یہ ہی کہ وہ سید کا جانشین ہی، بیشک زمانہ کا رنگ دگرگون ہوگیا سید کا زمانہ ہماری قومی ترقی کے طفولیت کا زمانہ تھا اور جس خودمختاری اور تحکم سے انہون نے کام لیا وہ اس زمانہ کے لیے ضروری تھا۔ بیشک اُنکے زمانہ مین رسمی برائے نام رہی لیکن اسپر اعتراض کرنا ایسا ہی جیسے ایک کمسن بچے کا اپنے شفیق باپ کی تہدید و تادیب پر۔ سید کی یہ مثال "خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ" کی تھی۔ انہین نے قوم کو قوم بنایا

اور ہمارے لئے ایک منتظم قواعد کی ترتیب دی جس پر آج ہم کاربند ہورہے ہین یہ اُنہین کا فیض تھا جس نے ہمکو بتایا کہ ہمکو اپنی قومی فلاح کیلئے ایک شخص کو اپنا سالارِ قافلہ اور ناخدا بنانا ضروری ہی جسکی رہنمائی اور مدد کے بغیر ہم اپنی فلاکت زدہ قوم کے بیڑے کو خطروں سے بچاکر ساحلِ مراد تک نہین پہنچا سکتے - ہم بلا دریغ کہتے ہین کہ اگر سید نے اپنی غیر معمولی قوت فیصلہ سے قومی کامون مین کام نہ لیا ہوتا تو ہماری قوم کا شیرازہ بگڑ گیا ہوتا اور اُسکی بندش ہرگز ویسی مضبوط نہین ہوتی جیسی خدا فضل سے اسوقت ہی -

سب سے زیادہ جو دقت اِس زمانہ مین ہی وہ یہ ہی کہ اب سید مین اور نہ انکے خاص احباب نہ وہ ناز والے باقی رہے نہ وہ نیاز والے - اب ہر شخص آزادی سے اعتراض کرنا اپنا فطرتی حق سمجھتا ہی اور ذرہ ذرہ سی بات پر نکتہ چینیون کی بھرمار ہوجاتی ہی سکرٹری کے فرائض اب پہلے سے کہین زیادہ دشوار اور نازک ہوگئے ہین ایسی حالت مین جس شخص کے ہاتھ مین ہمارے کالج کی باگ ہونی چاہیئے اسکو ایک مناسب بااثر ہونیکی ضرورت ہے اور سوا اُس شخص کے جسکے سر پر قومی سرداری کا سہرا ہو دوسرا کون اس کام کیلئے موزون ہوسکتا ہی -

ہمارے قابلِ ادب معصر جو بہت زیادہ آپسکی رقابتون سے خائف نظر آتے ہین مگر ہمکو اس سے مطلق خوف نہین ہی - اگر کوئی شخص سکرٹری کے منصب کی خود خواہش رکھتا ہی اور دوسرے کے انتخاب کو حسد کی نگاہ سے دیکھتا ہی ہم صاف کہے دیتے ہین کہ ایسا شخص ہمارے کام کا نہین ہی، جو شخص سکرٹریشپ کو اپنے لیے ذریعۂ عزاز بنائے وہ اپنے ہی دل کا گنہگار نہین بلکہ قوم اور خدا کا گنہگار ہی، سکرٹریشپ کا انتخاب میونسپل بورڈ یا قانونی کونسل کا انتخاب نہین ہی وہ قومی انتخاب ہے اور جو شخص قوم کی زمائش مین پورا اترے وہی اس کا مستحق ہوگا - یہی شخص ہوگا جو قوم کی دشنام کو دعا، ذلت اور ناقدری کو عین اپنی قدر افزائی - اور اُنکی سردمہری اور بے پروائی کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھے - قومی اعتماد ایک بڑی امانت ہی - ہر شخص اس کا متحمل نہین ہوسکتا - یہ خدا کی دین ہی - یہ خالص اور بےنفس قومی محبت کا ثمرہ ہوتا ہی اور ایک عظیم الشان مخفی طاقت کا اثر ہی جو ایسے شخص کو دنیاوی عز وجاہ کے خیال سے بالاتر کردیتی ہی اور اسکو قوم پر اور قوم کو اُس پر دیوانہ وار مائل کردیتی ہی - یہ بہت بڑا انعام ہی خوش قسمت ہے وہ جسکو یہ نصیب ہو

این سعادت بہ زور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اڈیٹر

ہمارے کالج کی پنج سالہ رپورٹ پر ریویو

ہمارے واجب الاحترام بزرگ اور قوم کے مسلمہ لیڈر عالیجناب نواب وقار الملک بہادر نے ازراہ کرم ہماری درخواست پر مندرجہ ذیل رپوٹین دفتر "اولڈ بوائے" کے لیے مرحمت فرمائی ہین - جو ہمارے کالج کی تعلیمی، مالی اور انتظامی معاملات پر مشتمل ہین اور جنھین وقتاً فوقتاً مدرسۃ العلوم مسلمان واقع علی گڈھ کے معزز اور محترم سکرٹری صاحبان نے لکھا ہی - جو کالج کی تاریخ کے لیے مواد کا کام دیسکتی ہین

۱	رپورٹ بابت	سنہ ۱۸۹۴-۹۵ء	یہ رپورٹ مسٹر بیک مرحوم کی تیار کی ہوئی ہے
۲	” ”	سنہ ۱۸۹۹-۰۳ء	
۳	” ”	سنہ ۱۹۰۳-۰۴ء	
۴	” ”	سنہ ۱۹۰۴-۰۹ء	

ان کے علاوہ سنہ ۱۹۰۴ء سے لے کر سال روان تک کی انگریزی رپوٹین ہین جو مختلف پرنسپل صاحبان کے زمانہ مین شایع کی گئی ہین "

کالج کی تاریخ جاننے والے حضرات کو بخوبی معلوم ہی کہ ہماری اس تعلیم گاہ کی ابتدا بھی مثل دنیا کے اور عظیم الشان کامون کے نہایت مختصر ہوئی تھی مگر سرسید رحمۃ اللہ علیہ کے عزم، نواب محسن الملک بہادر (نور اللہ مرقدہ) کی بلند حوصلگی، نواب وقار الملک بہادر مدظلہ، کے مساعی جمیلہ اور دوسرے قومی بزرگون کی توجہ سے جس زمین پر چند جھونپڑے بمشکل نظر آتے تھے اب اسی جگہ عالیشان عمارتین ہماری درماندہ قوم کی ہمت کا اچھا نمونہ نظر آتے ہین

عالیجناب نواب وقار الملک بہادر مدظلہ نے اپنی پنجسالہ رپورٹ کا نام "ترقی تعلیم"

رکہا ہی اور یہ نام ایک حد تک صحیح بھی ہی، کیونکہ اس پنجسالہ میں ہمارے کالج کی آمدنی ۱۹۰۸ء میں وظائف و انعامات منہا کرنے کے بعد ایک لاکھ اسی ہزار سات سو چالیس (۱۸۰۷۴۰) روپیہ سات آنے، پانچ پائی ہوئی۔ لیکن جب ہم اخراجات پر نگاہ کرتے ہین تو اسی سال مین ایک لاکھ ستتر ہزار آٹھ سو بہتر (۱۷۷۸۷۲) روپیہ گیارہ آنے، دس پائی نظر آتا ہی۔ جو ایک چھوٹی موٹی ریاست کے برابر ہی۔ اسی سال مین بائیس ہزار سات سو ساٹھ روپیہ (۲۲۷۶۰) آٹھ آنے کی رقم وظائف اور قرض حسنہ کی مد میں ہندوستان کے مختلف صوبون کے دو سو بہتر طالبعلمون پر خرچ کی گئی۔ ہم یہان اس امر کا ذکر کیے بغیر نہین رہ سکتے کہ "فنڈ مین گنجائش نہ ہونیکی وجہ سے کتنی ہی درخواستین نامنظور کرنا پڑین" لیکن نواب صاحب قبلہ کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ "آئندہ اس طریقہ میں توسیع کا ہونا قوم کے ہاتھ مین ہی"

فروری ۱۹۰۹ء تک ہمارے کالج اور اسکول کے مختلف کلاسون مین طلبار کی تعداد نو سو اکیاون (۹۵۱) تھی۔ منجملہ اُن کے بیالیس طلبار اہل ہنود سے تھے۔ اسی میں صرف بورڈر آٹھ سو اکتالیس تھے۔ لیکن ہمین معلوم ہی کہ بعد کو اس تعداد مین کافی اضافہ ہوا ہی اور ہم کہہ سکتے ہین کہ اگر بورڈنگ مین گنجائش ہوتی تو یقیناً سیکڑون شائقین تعلیم ہمارے اس چشمۂ علم سے سیراب ہوتے۔

جب ہم عمارت پر نگاہ کرتے ہین تو ہمین کالج کی زمین پر ایک نئی دنیا نظر آتی ہی۔ "نظام میوزم" اور "آسمان منزل" کی تکمیل ۱۹۰۸ء میں ہوئی اور اسی سال "کرزن ہاسپل" کی تعمیر بھی اختتام کو پہنچی۔ "ممتاز ہاؤس" "آرنلڈ ہاؤس" "لٹن لائبریری" اور "ببک منزل" کا کام بھی ختم ہوگیا ہی۔ اور "منٹو سرکل" کے ایک حصہ کی تکمیل ہونے کے بعد باقی حصص زیر تعمیر ہین۔ سنڈنن یونین کلب کی عمارت جو اُس زمانہ مین تعمیر ہو رہی تھی اب تکمیل کو پہنچ گئی ہی۔ لیکن ہم مایوسی کے ساتھ دیکھتے ہین کہ "مشتاق منزل" کی جگہ اب تک خالی پڑی ہوئی ہی۔ ۱۹۰۸ء میں سر کار نے

ازراہ کرم دو سو تیس بیگہ پختہ اراضی کالج کے قریب اور ۱۹۰۸ میں جنرل پیرن کی مشہور کوٹھی (صاحب باغ) اور اسکی حوالی کی اراضیات ہمین دلادین صاحب باغ کی کوٹھی کی مرمت ہونے کے بعد اب اُس میں پچاس ساٹھ طالب علم رہتے ہین۔

کالج کے اسٹاف مین بھی معقول اضافہ ہوا ہی اور ۱۹۰۹ء مین کالج میں یوروپین پروفیسر (علاوہ ہیڈ ماسٹر اور اسٹنٹ ماسٹر کے) آٹھ اور ہندوستانی پروفیسر اور اسٹنٹ پروفیسر سولہ تھے؛ یعنی پانچ سال کے اندر کالج کے پروفیسرون اور اسٹنٹ پروفیسرون کی تعداد الضاعف ہوگئی ہی۔ انہین مین یوروپین پروفیسر واسٹنٹ پروفیسر عربی، پروفیسر علم طبیعات اور پروفیسر علم ہئیت کے جدید عہدے بھی ہین اسکول اسٹاف میں علاوہ یوروپین ہیڈ ماسٹر اور اسٹنٹ ماسٹر کے ہندوستانی مدرسون کی تعداد ۱۹۰۹ء میں اٹھائیس تھے؛ گویا پانچ اسامیان اور بڑھ گئین۔ چند سب پراکٹر بھی جدید مقرر ہوتے ہین۔ ۱۹۰۹ء مین دینیات کی تعلیم کے لیے ایک سُنی عالم اور ایک شیعہ عالم جدید مقرر کئے گئے۔ اِسی سنہ میں کالج کی درجہ بندی کی اسکیم ٹرسٹی صاحبان نے منظور فرمائی اور یہ اہم مسئلہ جو سرسید کے وقت سے زیر تجویز چلا آتا تھا اب تکمیل کو پہنچ گیا۔

انتظام تعلیم میں، جو ترقی تعلیم کی غایت ہی، ہم خوش ہین کہ سائنس اسکول کا اضافہ ہوا ہی اور اِس کے معاونین میں ہین ہز ہائینس سر آغا خان حضور نواب صاحب بہادر والی رامپور، سر آدم جی پیر بھائی، راجہ سر محمد علی خان بہادر اور ممتاز الدولہ بہادر جیسے معاونین کے نام نظر آتے ہین، جن سے امید ہی کہ جو اسکول انھون نے اعلیحضرت ملک معظم کی آمد آمد کی یادگار میں قایم کیا تھا اُسے حضور ممدوح کی تخت نشینی کی یادگار میں کالج بناکر چھوڑین گے؛ نواب صاحب قبلہ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہی کہ اِس اسکول کی لیبورٹری کی آمدنی اُس کے اخراجات سے کم ہی۔ اور گو یہ بات ہمارے لیے مایوسی بخش ہی مگر ہم اپنے محترم بزرگ کی خدمت میں یہ عرض کرین گے کہ خدا کو منظور ہی تو آپ جلد اِس کمی کو پورا

کرسکینگی۔ عــزنی کی جدید شاخ کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہین۔

انتظام عامہ مین ہین یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ اب بجائے ستر کے ٹرسٹی صاحبان کی تعداد اکیس بیس کر دی گئی ہے۔ خدا کرے وہ وقت جلد آئے جب "لائف ٹرسٹی" کے بجائے پنجسالہ یا دہ سالہ ٹرسٹیز مقرر ہوا کرین اسی عنوان میں چند کمیٹیون کا تقرر بھی نظر آتا ہے اور کام کی تفصیل حسب ذیل طریقہ پر کی گئی ہے۔

۱ تعلیم

۲ فینانس

۳۔ بورڈنگ ہاؤس صیغہ طبابت و ڈائننگ ہال

۴۔ کالج و اسکول

۵۔ انتظام عمارات وجائداد منقولہ وغیر منقولہ وغیرہ

۶۔ ماتحت صیغون کے لیے بای لاز بنانا

۷۔ اشد ضرورت کیوقت ٹرسٹیونکے اختیارات کام میں لانا

اِن کامون کے لیے ایک سنڈیکیٹ ہے جسکی ممبرون کی تعداد فی الحال بیس ہے منجملہ انکے دس ممبرون کے سپرد مختلف صیغے ہین۔

"انتظام بورڈنگ ہاؤس" کے متعلق یہ کہنا بالکل حق بجانب ہے کہ طلبار کی تعداد کیساتھ بورڈنگ کی دقتین بھی ترقی کر رہی ہین اور غالباً اسی وجہ سے پرووسٹ کا عہدہ توڑ کر ٹیوٹوریل سسٹم قایم کیا گیا ہے۔ اور اب کالج بورڈنگ ہاؤس کو پانچ حصونمین تقسیم کیا گیا ہے۔ لیکن ہم اپنے بزرگ نواب صاحب قبلہ کی خدمت میں یہ عرض کرنے کی جرأت کرتے ہین کہ اگر انگریز اور ہندوستانی اسٹاف کو دلجوئی کیساتھ یہ سمجھایا جائے کہ کالج کی نیک نامی مین ایک بڑی حد تک (یا بالکل) انکی سُرخ روئی ہے اور ارکان اسٹاف اپنی رفتار سے گفتار سے، تحریر سے تقریر سے طلبا کے دلون پر صرف اچھے اخلاق کا نقش کرین۔

"ہم"

(۱)

عجب اتفاق ہی کہ اس مرتبہ جو مضامین شائع کیے جاتے ہیں اُن میں بجز ایک دو کے سب کے سب ہماری شکایتوں سے پُر ہیں؛ جس سے پایا جائیگا کہ "ہم" دُنیا کے بدترین اخلاق کا اچھا خاصہ نمونہ ہیں بعض لوگوں کا خیال ہی کہ ان باتوں کو یوں ہی دبا رہنے دیا جائے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایسی تحریروں سے رسالہ کے "ٹون" میں فرق آتا ہی مگر "ہم" کہتے ہیں کہ اگر یہی لیل و نہار ہیں اور یہی خیالات ترقی کرتے رہے تو خدانخواستہ ہمارا اور ہمارے ساتھ اسلام کا بہت جلد اس ملک سے خاتمہ ہونیوالا ہی۔

ہمارے رسالہ کا جہاں یہ مقصد ہی کہ ایام گذشتہ کی یاد تازہ کیجائے وہیں ایک بہترین مقصد یہ بھی ہو کہ "ہم" اپنے بھائیوں کو آنیوالے خطرات سے آگاہ کرتے رہیں۔ "ہم" نہیں خیال کرسکتے کہ ہمارے لیے اس سے بڑا کوئی خطرہ ہو کہ ہماری ہوات سے باوجود اس ترقی تعلیم اور روشن خیالی کے

ملک میں اور خاص کر اسلامی دنیا میں ہمیں ملامت اور نفرین کے ساتھ یاد کیا جائے۔

سرسید اور انکے جانشینوں کو ہمیشہ یہی رونا رہا کہ قوم تعلیم بغیر کچھ نہیں کرسکتی، اور اب قوم میں تعلیم کا چرچا ہوا تو ہمارے تعلیم یافتہ نہیں بعض تعلیم کو بدنام کرنے والے ملک و قوم کے سامنے ایسے خراب نمونے پیش کرتے ہیں کہ ہمیں قومی ترقی کے آثار کچھ اچھے نظر نہیں آتے۔

"کالا آدمی" باعتبار اپنی دلفریبی کے تو اچھا ہی لیکن اس میں جو منظر پیش کیا گیا ہی وہ اُس سے کہیں کم ہی جو ایک تعلیم یافتہ کے کیرکٹر کا اظہار اسٹیشن پر کر رہا ہو گا۔ "سیر کالج" میں جن شکایتوں کا ذکر ہی انکو معلوم کر کے ہمیں افسوس ہوتا ہی۔ "ظالم انسان" ہمارے خیالات کا انتہائی نمونہ ہی اور اس میں ہمارے بھائی مسٹر "آزاد" نے اپنی آزاد خیالی کی خوب داد دی ہی۔ "چار آنہ فنڈ" میں جو تحریک پیش کی گئی ہی اُس کی جانب ہمارے بھائیوں کو جلد متوجہ ہونا چاہیے۔ "یاد عزیز" اور "شکوہ" میں بہت سی کام کی باتیں ہیں اور ہمکو ان سے سبق لینا چاہیے۔

ہماری کیفیت یہ ہی کہ ان حالات کو سُن سُن کر گویا ؎

لطف مرنے میں ہی باقی نہ مزا جینے میں — کچھہ مزا ہی تو یہی خون جگر پینے میں
کتنے بیتاب ہیں جوہر مرے آئینے میں — کسقدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں

اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں
داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں

"ہم" اسوقت تک ترقی نہیں کر سکتے جبتک مسلمان ہو کر ترقی نہ کریں اور قوم کے لیے ہمارا وجود اسوقت تک کچھہ بھی مفید نہیں جب تک کہ "ہم" خود مسلمان نہ بن لیں۔ ہمارے بھائی ہم سے زیادہ روشن خیال اور اپنی ضرورتوں سے واقف ہیں مگر "ہم" اپنا فرض خیال کرتے ہیں کہ انہیں آنیوالے خطرات سے آگاہ کر دیں۔ ہمارے بھائی "ہم" سے خفا ہو جائینگے مگر ہمیں پرواہ نہیں۔ ہمیں جو کہنا ہے آزادی کے ساتھہ کہینگے۔

اڈیٹر

شکوہ

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں
فکرِ فردا نہ کروں محوِ غمِ دوش رہوں
نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
ہم نوا! میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں
جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھکو
شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھکو

ہے بجا شیوۂ تسلیم میں مشہور ہیں ہم
قصۂ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم
سازِ خاموش ہیں فریاد سے معمور ہیں ہم
نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم
اے خدا شکوۂ اربابِ وفا بھی سن لے
خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلا بھی سن لے

تھی جو موجود ازل سے ہی تری ذاتِ قدیم
پھول تھا زیبِ چمن پر نہ پریشاں تھی شمیم
شرطِ انصاف ہے اے صاحبِ الطافِ عمیم
بوئے گل پھیلتی کس طرح جو ہوتی نہ نسیم
ہم کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ امت ترے محبوب کی دیوانی تھی

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر
کہیں مسجود تھے پتھر کہیں معبود شجر
خوگرِ پیکرِ محسوس تھی انساں کی نظر
مانتا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیونکر
تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا
قوتِ بازوئے احمد نے کیا کام ترا

بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی تورانی بھی
اہلِ چیں چین میں، ایران میں ساسانی بھی

اسی معمورے میں آباد تھے یونانی بھی ؛ اسی دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی

پر ترے نام پہ تلوار اُٹھائی کس نے؟

بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے؟

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں کبھی خشکی میں لڑے اور کبھی دریاؤں میں

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی

کلمہ پڑھتے تھے تو ہم چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لیے اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے

تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے سر بکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لیے

قوم اپنی جو زر و مالِ جہاں پر مرتی

بُت فروشی کی عوض بُت شکنی کیوں کرتی

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے

تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے ؛ تیغ کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے ؛؛

زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے ؛؛

تو ہی کہدے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے؟ شہر قیصر کا جو تھا اسکو کیا سر کس نے؟

توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے؟ کاٹ کے رکھدیئے کفار کے لشکر کس نے؟

کس نے ٹھنڈا کیا آتشکدۂ ایراں کو؟

کس نے پھر زندہ کیا تذکرۂ یزداں کو؟

کون سی قوم فقط تیری طلبگار ہوئی؟ اور ترے لیے زحمت کشِ پیکار ہوئی؟

کس کی شمشیر جہاں گیر، جہاں دار ہوئی؟ کس کی تکبیر سے دُنیا تری بیدار ہوئی؟

کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے؟
منہ کے بل گر کے ہو اللہ احد کہتے تھے

آگیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز   قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز   نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہونچے تو سبھی ایک ہوئے

محفلِ کون و مکاں میں سحر و شام پھرے   مئے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے
کوہ میں دشت میں لیکر ترا پیغام پھرے   اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے
دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہمنے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے   نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہمنے
تیرے کعبہ کو جبینوں سے بسایا ہم نے   تیرے قرآن کو سینے سے لگایا ہمنے
پھر بھی ہم سے یہ گلا ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں تو بھی تو دلدار نہیں

اُمتیں اور بھی ہیں اُن میں گنہگار بھی ہیں   عجز والے بھی ہیں مستِ مئے پندار بھی ہیں
اُن میں کاہل بھی ہیں غافل بھی ہیں ہشیار بھی ہیں   سیکڑوں ہیں کہ ترے نام سے بیزار بھی ہیں
رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

بت صنمخانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے   ہے خوشی اُن کو کہ کعبے کے نگہبان گئے
منزلِ دہر سے کعبہ کے حدی خوان گئے   اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے
خندہ زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں

اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں؟

یہ شکایت نہیں ہیں انکے خزانے معمور
نہیں محفل میں جنہیں بات بھی کرنے کا شعور

قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور
اور بیچارے مسلماں کو فقط وعدۂ حور

اب وہ الطاف نہیں ہم پہ عنایات نہیں
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں؟

کیوں مسلمانوں میں ہے دولتِ دنیا نایاب
تیری قدرت تو ہے وہ جس کی نہ حد ہے نہ حساب

تو جو چاہے تو اُٹھے سینۂ صحرا سے حباب
رہروِ دشت ہو سیلی زدۂ موجِ سراب

طعنِ اغیار ہے رسوائی ہے ناداری ہے
کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے

بنی اغیار کی اب چاہنے والی دنیا
رہ گئی اپنے لیے ایک خیالی دنیا

ہم تو رخصت ہوئے اوروں نے سنبھالی دنیا
پھر نہ کہنا ہوئی توحید سے خالی دنیا

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے

تیری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے
شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے

دل تجھے دے بھی گئے اپنا صلا لے بھی گئے
آکے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

دردِ لیلیٰ بھی وہی قیس کا پہلو بھی وہی
نجد کے دشت و جبل میں رمِ آہو بھی وہی

عشق کا دل بھی وہی حسن کا جادو بھی وہی
امتِ احمدِ مرسل بھی وہی تو بھی وہی

پھر یہ آزردگیِ غیرِ سبب کیا معنی؟
اپنے شیداؤں پہ یہ چشمِ غضب کیا معنی؟

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا؟ — بت گری پیشہ کیا بت شکنی کو چھوڑا؟

عشق کو عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا؟ — رسم سلمان و اویسِ قرنی کو چھوڑا؟

آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں

زندگی مثل بلال حبشی رکھتے ہیں

عشق کی خیر وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی — جادہ پیمائے تسلیم و رضا بھی نہ سہی

مضطرب دل صفتِ قبلہ نما بھی نہ سہی — اور پابندیِ آئین وفا بھی نہ سہی

کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے

بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے

سرِ فاراں پہ کیا دین کو کامل تو نے — اک اشارے میں ہزاروں کے لیے دل تو نے

آتش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے — پھونک دی گرمیِ رخسار سے محفل تو نے

آج کیوں سینے ہمارے شرر آباد نہیں؟

ہم وہی سوختہ ساماں ہیں تجھے یاد نہیں

وادیِ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا — قیس دیوانۂ نظارۂ محمل نہ رہا

حوصلے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دل نہ رہا — گھر یہ اُجڑا ہے کہ تو رونقِ محفل نہ رہا

اے خوش آں روز کہ آئی و بصد ناز آئی

بے حجابانہ سوے محفل ما باز آئی

بادہ کش غیر ہیں گلشن میں لبِ جو بیٹھے — سنتے ہیں جام بکف نغمۂ کو کو بیٹھے

دور ہنگامۂ گلزار سے یک سو بیٹھے — تیرے دیوانے بھی ہیں منتظرِ ہو بیٹھے

پھر پتنگوں کو مذاقِ تپش اندوزی دے

برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگر سوزی دے

قوم آوارہ عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز — لے اُڑا بلبلِ بے پر کو مذاقِ پرواز

مضطرب باغ کے ہر غنچہ میں ہی بوے نیاز — تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہی ساز

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کیلیے
طور مضطر ہے اسی آگ سے جلنے کے لیے

مشکلیں اُمتِ مرحوم کی آساں کردے — مورِ بے مایہ کو ہمدوشِ سلیماں کردے
جنسِ نایابِ محبت کو پھر ارزاں کردے — یعنی ہم دیر نشینوں کو مسلماں کردے

جوے خوں می چکد از حسرتِ دیرینۂ ما
می طپد نالہ بہ نشترکدۂ سینۂ ما

بوئے گل لے گئی بیرونِ چمن رازِ چمن — کیا قیامت ہی کہ خود پہول ہیں غمازِ چمن
عہدِ گل ختم ہوا ٹوٹ گیا سازِ چمن — اُڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پردازِ چمن

ایک بلبل ہی کہ ہے محوِ ترنم اب تک
اسکے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

قمریاں شاخِ صنوبر سے گریزاں بہی ہوئیں — پتیاں پہول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی ہوئیں
وہ پرانی روشیں باغ کی ویراں بھی ہوئیں — ڈالیاں پیرہنِ برگ سے عریاں بہی ہوئیں

قیدِ موسم سے طبیعت رہی آزاد اُسکی
کاش گلشن میں سمجھتا کوئی فریاد اُسکی

لطف مرنے میں ہی باقی نہ مزا جینے میں — کچھہ مزا ہی تو یہی خونِ جگر پینے میں
کتنے بیتاب ہیں جوہر مرے آئینے میں — کسقدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں

اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں
داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں

چاک اس بلبلِ تنہا کی نوا سے دل ہوں — جاگنے والے اسی بانگِ درا سے دل ہوں
یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دل ہوں — پھر اُسی بادۂ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں

عجمی خُم ہے تو کیا، مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا، لَے تو حجازی ہے مری

شیخ محمد اقبال

اولڈ بوائز

ہماری برادری میں یہ خبر نہایت مسرت سے سنی گئی ہے کہ اخی مسٹر سید راس مسعود صاحب ولایت سے بیرسٹر ایٹ لا ہو کر وطن واپس آگئے۔ جیسا کہ معلوم ہوا ہے ہمارے بھائی نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے اعلےٰ اعزاز کے ساتھ بی اے کی ڈگری حاصل کی اور کامیابی کے ساتھ بیرسٹری کی سند لی۔ ابھی یہ نہیں معلوم ہوا کہ وہ کہاں وکالت کرینگے، بہرکیف ہماری دعا ہے کہ وہ جہاں رہیں خوش رہیں۔ ہم اپنے درمیان اپنے بھائی کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اُنکے مع الخیر واپس آنے پر اُن کی والدہ ماجدہ محمود بیگم صاحبہ کی خدمت میں مبارکباد عرض کرتے ہیں۔

ہمارے ایک دوسرے بھائی مسٹر عبدالرشید خاں صاحب خلف جناب کرنل عبدالمجید خاں صاحب بہادر (پٹیالہ) بھی وطن واپس آئے اور ہمیں اُنکے واپس آنے سے بھی کچھ کم مسرت نہیں ہوئی۔ ہمارے بھائی مسٹر مسعود کے ساتھ ولایت گئے وہاں برابر کامیابیاں حاصل کیں اور ساتھ ہی واپس آئے۔ ہم اپنے بھائی کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اُنکے نامور والد ماجد کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

سیرِ کالج

۱۸۹۲ء سے جب سے مینے مادرِ کالج کو چھوڑا ب مجھے علیگڈہ جانے کا موقع نہیں ملا۔ اتفاقاً ۲ فروری ۱۹۳۰ء حال کو، ایک مدت کے بعد میرا وہاں جانا ہوا اور ایک روز مقیم رہ کر دوسرے دن چار بجے عصر کی نماز پڑہ کر وہاں سے روانہ ہوگیا۔ مسجد کالج اور بورڈ ونگ کی عمارتیں دیکھکر طبیعت بیحد مسرور ہوئی۔ نواب صاحب قبلہ مدظلہ کی زیارت اور دوسرے صاحبونکی ملاقات سے یہ خوشی اور بہی دوبالا ہوگئی۔ قبلہ و کعبہ نواب صاحب کا خلق اور قومی جاں نثاری تو اظہر من الشمس ہے۔ موصوف جسطرح مجھہ ناچیز کے ساتھہ پیش آئے اُسکا اعادہ اور اظہار قریب قریب ناممکن کے ہے، ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ نواب صاحب مدظلہ، مجھہ بادیہ گرد کو اپنے دولتکدہ سے میرے قیام گاہ تک اپنی سواری میں خود پہنچا گئے۔ مگر یہ مسرت خاک میں مل گئی ہے جب یہ معلوم ہوا کہ قبلہ و کعبہ بظاہر تین ماہ کی رخصت لیکر وطن تشریف لیے جا رہے ہیں۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ نواب صاحب قبلہ کی عمر اور تندرستی ضرور اس قابل ہے کہ وہ کچھہ دنوں آرام فرمائیں یہ اُنہیں کی ہمت تہی کہ اس پیرانہ سالی اور تندرستی ٹہیک نہونے کی حالت میں جو کام کیے اور اسقدر بار صرف قوم کی ترقی کی خاطر اٹھایا کہ دوسرے صحیح و سالم آدمی کو اٹھانا دشوار کیا بلکہ قریب قریب ناممکن کے تہا اور کیا عجب ہے کہ اسی بار نے قبلہ و کعبہ کو علٰحدگی پر مجبور کیا ہے۔

دوسری پریشان کرنے والی بات طالب علموں اور پروفیسروں کی نماز سے بے پرواہی تہی۔ مینے کالج کی مسجد میں ۲۔ فروری کو ظہر، عصر، مغرب و عشا، کی نماز پڑہی اور ۳ تاریخ کو صبح اور ظہرین کی نماز میں شریک رہا۔ ظہرین اور مغرب کی نماز میں تو کچھہ کم طالب علم نظر آئے مگر صبح اور عشاء کی نماز میں چند گنتی کے لوگ دکھائی دیے۔ صبح

کی نماز میں آٹھ دس سے زیادہ نہ تھے تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ ہر روز صبح کو تو اتنے بھی نہیں ہوتے گویا بجز امام اور ایک دو مقتدی کے اور کوئی نہیں ہوتا کسی وقت کی نماز میں میں نے کسی پروفیسر صاحب کو (جو کالج میں مقیم ہیں) نہیں دیکھا۔ افسوس کہ مسلمانوں کا کالج اور عام شہرت یہ ہو کہ نماز کالج کی طرف سے بھی لازمی ٹھرائی گئی ہے۔ اس پر یہ کیفیت! ۔

بعد نماز عصر کے میں ایک دوست سے ملنے کلب گیا۔ وہاں میرے دوست چند پروفیسروں کے ہمراہ بلیارڈ کھیل رہے تھے۔ یہ سب صاحبان یوروپین روش میں تھے؛ جس سے معلوم ہوا کہ سب کے سب صاحب لوگ ہیں نام سننے پر مسلمان ہونے کا یقین ہوا۔ انکو اس لباس میں دیکھنا خالی از حیرت نہ تھا کیونکہ یہ کالج ہمارا کالج مسلمانوں کا ہے جہاں کے پروفیسروں کی یہ حالت ہے۔ آگے چلکر یہ حیرت اور بڑھی۔ منٹو سرکل کی جانب چلا۔ راستہ میں چند پروفیسر صاحبان سے ملاقات ہوئی؛ جو باستثنائے چند بجز ترکی ٹوپی کے انگریزی پوشاک میں تھے منٹو سرکل پر راستہ میں چند پروفیسر صاحبان سے اور ملاقات ہوئی۔ بات چیت ہو رہی تھی کہ مغرب کی اذان ہوئی۔ پروفیسر صاحبان سے کہا کہ مسجد چلیے نماز پڑھیے۔ اگر آپ لوگوں کی ایسی ہی عدم توجہی ہے تو کیا خاک ترقی ہوگی۔ مگر کون سنتا ہے کیسی نماز! سڑک کا راستہ لیا۔ دونوں دن اکثر پروفیسروں اور طالبعلموں کو بغور دیکھا، تو چند طلباء کے چہرہ پر نشان اسلام (داڑھی) کا پتہ پایا۔ غالباً یہ نواب صاحب قبلہ کا فیض قدم ہے۔ غرض یہ سب باتیں روح کو صدمہ پہنچانیوالی تھیں۔ سرسید کے زمانہ میں جب میں پڑھتا تھا تو کسی کی مجال نہ تھی کہ مسجد سے غیر حاضر ہو مگر اب یہ حالت! اس حالت کا ہونا تعجب انگیز نہیں۔ جب نماز مانیٹری مسجد سے غیر حاضر رہیں تو طلباء کو غیر حاضری کی کیوں جرأت نہو۔ ہاں ایک بڑی ضروری بات بھول گیا۔ میں نے دونوں دن ہر وقت جماعت سے نماز پڑھی مگر کسیوقت مولوی سلیمان اشرف صاحب کو جو کالج میں واعظ ہیں نماز میں نہیں دیکھا۔ یہ تو مجھ میں جرأت نہیں کہ میں یہ کہوں کہ مولانا تارک الصلوٰۃ

ہیں مگر انہیں تارک الجماعت ضرور کہونگا۔ یہ مانا کہ وہ اپنے کمرہ میں نماز نہ پڑھ لیتے ہوں مگر ایسی جگہ جہاں پروفیسروں اور طالب علموں کی یہ حالت ہو تو کیا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مولانا بھی اسی رنگت میں ہیں۔ مولانا کا قیام مسجد کے قریب ہے۔ اگر کچھ دور بھی ہوتا تو بہ حیثیت عالم ہونے کے مولانا کا ضرور یہ فرض تھا کہ پنج وقتہ نماز جماعت سے پڑھتے گو مولانا کو حد درجہ کی تکلیف بھی ہوتی: تاکہ دوسروں کو بھی جماعت کی عادت ہو۔ اگر یہی روا رکھا جائے اور بالخصوص عالم روا رکھیں کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ علٰحدہ علٰحدہ نماز پڑھ لیا کرے تو مسجد بیکار ہوئی جاتی ہے اور مسجد میں جماعت کا جو ثواب رکھا گیا ہے وہ بیکار ہوا جاتا ہے

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

جب مولٰنا احکام شرعیہ میں رخنہ ڈالیں اور اتباع سنت نبوی نہ کریں تو پروفیسروں اور لڑکوں کی نسبت کہنا فضول ہے۔ علاوہ اسکے جو پروفیسر صاحب مولانا کے کمرے کے نیچے قیام پذیر ہیں اور مولانا کے ہمسایہ ہیں وہ بھی اس اثر سے خالی نہیں۔

(باقی آیندہ)

سید محمد مہدی (علیگ)

از بریلی

ہمیں یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ ہمارے بھائی مسٹر مبارک حسین صاحب صوبہ پنجاب کے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے ہیں اُنھوں نے مادر کالج میں تعلیم پاکر بی اے کی ڈگری حاصل کی اور ایک عرصہ تک ہمارے مدرسہ کی خدمت کرتے رہے۔ ہم اپنے بھائی کو مبارکباد دیتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور قومی ضروریات کو فراموش نہ کرینگے۔

"اولڈ بوائے" کے ذریعے سے ہماری آواز وقت واحد میں تمام بھائیوں کے کانوں تک پہونچ جاتی ہی، جن بھائی کا جیسا مذاق ہوا اُنہوں نے بلا تکلف مضمون لکھکر روانہ کردیا اور اپنا ارمان نکال لیا۔ خدا اسکے بانیوں اور مددگاروں کی مدد کرے جنہوں نے اسے جاری کرکے ہم لوگوں کو طبع آزمائی کا موقع دیا اب ہمیں یہ چاہئے کہ اس میں مفید مضامین کثرت کے ساتھ شائع کریں اور علیگڈھ کے کھنڈروں کی طرح ہمارے مضامین آپ ہی اپنی نظیر ہوں۔

میں نے جس مضمون پر قلم اُٹھایا ہی وہ عنوان پر درج ہی، مگر اسکے اظہار کے لیے تھوڑی تمہید کی ضرورت ہی۔ فی زمانہ دنیا کی ترقیوں پر نظر کرتے ہوئے ضرورت محسوس ہوئی ہی کہ شاہراہ ترقی پر ہمکو بہت سرعت کے ساتھ اپنا قدم رکھنا چاہیے ورنہ ڈر ہی کہ علیگیرین (جو دوڑ میں سب سے اول آتے ہیں) خدانخواستہ سب سے پیچھے رہ کر ندامت سے سر جھکائے نظر آئیں۔

اولڈ بوائز اسٹور کے متعلق آپ بہت دنوں سے مضامین دیکھ رہے ہیں اور میں بھی آپ کو توجہ دلا چکا ہوں۔ دیکھیے اس خامہ فرسائی اور قرطاس پیمائی کا نتیجہ کیا نکلتا ہی۔ یہ ممکن ہی کہ ہماری تجاویز سے فائدہ اٹھاکر دوسرے عمل درآمد شروع کردیں اور ہم منھ دیکھتے کے دیکھتے رہجاویں۔ اب دوسرا ایک اور اہم مسئلہ آپ سب بھائیوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ جہانتک دیکھا جاتا ہی ہم لوگ "اپ ٹو ڈیٹ فیشن" میں اسقدر غرق ہورہے ہیں کہ اپنے اعزہ و اقارب کی خبرگیری کرنا تو درکنار مشکل سے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کی بھی کچھ خبر رکھ سکتے ہیں۔ اس بے خبری کے نتائج جسقدر مہلک اثر

پیدا کر رہے ہیں اُنکی جانب خیال کرتے ہوئے دل لرز جایا کرتا ہے۔

اگرچہ ہماری برادری کے پچھلے جلسے کے موقع پر اس قسم کی تجویز پیش ہوئی تھی کہ ہر اولڈ بوائے اپنے ایک فیصدی کے علاوہ چار آنہ ماہوار اضافہ کرے تاکہ اس فنڈ سے اولڈ بوائز کے یتیم اور نادار طلبہ کی تعلیم میں مدد کیجائے۔ گو یہ تجویز نہایت مفید ہے لیکن میں اس میں کچھ اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ مگر اس سے پہلے میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس تجویز کو غالباً ایک حصہ نے اس وجہ سے ناپسند کیا ہوگا کہ انکی جمع کردہ رقم کو دوسروں کے بچوں پر صرف کیا جاوے یا یہ کہ سالانہ جلسوں کے موقعوں پر مولوی ماسٹروں کے تقررات یا اضافوں سے اس بے مقدار فنڈ کو اور کمزور کر دیا جاوے۔ نہ اس فنڈ میں اسقدر گنجایش ہے کہ وہ ہمارے جملہ نادار اور یتیم بچوں کی تعلیم میں مدد پہونچا سکے ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ خصوصیت کی جائیگی، جسکا نتیجہ آیندہ چلکر دقت سے خالی نہو گا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جو مسلمان مرتے ہیں بجز قرض کے گھر میں کچھ پس انداز نہیں چھوڑتے۔ اسکے علاوہ ہر شخص اپنے عزیز یا دوست کے بچوں کے لیے زور دیگا اور ظاہری صاحب اثر لوگوں کو کامیابی ہوگی۔ اس سے ایک اور مناقشہ کا اندیشہ ہے۔

مثال کے طور پر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایک اولڈ بوائے "زید" کی آمدنی بیس روپیہ ماہوار کی ہے اور وہ پانچ آنہ ماہانہ دیتا ہے۔ اب جدید قواعد کی رو سے چار آنہ ماہوار اور ادا کرنے پڑے۔ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ اس قلیل تنخواہ میں آنا ادا کرنا اسکے لیے بار ہے اور اسپر یہ اور اضافہ ہے کہ تنگدستی کے عالم میں وہ خود اپنی اولاد کی تعلیم کے بار کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اب بتلایے کہ ایسوسی ایشن اسکے بچوں کے لیے کیا انتظام کریگی۔ غالباً اسکا جواب یہی ہوگا کہ فنڈ میں اسقدر گنجایش نہیں کہ چار آنہ زائد دیے جانے پر اس کی اولاد کی تعلیم لازمی طور پر ایسوسی ایشن کی طرف سے ہو۔ ایسی صورت میں چار آنہ ماہوار زائد لینے سے حاصل ؟ -

ان تمام امور کو مدنظر رکھکر میں یہ مناسب خیال کرتا ہوں کہ جسطرح ہوسکے جلد سے جلد ایک رزولیوشن اس امر کے متعلق ہونا چاہئے کہ ہمارے تمام فنڈوں کی رقوم ہمارے ہی کام میں خصوصیت کیساتھ صرف کی جایا کریں۔ دوسرا ایک رزولیوشن اس باب میں ہو کہ جملہ اولڈبوائز خواہ اُنکی آمدنی ہزار روپیہ ماہوار کی ہو یا پچیس روپیہ ماہوار کی وہ اپنی اولاد کی تعلیم کی عوض سے ماہانہ یا سہ ماہی ایک مناسب رقم فنڈمیں داخل کرتے رہیں یا کہ یہ رقم خود اُنکی اولاد میں صرف کیجاے۔ اسکے متعلق یہ طریقہ بھی مناسب ہوسکتا ہے کہ یا تو فی بچہ رقم کا تعین کیاجاے یا آمدنی پر فیصدی بڑھا دیا جاے۔ ایسی صورت میں فنڈ کو جو رقم ہوپہنچیگی فنڈ کی مالی حالت اچھی ہوتی جائیگی۔ اسکے علاوہ ہم لوگوں کی فضول خرچیوں کا سدباب ہوکر ہماری آمدنی نیک کام میں صرف ہوگی۔ یہ رقم ایک فیصدی کے علاوہ ہوگی اور شاخ تعلیمات سے منسوب کیجائیگی۔ ہم کو اپنی عقل سلیم سے کام لیکر ایسے پُرآشوب اور کشمکش کے زمانہ میں کوئی گھڑی اور کوئی پل بیکار نہ کھونا چاہیئے۔ اگر آج ہم نے اپنی زندگی کے قیمتی اوقات کو رائیگاں کرکے اور اپنے بزرگوں کے سرمایوں یا اپنی کمائیوں کو ناجائز طریق پر خرچ کرکے اپنی اولاد کو اپنے بعد بھیک کے طور پر تعلیم پانے کا موقع دیا تو تُف ہی ہماری زندگی پر اور لعنت ہی ہمارے عیش وعشرت کی زندگانی پر میں اسکے ساتھ ہی یہ الفاظ بھی کُھلے طور پر کہونگا کہ اگر ہمارے لیڈروں نے ہم لوگوں کے حالات، اخراجات اور ضروریات کے جانب توجہ نہ کی اور ہم لوگ اسی طرح پر لہو ولعب میں پڑکر اپنی اولاد کو بھیک کی تعلیم پر چھوڑ گئے تو قیامت کے دن خدائے پاک کے روبرو ہمارے بچے اپنی تکالیف ومصائب، نیز حق تلفیوں کی پُردرد داستانیں بیان کرکے ہمارے لیڈروں کے دامنوں کو پکڑکر فریاد کرینگے پھر اُنسے اپنی بے توجہیوں کے متعلق کوئی جواب نہ بن پڑیگا۔

یہ خیال خون جگر سے لکھکر سب بھائیوں کے روبرو پیش کرتا ہوں اگر اسکا یہ جواب ملا

کر بچوں کی تعلیم کے لیے پس انداز کرکے ڈاکخانہ یا بنک میں جمع کر سکتے ہو تو کرنیوالے خود ہوشیاری سے کرینگے لیکن پیر اسکے سوا اور کیا کہا جائیگا کہ دنیا میں پیدا ہونا بڑے ہو کر علیگڈہ میں تعلیم پانا تعلیم پاکر ملازمت کرنا اور نئی برادری میں مثل شیر و شکر کے رہنا ایک ؎

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

جب آنکھ کھلی تو نہ کہیں علیگڈہ تھا، نہ بھائی برادری، نہ کوئی ہمارا ہمدرد نہ کوئی رہنما ؎

وائے ناکامی کہ بعد از مرگ یہ ثابت ہوا

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

جگر فگار سید لائق حسین

پچھلے دنوں ہمارے بھائی مسٹر سید ظہور حسین صاحب، جن کا ذکر ان صفحات میں کئی مرتبہ آچکا ہے اور جسکے متعلق اخی مسٹر شوکت علیصاحب نے اپنے کیلنڈروں میں تذکرہ کیا ہے۔ الہ آباد میں سخت علیل ہو گئے تھے ہمیں اپنے ایک عزیز کے ذریعے سے اسوقت خبر ہوئی جبکہ وہ اچھے ہو گئے۔ ابھی تھوڑی نقاہت باقی ہے جو انشاء اللہ جلد جاتی رہیگی۔

اس سال کے منعقدہ اجلاس اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے لیے ملک زمان مہدی خاں صاحب، مسٹر صفدر علیصاحب، مسٹر سعید محمد خاں صاحب، مسٹر ظہور احمد صاحب، مسٹر شوکت علیصاحب، خان بہادر حاجی عبدالرشید خاں صاحب، مسٹر محمد امین صاحب، مسٹر سجاد حیدر صاحب، مسٹر عبدالغفار خانصاحب اور مسٹر ظفر علیخاں صاحب تجویز ہوئے ہیں۔

کالا آدمی

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

بدتمیز، بیہودہ، نالائق، کالا آدمی! کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں یہ موجود نہو! گھر کے اندر، بازار کی سڑک پر، سوسائٹی کے حلقہ میں، ملک کے ہر ہر گوشہ میں: وہی بیوقوف، آوارہ، بدتہذیب، کالا آدمی!!

اس کی بدتمیزی نے صاحب لوگوں کا ناک میں دم کر دیا ہے، زندگی تلخ کر دی ہے، سنا مارا ہے! صاحب لوگ عام آبادی کو چھوڑ کر بنگلہ میں رہتا ہے، سرائے کے عوض ہوٹل میں ٹھہرتا ہے، تھرڈ کلاس کی بجائے سکینڈ کلاس میں سفر کرتا ہے، غرض ہر طرح اس سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے: مگر پھر بھی جہاں دیکھو وہی حیوانِ ناطق، مادۂ انسانی کی غیر ترقی یافتہ شکل، صنّاعِ حقیقی کی مشقِ اولین، جاہل، نیٹو، کالا آدمی!!

بریلی کے اسٹیشن پر صاحب لوگ وٹینگ روم میں آرام کرسیوں پر پڑے ہوئے ہیں مگر سامنے والی بنچ پر کئی ایک نیٹو بھی موجود ہیں، پلیٹ فارم پر صاحب لوگ جسٹر فیلڈ پہنے ہوئے سگار کی چنگاریاں اڑاتے ادھر سے اُدھر کھٹ پٹ کرتے پھرتے ہیں لیکن لوہے کے ستونوں کے پاس کالے آدمی بھی اپنے اسباب کے گٹھر کی نگرانی کر رہے ہیں؛ صاحب لوگ ہر دس پانچ منٹ کے بعد وسٹ انڈ اینڈ کمپنی کی جیبی گھڑی پاکٹ سے نکال کر وقت دیکھ لیتے ہیں، مگر کالا آدمی پلیٹ فارم کے کنارے پر پہنچکر جسطرف سے گاڑی آنے والی ہو اُدھر جھک کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھور لیتا ہے!

ٹکٹ کلکٹر ہے تو کالا آدمی، بکنگ کلرک ہے تو کالا آدمی، تار گھر میں جائیے تو کالا آدمی، پوسٹ آفس میں جائیے تو کالا آدمی! غرض اسٹیشن ماسٹر کو چھوڑ کر جہاں نظر جاتی ہے، وہی نیٹو، بدتہذیب، گنوار، کالا آدمی!!

رات کے ۱۲- ابھی ابھی بجے ہیں، دسمبر ۱۹۱۱ء کی شروع تاریخیں ہیں: سردی کسی رقیب کے جگر خراش طعن کی طرح بدن تو ایک طرف دل و جگر میں بیٹھی جاتی ہے، ہوا کے جھونکے سردی محسوس کرنیوالوں کا بدن بے قابو کیے دیتے ہیں! کارونیشن دربار کے نظارہ کے شوق، اور حضور جارج پنجم کی زیارت کے اشتیاق نے، دہلی جانے والی ٹرین کے لیے بیحد مسافر اکٹھے کر دیے ہیں؛ اور جاڑے کے موسم اور کئی روز ٹھہرنے کے ارادہ نے اسباب کا طومار باندھ دیا ہے!

ٹن، ٹن: ٹن، ٹن!- وہی کالا آدمی نہایت زور کے ساتھ گھنٹی بجا پھرتا ہے اور صاحب لوگوں کی نازک قوتِ سامعہ کی کچھ پرواہ نہیں کرتا! کسقدر وحشی ہے؟ کسقدر جانور ہے؟

ایک غیر معمولی گھر گھراہٹ، ایک پلیٹ فارم کو ہلا دینے والا لرزہ، اور منتظر مسافروں کی معشوقہ شرربار- لکھنؤ سے دہلی جانیوالی ٹرین زلفِ یار کی طرح بل کھاتی، پھنکارتی، چنگاریاں اُڑاتی، بریلی کے اسٹیشن پر آٹھری! تھرڈ کلاس کے مسافروں کا- بدتہذیب جانوروں کا پنجرہ کھلا اور طوفان بے تمیزی چیختا، پکارتا پلیٹ فارم پر دوڑ پڑا! پوری، کچوری، گرما گرم! پان، بیڑی، سگرٹ! مسی منجن، بریلی کا عمدہ سرمہ! آن واحد میں سارا اسٹیشن گراموفون کا ریکارڈ بنگیا! چیخ پکار، بھاگ دوڑ، کالے آدمیوں کی بھیڑ نے حشرات الارض کے سیلاب نے- صاحب لوگونکا گاڑی تک پہنچنا بھی مشکل کر دیا!!

اسی ہل چل میں دو صاحب لوگ- وہ دونوں جو ہمارے پیش نظر ہیں- خدا خدا

کر کے نہیں، ڈیم فول کرتے ہوئے سکنڈ کلاس تک پہونچے! قلیوں نے صاحب کا ٹرنک،
ٹفن باسکٹ، ہولڈال، ہیٹ کیس، غرض ہر ایک چیز گاڑی کے اندر رکھنی شروع کی
اور صاحب لوگ اپنا اپنا سگار جلاکر، گاڑی کے دروازہ کے سامنے کھڑے ہوکے باتوں کا
سلسلہ چھیڑ دیا!

یہ دونوں حضرات سر کی ہیٹ سے لیکر پاؤں کی بوٹ تک صاحب لوگ تھے!
چسٹر فیلڈ دونوں کے زیب تن تھا! لوٹی ہوئی چھوٹی موری کی پتلون دونوں صاحب پہنے
ہوئے تھے، کپڑوں کا کٹ اور فال جنٹلمین کی تعریف کا جزو لاینفک ہی نہایت اچھا تھا،
اور استری کی شکن قائم رہنے سے یہ بھی ظاہر تھا کہ آپ کپڑے پہننے ہی نہیں بلکہ ان کو
رکھنا بھی جانتے ہیں! بوٹ دونوں کے تازہ پولش کیے ہوئے براؤن تھے جن کی ٹو نہ
پتلی تھی نہ چپٹی، بلکہ عجیب طرح سے ایک طرف کو کسیقدر مڑی ہوئی ٹیڑھی سی تھی: اور
سچ پوچھو تو موجودہ فیشن کے لحاظ سے نہایت "اپ ٹو ڈیٹ" تھی! کپڑوں کے لحاظ
سے دونوں میں فرق تھا تو صرف اسقدر کہ ایک صاحب اعلیٰ درجہ کا مفلر باندھے
ہوئے تھا تو دوسرا ایک اونچا سفید ڈبل کالر لگائے ہوئے اور چھوٹی سی بو باندھے ہوئے!!

حلیہ شریف۔ نہیں نہیں۔ حلیہ انگریز، کچھ نہ پوچھئے کیسا تھا؟ ایک صاحب
کا چہرہ پتلا دبلا، ہڈیاں نکلی ہوئی، چھوٹی چھوٹی آنکھیں۔ غرض دیکھنے میں کسیقدر ناگوار
تھا! دوسرے صاحب کا نقشہ ابھرا ہوا، اونچی پیشانی، ناک آگے کی طرف خفیف سی
جھکی ہوئی، آنکھیں گول مگر بڑی، دہانہ کشادہ مگر ہونٹوں کو سکیڑے رکھنے کی عادت،
کھال کسیقدر موٹی مگر خدا بھلا کرے ولی لیا سوپ کا چکنی اور چمکتی ہوئی، مختصر یہ کہ نقشہ
بحیثیت مجموعی برا نہ تھا! ڈاڑھی کی نسبت کچھ کہنا سننا تو ایک فضول سی بات ہے کیونکہ
وہ تو بالکل دیکھتے ہی دیکھتے ایسی غائب ہوئی جیسے ہندوستان سے تقسیم بنگالہ یا
موجودہ ڈپلومیسی سے ایمانداری! رہیں مونچھیں، انکی مختصر سی سوانح عمری چنداں بیجا نہوگی

وہ زمانہ تو لد ہی گیا جبکہ لبین تراشی جاتی تھیں ؛ البتہ ایک عرصہ سے کاسمیٹک لنگار گا رنگی خدمت کرنا فرض عین تھا، مگراب موجودہ رنگ کے لحاظ سے وہ پانی بھی ملتان ہو گیا! کرپ پیپرز کی باقاعدہ روزانہ جاروب کشی، رخساروں سے بڑھتے بڑھتے ہونٹوں تک پہنچ گئی! اول الذکر صاحب بہادر تو موچھوں کے بارے بالکل ہی سبکدوش تھے، البتہ آخر الذکر کی مونچھیں تھیں ضرور۔ اگرچہ تھیں وہ بھی نہ ہونے کے برابر۔ کیونکہ چشم بدور پرکار سے ناپی ہوئی دونوں طرف آدھی آدھی تھیں!! افسوس کہ رنگ نے دونوں صاحبوں پر پورا ظلم کیا تھا، کیونکہ نیٹو آب و ہوا کی وجہ سے یا نیٹو آفتاب کی تمازت کی وجہ سے رنگ گورا تو الگ رہا گندمی بھی نہ تھا! تاہم صاحب لوگوں پر پیدائیشی کالا ہونیکا گمان تو یہ تو یہ کون کرسکتا ہے؟ اور اگر کوئی کرے تو نہایت بیوقوف، نہایت احمق، نہایت نیٹو، کالا آدمی!!

سیٹی کی آواز آئی، اور آگ کھانے اور انگارے اگلنے والا عفریت آہنی، پھنکارتا غل مچاتا گذرنے جانیوالے وقت کی طرح چل پڑا! صاحب لوگوں نے قلیوں کو کچھ دیا، زیادہ مانگنے پر دھتکارا، اور گاڑی کے اندر پہنچ گئے!! اوپر کے دو گدّوں پر دو صاحب بالکل بے خبر سو رہے تھے، اور نیچے کے ایک گدّے پر جو کھڑکیوں کے برابر تھا ایک کالا آدمی رضائی اوڑھے پڑا جاگ رہا تھا! اب صرف نیچے کے دو گدّے بچے۔ ایک دوسری طرف کھڑکیوں کے برابر، اور دوسرا ان دونوں کی بیچ میں - اور یہ بھی دونوں خالی تھے! ہمارے اول الذکر صاحب بہادر جو مونچھ اور ڈاڑھی دونوں کی طرف سے فارغ البال تھے، سیٹی بجاتے ہوئے اندر آئے اور کھڑکیوں کے برابر والے گدّے پر دراز ہو گئے -! دوسرے صاحب بہادر یعنی بڑا صاحب - بھی کھڑکیوں کے پاس والے گدّے پر ہی لیٹنا چاہتا تھا! اس کی وجہ کہ کیوں اسی گدّے پر لیٹنا چاہتا تھا؟ - نہ پوچھنے کی ضرورت نہ جواب دینے کی حاجت!

صرف اسیقدر کہدینا کافی سے بھی زیادہ ہوگا کہ۔ صاحب لوگ کا مرضی، صاحب لوگ کا خوشی! اور بس !!

مگر اب مشکل یہ تھی کہ صرف بیچ والا گدّا خالی تھا: لہذا سب سے زیادہ آسان ترکیب یہ تھی کہ کالے آدمی کو بیچ والے گدّے پر ہٹا دیا جائے! یہ کچھ مشکل کام بھی نہ تھا، کیونکہ ہندوستانی آدمی جاگ رہا تھا، صاحب کی طرف گھور رہا تھا، اور سب سے زیادہ یہ کہ کرتہ پائجامہ پہنے ہوئے اور رضائی اوڑھے ہوئے تھا۔ یعنی وہی گنوار، جاہل، کالا آدمی۔

بڑا صاحب نہایت بے پرواہی کے ساتھ کالے آدمی سے بولا "تم اُس گدّے پر آجاؤ"؛ مگر آپ کو سنکر تعجب ہوگا کہ ہندوستانی آدمی برابر صاحب کو گھورے گیا، اُسکے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ ظاہر ہوئی اور اُسنے کچھ جواب نہیں دیا!! اس دیدہ دلیری پر صاحب کو جسقدر غصہ آیا قانون ایکٹ کی روسے قطعی جائز تھا! اس مرتبہ صاحب بہادر نے کسیقدر اونچی آواز اور تحکمانہ لہجے کے ساتھ کہا "میں کہتا ہوں تم اس گدّے پر آجاؤ"!

"صاحب بہادر! مجھے تو اسی گدّے پر رہنے دیجیے!" نہایت منت و سماجت کے لہجہ میں کالے آدمی نے کہا!

بڑا صاحب (اور زیادہ زور دیکر) "نہیں، نہیں! تم ادہر کے گدّے پر آجاؤ"

"حضور میں بہت غریب ہوں: مجھے تو پڑا رہنے دیجیے!"

بڑا صاحب "تمکو ادہر آنا ہوگا" اب صاحب کو متواتر گستاخی پر زیادہ غصہ آچلا تھا!

"حضور! صاحب! آپ سرکار ہیں! مجھے نہ ہٹائیے، رہنے دیجیے" کالے آدمی کے لب و لہجہ سے تمسخر ظاہر ہوتا تھا!

بڑا صاحب "ول! تم کو ادہر آنا ہوگا" غصہ کیساتھ کالے آدمی کی رضائی

کھینچتے ہوئے۔ فوراً ادہر آؤ مین! ''

'' بس! خبردار! '' کالے آدمی نے دست درازی دیکھکر نہایت غصہ کیساتھ کہا!
وہ اب اُٹھ بیٹھا تھا، اُسکی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں، اور اُسکا بدن۔ پتلا دُبلا بدن۔ کانپ رہا
تھا! اُسکے ہونٹوں پر ایک غیر معمولی حرکت نظر آرہی تھی، اور اُس کی ڈاڑہی چہرے کے
کانپنے کے ساتھ لرز رہی تھی! اُسی حیرت انگیز انقلاب اور صاحب بہادر کو مبہوت بنا دینے
والے جذبے میں کالے آدمی نے نہایت برانگیختہ ہوکر کہا '' یہ تو آپ کے چہرے سے ہی
ظاہر ہے کہ آپ مسلمان ماں باپ کے معزز فرزند ہیں! مگر میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ
آپنے کہانتک تعلیم پائی ہے اور کہاں پائی ہے؟ ''

بڑا صاحب (کسیقدر فخر کے ساتھ) '' میں ...... کالج کا گریجوئٹ ہوں! ''
'' .... کالج کا گریجوئٹ اور یہ اخلاق! '' اب کالے آدمی کے غصہ کی انتہا
نہ تھی۔ اُس کی نظریں حقارت میں ڈوبے ہوئے تیر بنگئی تھیں، اُس کی آواز جگر خراش
اور جوش دلانیوالی ہوگئی تھی، اور اُس کی تیز زبان شرم دلانیوالے الفاظ بلا تکان
ظاہر کررہی تھی '' شرم! شرم! شرم!!! تمکو اسوقت اپنے کالج کا نام ظاہر کرتے ہوئے
شرم بھی نہ آئی! ''

صاحب بہادر کی حالت بالکل ناقابل اظہار تھی! کچھ ندامت، کچھ شرم۔ مگر ساتھ
ہی کچھ غصہ کچھ چڑچڑاپن! آنکھیں جھکی ہوئی تھیں، پیشانی پر پسینہ تو نہیں کچھ یوں ہی سی تھی
تیوری کے بل ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے، اور وہ اُس غضب ناک ہندوستانی
کو اب اور نظروں سے دیکھ رہا تھا! مگر سچ پوچھو تو اب بھی وہ کالے آدمی کو پوری طرح
سمجھا نہ تھا: اُسنے بات ٹالنے کے طور پر کہا '' کیا آپنے علیگڈھ کالج کبھی دیکھا ہے ''؟

'' کبھی دیکھا ہے! '' عجیب استعجاب کے ساتھ کالے آدمی نے دُہرایا! اس کی آنکھوں
سے اور زیادہ شعلے نکلنے لگے، اُسکے ہونٹوں کو زیادہ حرکت ہونے لگی اور اُسکی ڈاڑہی

اور زیادہ لرزنے لگی "تم کو اس سے کیا غرض کہ مینے کالج کبھی دیکھا ہی یا نہیں؟ تم ایسے کمینہ اخلاق کے اظہار کے بعد بھی اسقدر جرأت رکھتے ہو کہ مجھ سے ہمکلام ہو! تمھیں ڈوب مرنا چاہیئے! کیا میرا مسلمان ہونا اسلیے کافی نہ تھا کہ تم مجھ سے شریفانہ برتاؤ کرتے؟ کیا ایسی باجیانہ حرکت کے بعد بھی تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ مینے کالج کبھی دیکھا ہی! پوچھتے ہو تو سنو! مینے کالج دیکھا ہی۔ تم سے زیادہ دیکھا ہی۔ اُس مرحوم کی آنکھیں دیکھی ہیں، اُس سردار کی آواز سنی ہی جس کی تعلیم کو تم جیسے رسوا کرتے پہرتے ہیں! میں ایک دو سال نہیں پورے ۱۲ سال کالج میں رہا ہوں! مینے بچپن سے ہوش وہیں سنبھالا ہی، میں مسٹر بیک کی مہربانیوں کا پالا ہوا ہوں! میرا نام .... ہے اور میں ضلع بداون کی تحصیل .... میں تحصیلدار ہوں! میں اُسی کالج کا انڈر گریجویٹ ہوں جس کو تم بدنام کرتے پہرتے ہو! میرا عرف .... ہی جو غالباً تم نے اولڈ بوائے میں دیکھا ہوگا! اب تو تمھیں معلوم ہوا کہ مینے کالج کبھی دیکھا ہی ...."

بڑا صاحب (شرمندگی کے ساتھ بات کاٹ کر) میں آپ سے ادب کے ساتھ معافی"

"نہیں نہیں" خشمناک کالے اولڈ بوائے نے فقرہ بھی پورا نہ کرنے دیا "آپ کیوں معافی مانگتے ہیں! آپ تعلیم یافتہ ہیں، آپ صاحب ہیں، میں تو ایک کالا آدمی ہوں جسکو آپ ٹھوکر مار کر گدے سے ہٹا دینگے! حضور سرکار، بڑے آدمی ہیں، میں تو گنوار رعیت ہوں! صاحب بہادر آپ میری رضائی باہر پہنکدیں، مجھے ڈیم بگر کہیں، میرے دو تین ٹھوکریں رسید کریں! افسوس! افسوس!! کیا یہ ہی وہ اخلاق جس کی تم کو تعلیم دیجاتی ہی؟ کیا اسی کے لیے سید مرحوم نے قوم کے آگے گداگری کی تہی؟ کیا کالج کی تعلیم سے تم جیسے نونہال پیدا کرنا سید کا مقصود تہا؟ شرم! شرم!! اگر اسوقت میرے بجاے تم کسی اور شریف مسلمان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے۔ اور غالباً اُسے دہمکا کر دوسرے گدے پر ہٹا دیتے، تو وہ اپنے دل میں کالج کو کیا سمجھتا؟ اُس کی تعلیم کی نسبت

کیا رلے لگاتا، اور سید مرحوم کو کن الفاظ سے یاد کرتا؟ ہائے! ہائے!! بدنام کنندہ نکونامے چند! .... "۔

دو تین زور کے ہچکولے، لائن پلٹنے کی آواز، غیر معمولی روشنی، اسٹیشن کا پلیٹ فارم؛ ایک جھٹکا اور گاڑی ٹھہر گئی! رام پور پر اترنے والے تو نظر نہ آئے البتہ دہلی دربار کے لیے یہاں بھی ایک اژدہام ٹرین کا انتظار کر رہا تھا۔ جو گاڑی رکتے ہی بلائے آسمانی کی طرح ٹوٹ پڑا !!

اس سے تو ہمیں بحث نہیں کہ کالے آدمی نے جس وقت کالے کی طرح کیچلی اتار ڈالی، اور لعن طعن کی بوچھار شروع کر دی تو وہ کس قدر عرصے تک جاری رہی، اور آخر میں پھر کیونکر وہی بھائی اور میاں کے الفاظ جو کالے آدمی کا تکیہ کلام تھے گفتگو میں آنے لگے! البتہ یہ ہم ضرور کہیں گے کہ جہاں دیکھو صاحب لوگوں کا وبال جان، موت کا فرشتہ، اگر ہے تو وہی گنوار، جاہل، کندہ ناتراشیدہ، نیٹو کالا آدمی !! ؎

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بہ انگلستان است !!

سلطان حیدر جوش (علیگ)

ہمارے بہت سے بھائی ہم سے دریافت کرتے ہیں کہ اولڈ بوائے کا دفتر بنارس سے کہاں جائیگا؟ اسکے متعلق ہم ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے مگر گمان ہے کہ مادرِ کالج سے قریب تر ہو جائے گا۔ ابھی چند باتیں مشورہ طلب باقی ہیں، انکے طے ہونے کے بعد انشاء اللہ! ہم اپنے بھائیوں کو مطلع کرینگے۔

مولوی غلام محمد صاحب اڈیٹر وکیل کا سوگ ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ ہمیں اپنے عزیز بھائی مولوی محمد عزیز مرزا صاحب کے انتقال کی یکایک خبر معلوم ہوئی۔ ہم اب مرحوم کے لیے جتنا افسوس کریں بجا ہے۔ اُنہوں نے ہمارے کالج سے بی اے پاس کیا وہاں کے ٹرسٹی رہے اور آخر وقت تک ملک و قوم کی خدمت تندہی سے بجا لاتے رہے۔

مولوی صاحب کی ولادت اُنکے وطن بیاسو ضلع بلند شہر میں سنہ ۱۲۸۰ ہجری میں ہوئی اُنہوں نے ابتدا سے بی اے تک مادر کالج میں تعلیم پائی اور سنہ ۱۳۰۲ ہجری میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ زمانہ تعلیم میں وہ اپنی ذہانت اور حسن تقریر کے سبب تمام طلبار کالج میں ممتاز خیال کیے جاتے تھے۔ انگریزی زباں وانی اور علم تاریخ میں اُنہوں نے انعامات حاصل کیے

سر آسمان جاہ بہادر کے عہد وزارت میں وہ حیدر آباد بلائے گئے اور نواب وقار الملک بہادر نے اُنہیں سرکار عالی کی ملازمت میں داخل کرایا۔ سنہ ۱۳۰۹ ہجری میں وہ ہوم سکرٹری کے مددگار مقرر ہوے اور سنہ ۱۳۱۰ ہجری میں مجلس واضع آئین و قوانین کے سکرٹری مقرر ہوے۔ سنہ ۱۳۱۲ ہجری میں جوڈیشل سکرٹری کے اول مددگار کر دیے گئے اور سنہ ۱۳۱۴ھ میں کورٹ آف وارڈس کے سکرٹری ہوئے اس موقع پر قابل تعریف امر یہ تھا کہ اُنہوں نے یتیموں کے مال سے حق الخدمت لینا پسند نہ کیا۔ سنہ ۱۳۱۵ ہجری میں وہ منصرم معتمد کوتوالی و امور عامہ کی خدمت پر مامور ہوئے اور پانچ سال بعد سنہ ۱۳۱۹ھ میں وہ چند روز کے لیے تعلقداری پر بھی پروانہ کیے گئے لیکن اس سے چار سال بعد سنہ ۱۳۲۳ھ میں وہ پھر حیدر آباد بلائے گئے اور عدالت عالیہ (ہائیکورٹ) کے رکن مقرر ہوئے۔ آخر زمانۂ ملازمت میں وہ ہوم سکرٹری کے عہدہ پر ممتاز تھے۔ مگر ایک غلط سازش کی وجہ سے جس میں اُنکے نام سے غلط تحریر بنا لی گئی

تھی انہیں پنشن عطا کی گئی۔

زمانہ ملازمت میں حیدرآباد کے بڑے بڑے عہدہ داروں نے اُنکی لیاقت اور قابلیت کو تسلیم کیا ہے اور اُنہوں نے متعدد خدمات کو نہایت عمدگی اور خوبی سے انجام دیا حیدرآباد میں ایسی کوئی سرکاری کمیٹی نہ تھی جسکے وہ ممبر نہ رہے ہوں۔ آخر زمانہ ملازمت میں اُنہوں نے ایک تجویز پیش کی تھی کہ حیدرآباد میں علوم مشرقیہ کی ایک یونیورسٹی قائم کیجائے۔ یہ مفید تجویز اگرچہ سرکار عالی نے منظور فرمائی تھی لیکن مرحوم کے چلے آنے کے باعث التوا میں آگئی۔

حیدرآباد میں مرحوم کی سب سے نمایاں خصلت یہ تھی کہ وہ لوگوں کی نفع رسانی میں دل سے کوشش کرتے تھے اور دوست تو دوست کوئی دشمن بھی اس بات کا شاکی نہ تھا کہ اُن کی ذات سے کسیکو نقصان پہنچا ہے۔

حیدرآباد سے واپس آنے کے بعد ۱۹۱۰ء میں وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے سکرٹری بنائے گئے۔ اُنہوں نے اس کام میں نہایت جانفشانی ظاہر کی اور کئی صوبوں کے دورے لیگ کی شاخیں قایم کرنے کے لیے کیے تعلیمی معاملات سے اُنہیں خاص دلچسپی تھی، ہمارے کالج کے ٹرسٹی اور یونیورسٹی کانسٹی ٹیوشن کمیٹی اور سنڈیکیٹ کمیٹی کالج کے ممبر تھے۔ ندوہ کے کاموں میں بھی وہ اکثر دلچسپی لیا کرتے تھے۔ مطالعہ اور تصنیف و تالیف کا اُنہیں خاص شوق تھا اور اُنہوں نے اپنی مادری زبان اُردو میں کئی کتابیں تصنیف فرمائی تھیں۔ ایشیاٹک سوسائٹی لندن نے اُنکے پاکیزہ مذاق انشاپردازی کو دیکھکر اُنہیں اپنا رکن بنایا تھا۔ سال گزشتہ میں وہ انجمن ترقی اردو کے سکرٹری قرار پائے تھے مگر افسوس کہ اُنہیں اس خدمت کے بجالانے کا موقع نہ ملا۔

مولوی عزیز مرزا صاحب باوجود اعلیٰ انگریزی داں ہونے کے صوم وصلوٰۃ کے بڑے پابند تھے اور اسلام کی محبت اُنکا خاص شعار تھا۔

مرحوم نے چھ صاحبزادے چھوڑے ہیں؛ جن میں ہمارے بھائی مسٹر احمد مرزا حال ہی میں انجنیری کی تعلیم پاکر ہندوستان واپس آئے ہیں، ہمارے بھائی ابوسعید مرزا ولایت میں بیرسٹری کی تعلیم پا رہے ہیں اور باقی چار بھائی ہندوستان ہی میں ہیں -

ہم اپنے بھائیوں اور مرحوم کے پس ماندوں کے اس غم میں شریک ہیں اور خداوند کریم سے مرحوم کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں -

---

ہمارے بھائی مسٹر سید محمود حسین صاحب رئیس ترکی پرہ باس ضلع بلند شہر مع برادر عزیز مسٹر مسعود حسین صاحب کے زیارت کربلائے معلےٰ کے لیے حال ہی میں روانہ ہوئے ہیں - ؎

دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست
تا نہ پنداری کہ تنہا میروی

خدا کرے ہمارے بھائی مع الخیر وطن واپس آئیں -

سکرٹری شپ کے لیے مسٹر محمد سرفراز خاں صاحب اور مسٹر خواجہ عبدالمجید صاحب امیدوار ہیں - مسٹر عامر مصطفےٰ خاں صاحب نے امیدواری سے اپنا نام واپس لے لیا اور مسٹر شوکت علی صاحب اس خدمت کے امیدوار ہوئے ہیں

ہمیں اپنے مضمون نگار بھائیوں سے یہ شکایت ہے کہ انھوں نے رسالہ کے متعلق ہمیں بالکل فراموش فرما دیا ہے، اسیطرح ہمیں یہ شکایت بھی ہے کہ ہمارے بھائی وقتاً فوقتاً اپنے حالات و خیالات سے اطلاع نہیں دیتے کیا ہم اپنے بھائیوں سے امید رکھہ سکتے ہیں کہ وہ ہماری اس التماس کو سنیں گے -

ناظم انسان

قبل ازیں کہ ہم اپنے بھائی مسٹر ایم اے کے آزاد کا مضمون درج کریں یہ مناسب خیال
کرتے ہیں کہ انکے اس خط کا خلاصہ بھی درج کر دیں جو انہوں نے اپنے مضمون کے ساتھ
ہمیں حال ہی میں لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"انگلستان سے واپس آنے کے بعد میں پہلے کی نسبت زیادہ مصروف کار
ہوں، بلکہ انگلستان میں کچھ ایسی کم فرصتی رہی کہ بد اتفاقی سے علیگڈھ کے
کسی طالب علم سے بھی ملاقات نہونے پائی۔ ہاں! صرف ایک جناب
عبدالرحمن صاحب بجنوری سے ایک آدھ گھنٹہ کے لیے ایک سرسری
ملاقات ضرور رہی تھی"

"مینے جس مضمون کے متعلق جناب مسٹر شوکت علی صاحب سے ذکر کیا تھا اسکی سرخی
"ناداں فیلسوف" ہے اور جو مادر کالج کی خیالی زندگی کا ابتدائی خیال ہے۔ اس کا
ایک ناتمام خاکہ مینے انگلستان سے بمبئی واپس آتے ہوئے اثنائے سفر میں لکھ
سکا تھا جو ابتک میری کم فرصتی کے باعث اسی طرح بیرنگ پڑا ہوا ہے۔ میں کسی
فرصت کے وقت اس خاکہ کو مکمل کر کے بہت جلد بھیجدونگا"

"میرے سفر کے حالات کے متعلق جو آپ دریافت کرتے ہیں تو یہ کام
ایک بہت بڑے دیدہ ور سیاح اور نکتہ فہم مورخ کا ہے مجھ سے ایک خیالی
دنیا کے رہنے والے شخص کو ان باتوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ چونکہ بار بار
کے مغربی سفر کے اتفاق پڑنے سے طبیعت کو ان باتوں کی عادت ہو گئی
ہے اور میرے نزدیک یہ بات بھی ایک معمولی سی بات ہو گئی ہے، میں نہیں سمجھ سکتا

کہ ان حالات کو میں کیا لکھہ سکوں گا اور جسے میری طبیعت ایک معمولی بات سمجھے ہوئے ہے اُسے میں دوسروں کی نظر میں کیونکر مفید بنا سکوں گا۔"

"اپنے لکھے ہوئے پرچوں میں ڈہونڈتے ڈہونڈتے اتفاق سے یہ مضمون نکل آیا ہے۔ میں نہیں سمجھہ سکتا کہ یہ کسقدر اور کس حد تک موزوں اور مناسب ہے اسے بہیجے دیتا ہوں۔"

مضمون یہ ہے:-

شہر میرٹھ سے کچھ دور اُس سڑک پر جو اسٹیشن کی طرف جاتی ہے دو نوعمر شخص جن کی وضع قطع سے نئی روشنی کی جہلک دکہائی دیتی تہی آپس میں اسطرح باتیں کر رہے تھے۔

ایک شخص۔ بہائی اختر! تم مجھے یہاں کیوں لے آئے ہو آخر کوئی وجہ بہی بتاؤ گے؟ میری طبیعت کہیں نہیں لگنے کی۔ مجھے وہیں جانے دو۔

اختر۔ اشفاق! تم میری بات بہی مانو گے یا نہیں۔ آؤ۔ چلو اس سطح پتہر پر بیٹھ رہیں۔ تمہارے غم کا بوجہہ اس قدرتی منظر کے دیکھنے سے ہلکا ہوجائیگا اور میں بہی کوشش کرونگا کہ تمہاری طبیعت بہل جائے۔

اشفاق۔ خاک پڑے اس تمہارے قطع زمین پر جو دل بہلانے کا سامان ہوسکتا ہو۔ میری آنکھوں میں دنیا اندہیری ہے۔ میرے ڈر نے میری دلچسپی کی طاقت کو سلب کردیا، میرے قلب نے میرے دماغ کی قوت ممیزہ کو معطل کردیا۔ کہو اسپر بہی تم مجھ سے کچہ کہنا چاہتے ہو۔

اختر۔ مینے مانا کہ تمہارا صدمہ ایک حد تک ناقابل برداشت ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ تمہیں اپنی بیوی سے الفت تہی مگر میرے کہنے کو التجا سمجھو، اپنی حالت اور میری ہمدردی پر رحم کرو اور چند لمحوں کے لیے اس پتہر پر بیٹہہ کر مجہہ سے باتیں کرلو۔

اشفاق۔ بجز اسکے کہ میں وہاں بیٹھ کر اور پریشان ہونگا کچہ نہیں ہوگا۔ میری اس ضد کو

دو انجھو، میری نوبت اور اپنی محبت پر رحم کرو اور مجھے وہیں جاکر اپنا سر پھوڑنے دو

اختر تمہیں پورا حق حاصل ہے کہ اپنے ارادوں کی تکمیل زیبا یا نازیبا طور پر کر لو، میں ہرگز تمہارا سد راہ نہیں ہو سکتا مگر بحیثیت دوست یہ ضرور کہونگا کہ اتنی بات مان لو پرچو

اشفاق تم ٹھیک کہرہے ہو اور مجھے بھی اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے ابتک کوئی کام تمہارے خلاف مرضی نہیں کیا اور نہ کرونگا۔ مگر اب یہ تو دیکھو کہ ہم اس جگہ سے جہاں تم ٹہلنا چاہتے تھے کسقدر دور نکل آئے ہیں۔ اب وہاں تک جانا ایک اور مصیبت ہے۔ اور نہ جانے اس جگہ میں رکھا کیا ہے۔

اختر اچھا تو یہ لو یہ ایک اور بہت بڑا پتھر پڑا ہوا ہے جسپر ہم دونوں بخوبی بیٹھ سکتے ہیں۔ اب اس میں بھی کوئی عذر ہے؟۔

اشفاق خیر! تمہارے اصرار سے میں مجبور ہوں مگر ایک شرط پر ٹھیرونگا کہ جب اور جہاں میرا جی چاہے اٹھکر چلدوں۔

اختر مجھے منظور ہے اور میں یہ بھی کہہ چکا ہوں کہ اپنی ذات پر تمہیں پورا حق حاصل ہے لیکن خدانخواستہ تم کہیں چلے گئے تو تمہارے والد کو میں کیا جواب دونگا۔

اشفاق یہ نہ کہو کسی کا کوئی جواب دار نہیں ہوتا۔ انسان اپنے جذبات کا پتلا ہے، اسکے وعدوں اور ارادوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایک کا اظہار قبل ازارتکاب ہوتا ہے اور دوسرے کا نہیں۔

یہ دونوں چند لمحوں تک اس پتھر پر چپ چاپ بیٹھے رہے پھر اشفاق نے ایک آہ سرد کھینچکر سلسلہ کلام یوں شروع کیا۔

اشفاق اختر! تم میری وحشت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ مجھے خوف ہے کہ میں پاگل ہو جاؤنگا

عرض کیجیے جوہر اندیشہ کی گرمی کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

اختر پر تم نے اس قسم کی باتیں کرنا شروع کیں۔ مجھے سخت تعجب ہو کہ تعلیم یافتہ اور روشن خیال شخص ایسے الفاظ اپنی زبان سے نکال سکتا ہی۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ محض ایک خیال ہی جو تمہیں ستا رہا ہی ورنہ اصل حقیقت کچھہ نہیں۔ میرے کہنے کا بُرا نہ ماننا، کیونکہ اس دنیا کا یہی دستور ہی کہ آج پیدا ہوئے کل ہمیں دفن کرینگے اور کل ہمیں دفن کرنے والے ساغر اجل سے مخمور ہونگے۔

اشفاق تم تو ایسی بگڑی بگڑی باتیں کر رہے ہو جیسے کوئی قدرت کا سفیر اپنے ہموطنوں کی چارہ جوئی کرتا ہو۔ تمہارے خیالات بے حد محدود معلوم ہوتی ہیں؛ اس سے پایا جاتا ہی کہ تم نے ابتک اس مسیح مقتل کو اس نظر سے نہیں دیکھا جیسے کوئی انصاف پسند انسان دیکھتا ہو۔ تم اس حقیقت سے کماحقہ واقف نہیں۔ تمہارے نزدیک اسکے کل حرکات و سکنات جائز اور درست ہیں۔ تم اس کے عیب میں بھی خوبی نکالتے ہو، اس کی پستی میں بھی بہو علویت پاتے ہو، یہاں کی ظلمت نے اپنے بدنما داغوں کو تمہاری کمزور نگاہوں سے چھپالیا، مختصر یہ کہ تم اسکے فریفتہ ہو، گرویدہ ہو، مداح ہو اور نکتہ چین کے سوا سب کچھہ ہو۔

کسی پر جبر کرتا ہی کسی پر ظلم کرتا ہی ۔۔۔ زمانہ ہی کہ ظلم ناروا سے کی مرتا ہی
زمیں پر کانٹے بوتا ہی زمیں پر گل کترتا ہی ۔۔۔ جہاں کے دو نو رُخ وہ اپنی خونریزی سے بھرتا ہی

عدم تک رنگ چھایا ہی اسی کے جور پنہاں کا
کہ ہی ہر قبر خاکہ اک نئے گورِ غریباں کا

اختر پیارے اشفاق! تمہارے پہلے اعتراض کا جواب یہ ہی کہ میں ایک سیدھا سادہ آدمی ہوں میں نے اس دنیا میں امن و امان پھیلانیکا ٹھیکہ لیا ہی نہ اپنے کو اس قابل سمجھتا ہوں کہ اوروں کو راہ راست پر لے آؤں۔ میری ناقص عقل جہانتک کام

کرتی ہے مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرے خیالات بہت ہی مفید و کارآمد ہیں۔ میں اپنے خاندان میں رہکر اُس کی مٹی خراب نہیں کرسکتا۔ میرا فرض ہے کہ میں زمانہ کا ساتھ دوں۔ ساری دنیا مجھ سے یہ امید رکھتی ہے کہ میں یہاں کے خلاف قواعد کوئی کام نہ کروں۔ مجھے ضرور ہے کہ میں ایک حد تک اپنے اسلاف کی تقلید کروں۔ بیشک میں بھلے اور بُرے میں ایک حد امتیاز رکھتا ہوں۔ مجھے یہاں کی ہر ادا نہیں بھاتی مگر اس سے میں کسی طرح گریز نہیں کرسکتا کہ اوروں کی نظروں میں کھٹکوں۔ مجھے اسکے ننکمنوں سے واسطہ رکھنا ہے، یہاں جب تک رہونگا تنازع البقاء اور انتخاب فطری کے عالم گیر اصول کا پابند رہونگا اور جب نہونگا تب اُنسے بری ہونگا۔

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہ کن اسد
سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تھا

اشفاق مجھے اس سے رنج ہوتا ہے کہ تمہاری دلیلیں تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہوتیں۔ جیسے میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ تم نے اب تک فقط اسکا روشن حصہ دیکھا ہے تاریک پہلو کو جا پہنچا تک نہیں۔ تمہارے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ تم ان تمام قوانین کی پابندی محض اسیلیے کرتے ہو کہ تم ہر شخص کو اسکا مطیع دیکھتے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اپنا قیمتی وقت اسکی اصلیت دریافت کرنے میں صرف نہیں کیا کہ انکا موجد کون تھا۔ ان میں کئی ایسے ہیں جو پایہ ترجیح سے گرے ہوے ہیں اور کئی ایسے ہیں جو انسان کی شان کے خلاف ہیں۔

اختر سوا اسکے میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی کہ تم یہاں کے مسلم آئین سے سرتابی کرنا چاہتے ہو مگر تم یہ جانتے ہو کہ صرف دلائل سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ یہاں کے آئین میں زبردست عیوب موجود ہیں۔

تمہیں چاہیے کہ تم اُن واقعات کو پیش کرو جو تمہاری نظروں میں انسان کے ظلم و ستم
کے محرک ہیں۔

اشفاق کیا تم نہیں جانتے کہ آج ہی میرے دل پر ایک تازہ زخم پڑا ہے۔ خیر! اگر یہیں تک
ہوتا تو میں برداشت بھی کر لیتا مگر تم تنگ دل انسانوں نے اپنے چند افعال
سے اس پر نمک چھڑکا اور ایک دبی ہوئی آگ کو مشتعل کر دیا۔

دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینہ کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی اپنے چراغ سے

اختر میں تمہارے آج کے صدمہ پر جسقدر ہمدردی ظاہر کروں کم ہے۔ مگر اسکے معنی یہ نہیں
کہ تمہیں بعید از عقل باتیں کرتے ہوئے سنوں اور اُنکی نسبت اپنی سچی رائے
نہ دوں،

اشفاق تم نے کیا اچھا کیا جو عقل کو مد نظر رکھا۔ لو اب میں تمہیں اُسی دیبی کی سوگند اور تمہارے
اعتراض سے تمہاری تردید کرتا ہوں تم جانتے ہو کہ میری شادی ہوئے یہ چوتھا
مہینہ ہے!۔

اختر ہاں!

اشفاق تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ شادی سے پہلے مجھے کتنی تکلیفیں اٹھانا پڑیں؟

اختر مجھے سب یاد ہے۔

اشفاق تم نے میری بیوی کو بھی دیکھا تھا؟

اختر تمہاری عنایت ہے۔

اشفاق یہ نہ کہو بلکہ تم دونوں کی خواہش کے مطابق۔ خیر یہ میرا جملہ معترضہ تھا مگر تم اُس کی
لیاقت اور قابلیت کی داد دیا کرتے تھے۔

اختر۔ خدا مرحومہ کو غریق رحمت کرے۔

اشفاق میں اُس سے کسقدر محبت کرتا تھا۔

اختر تمہاری محبت پرستش کی حد تک پہونچگئی تھی۔

اشفاق اب تم اسپر بھی مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ جو مظالم اس پر ٹوٹے ہیں اُنکی شکایت نہ کروں۔

اختر مثلاً

اشفاق جسوقت میری پیاری رضیہ (یہ نام لیتے ہوئے میرا کلیجہ منہ کو آتا ہی) بستر مرگ پر ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی اور اپنا رخصتی سلام ہر ایک کو کر رہی تھی اسکے منہ میں جبراً شہد ڈالا گیا اور یہ خبر اڑا دی گئی کہ وہ دنیا سے چل بسی حالانکہ اُسوقت تک سانس برابر جاری تھی، اور فوراً آدمی بھیجا گیا کہ بازار سے کچھ سودا خرید کر لے آئے اور درزی کو بھی بُلا لے تاکہ جسے تم تجہیز تکفین کتے ہو اس کی تیاریاں ہوں۔ جب اُس کی نگاہ واپسیں مجھ پر پڑی مینے بے اختیار ہو کر چاہا تھا کہ ایک آخری بوسہ لیلوں مگر اس سے روکدیا گیا۔ جب طائر روح پرواز کر گیا گویا سارا جوہر اس سے جاتا رہا۔ باہر آکر دیکھتا ہوں کہ وہیں پانچ آدمی صحن میں بیٹھے ہوے ہیں اور بہت سے اور آ رہے ہیں؛ جن میں ایک تم بھی تھے۔ تم نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ ایک شخص کسقدر عجلت اور پھرتی کے ساتھ کپڑا اپاڑ کر (کفن) سی رہا تھا مجھے حیرت تھی کہ اتنی عجلت کس بات کی ہے۔ مگر پھر معلوم ہوا کہ حسب دستور ان چیزوں کو بہت جلد تیار کرنا چاہئے۔

> جس نازنین کے دوش پہ بھاری ردائے گل
> زیب کنار اُس کے کفن واہ صیبتا

اتنی دیر میں بہت سے لوگ اکٹھا ہو گئے اور مولوی عبدالغفور صاحب نے جلد قبرستان چلنے کا تقاضا کیا۔ فوراً ایک چھوٹا لڑکا اندر بھیجا گیا۔ اُس کے واپس

آنے سے پہلے میں اندر گیا تو دیکھتا ہوں کہ مستورات اب تک وہاں سے ہٹیں نہیں تھیں اسلیے میں وہیں رو کا گیا کیونکہ وہ سب پردہ نشین خواتین تھیں اور میں اُنکے نزدیک ایک غیر مرد تھا حتی کہ یہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ میرا محرم راز ان کا رازدار بنگیا۔ آگے بتلاتے ہوئے میرا دم گھٹتا ہے۔ جب مرد اندر گئے تو دفعتاً میری خوشدامن چیخ چیخ کر رونے لگیں اور یہ الفاظ اُنکے منہ سے جاری تھے " نہ لے جاؤ میری پیاری رضیہ کو نہ لے جاؤ، اُسنے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا اور اب بھی تمہیں نہیں ستائیگی اسکا ذمہ میں لیتی ہوں میری اس سعادت مند بیٹی نے کبھی قصور نہیں کیا تھا، پھر اسپر یہ ظلم کیوں کیا جاتا ہے۔ مجھے بھی اسکے ساتھ جلنے دو" اختر! تم خیال کر سکتے ہو کہ ان جملوں میں کسقدر درد اور رقت ہے، گویا ہر لفظ سے لہو ٹپکتا ہے۔ پھر بھی بیچاری ہمارے یہاں کی عورتیں مردوں کے کچھ حساب میں نہیں۔ بھیڑ اور بکری کی طرح زندگی بسر کروانا مرد اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں، عقل کو بدنام کر کے طاقت سے کام لیتے ہیں انسان بن کے وحشیونکا شیوہ اختیار کر لیتے ہیں، پرند و درند اور باقی تمام کائنات جن تحائف و برکات سے اپنی نصف آبادی کو محروم نہیں رکھتے وہ انسان ایسے وتیرے اختیار کرتا ہے خیر! یہ امر میرے نفس کلام سے کسقدر خارج ہے، میں اسکے متعلق آیندہ کسی گفتگو میں اپنا خیال ظاہر کرونگا۔ اب سنو جب یہ سب مرد اندر پہونچے تو اُس خاموش اور بے زبان پیکر کو ہاتھوں ہاتھ اُٹھالیا اور جنازے میں رکھا۔ وہاں سے چلے تو وہ چال بھی ستم سے خالی نہ تھی! رفتار اسقدر تیز کہ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اُسے تنگ آکر جوں توں قبرستان پہونچانا چاہتے تھے۔ بصد دقت وہاں پہونچے، جہاں اُس بیچاری پر ایک اور عذاب کا پہاڑ توڑا گیا! یعنی اُسے اُتار کر ایک گڑھے میں لٹایا۔ سب ظالموں نے ملکر اُسپر مٹی ڈالنا شروع کی اور

مجھ سے بھی باوا جان نے کہا، مگر مینے اُنکے حکم کی تعمیل نہ کی - مجھے اس سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ بہت خفا ہوئے جسکا مجھے افسوس ہی - غرض آناً فاناً وہ گڑھا مٹی سے بھر دیا گیا اور وہ نازنین جو کبھی اپنا سر ریشم کے تکیوں پر رکھتی تھی زمین کا نوالہ ہو گئی -

ے مجھکو یہ تعجب سوئیں گے پاؤں پھیلا
یہ رنگ گورے گورے کیونکر کفن کے اندر

اختر! اب بتاؤ تم نے یہ کل کیفیات بچشم خود دیکھیں یا نہیں اور میں اپنے دعوے میں سچا ہوں یا جھوٹا - یاد رکھو تم نے عقل کا واسطہ دیا ہی -

اختر (جو اِن دردانگیز جملوں سے متاثر ہو چکا تھا اور آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں) تمہارا کہنا بہت درست ہی، تمہارے بیان میں مطلق مبالغہ نہیں، تمہاری دلیلیں معقول ہیں مگر یہ تو بتاؤ کہ ایک خوبصورت پھول مرجھا جاتا ہی تو وہ کس کام آتا ہے؟

اشفاق اسے بے وفا پھینک دیتے ہیں -

اختر جب یہ حالت دنیا میں ہر شئے کی ہی تو ہم اس سے کیونکر بری ہو سکتے ہیں؟

اشفاق پھر میرا رونا کس بات کا ہی!

اختر اس کا علاج یہی ہی کہ انسان خود اپنا معالج بنے -

اشفاق مجھے تعجب ہی کہ تم ایک ذی روح کو غیر ذی روح سے تشبیہ دیتے ہو -

اختر ایک روح کے نہونے سے دونوں کی حالت یکساں ہی -

اشفاق اختر! اختر!! یہ تم کیا کہہ رہے ہو - اُسی کو خاک میں ملانے کو کہتے ہو جس (مظلوم بیکس) پر دو گھڑی پہلے ایک نعیر مری چیز کے ہونیسے دنیا کے ظاہر پرست اپنی جانیں نثار کرتے تھے - اب اُسی کے نہونے سے اسپر سب ظلم و ستم روا رکھیں - اگر اس ظلمت کدہ کا یہی حال ہی تو لو پھر ہمارا بھی اسے سلام ہی -

حتر تمہیں اختیار کامل ہے، تم جو چاہو کر سکتے ہو مگر ایک آخری تردید یہ ہے کہ تمہارے رسوم و قیود نہیں کیا سکھاتے ہیں۔

نفاق رسوم و قیود جیسی اور چیزیں انسان کی بنائی ہوئی ہیں ویسی ایک یہ بھی ہے۔ کیا اچھا ہوتا جو تم وعدے پر قائم رہتے۔ تم نے مجھے عقل کا واسطہ دیا تھا نہ نقل کا۔ بس یہ سب :۔

خموشی نے اپنا تسلط جمایا۔ بیچارہ اختران رسم سوز اور قیود شکن الفاظ پر خاموش رہا اور کچھ جواب نہ دے سکا۔ اور اب یہ دونوں شہر کی طرف جاتے ہوئے دکھائی دیئے۔

از "آزاد"
بمبئی

ہمیں یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی ہے کہ ہمارے اخی محترم مولوی محمد حسن خانصاحب پوسٹ ماسٹر بنارس جو کچھ عرصہ سے چھاونی کے صدر ڈاکخانہ میں اس خدمت کو منصرمانہ اور افرمارہے تھے اب اسی ڈاکخانہ میں مستقل ہو گئے ہیں۔ ہمارے بھائی نہایت محنتی اور حاکم و محکوم دونوں کے خیر طلب ہیں اور ہم نے اپنی آنکھوں سے اُنکا کام دیکھا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ سرکار اُنکے ان خدمات کا کافی صلہ دیگی۔ مسٹر محمد حسن خاں صاحب مادر کالج کے اولین طالب علموں میں سے ہیں۔ ہم اپنے بھائی کو مبارکباد دیتے ہیں۔

بعیتہ اولڈ بوائز

یہ خبر ہمارے اور ہمارے بہائیوں کے لیے نہایت رنج دہ ہی کہ ہمارے دفتر کامریڈ (کلکتہ) سے مبلغ چہ سو ستر روپیہ نقد اور مختلف رقموں کے چہہ چک چوری گئے۔ اسوقت تک چوروں کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ ہمیں اپنے بہائی مسٹر محمد علی سے اس نقصان میں ہمدردی ہی اور خداوند کریم سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس رقم کی تلافی فرمائے۔

دررشاہوار	حیات انیس	ایشیائی شاعری	اسرار رنگون	کرشن کمونہ
عہ	۷ر	عہ	عہ	۱۲ر
الشانی	**چاہات آبپاشی**	**سیاحت امیر**	**ہادی اسلام**	**رنج و راحت**
عہ	۱۲ر	عہ ۱۲ر	عہ	۸ر

یہ کتابیں منیجر اولڈ بوائے بنارس چھاونی سے مل سکتی ہیں۔

اولڈبوا

اولڈ بوائے

نمبر ۵ | بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۱ عیسوی | جلد ۱

ایڈیٹر ابو حامد عترت حسین بی اے علیگ

فہرست مضامین

حسب ایما معبد العلیم صاحب میونسپل کمشنر بنارس باہتمام سید غلام حسین منیجر قادری پریس مین چھپا

اولڈبوائے

"اِس ماہواری رسالہ کے خاص مقاصد یہ ہین"

۱ جملہ سابق طلبا مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علیگڈہ کے دلون مین انکے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا اُسکے حالات سے اُنکو باخبر کرنا اور اسکی ترقی کیلیے ہرطرح کوشان رہنا

۲ اولڈبوائز مین رشتۂ اخوت قایم رکھنا اور اسکو ترقی دینا اور ایکے حالات سے ایکدوسری کو آگاہ کرتے رہنا

۳ اُولڈبوائز ایسوسی ایشن اور کالج کی مالی مدد کے لیے سابق طلبا کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادر مہربان کے خدمت گذار دنیمن خود اسکے فرزندونکے خدمات کافی اور تسلی بخش ہون۔

۴ جملہ اولڈبوائز کو عام مسلمانون کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا تاکہ وہ قومی خدمات میں معتد بہ حصہ لے کر اس احسان کا تھوڑا ابدلہ کرسکین جو قوم نے ہمارے کالج کے قایم کرنے سے کیا۔

حسب ذیل قواعد پابندی کی درخواست کیجاتی ہی

جملہ خط وکتابت دربارہ ترسیل زر وتبدیل پتہ مینیجر اولڈبوائے بنارس ہونی چاہیے مضامین ودیگر مراسلات بنام اسسٹنٹ اڈیٹر اولڈبوائے آنا چاہیے اسی طرح ریو کے لیے کتابین اور تبادلہ کے لیے اخبارات ورسائل بھی۔

منتظمان اولڈبوائے ہروقت مفید مشورہ ورفع شکایات کے لیے تیار رہین اور شکرگذاری کیساتھ اُن پر پوری توجہ کرین گے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر ومینیجر اولڈبوائے

اولڈ بوائز

ہماری امنگیں

آجکل عام شکایت ہی کہ ہم میں اب پہلی سی امنگ، جوش اور ولولے باقی نہیں۔ اس زمانہ کی نئی پود جس کی فراخ حوصلگی، بلند نظری اور اولو العزمی پر ہماری آئندہ قسمت کا فیصلہ ہی اس افسوس ناک کمی کو محسوس کر رہی ہی اور اپنے پیشرؤن کی امنگ اور ولولوں پر رشک آمیز نگاہ ڈالتی ہی ہم خود نہایت تاسف کے ساتھ اس بات کو بدیہی طور سے دیکھتے ہیں کہ ہمارے جذبات و خیالات جو پہلے تھے وہ اب کچھ گھٹتے جاتے ہیں اور یہ ایک ایسا خطرہ ہی جس کا حفظ ما تقدم لازمی اور پر ضرور ہی یہ بات بخوبی ذہن نشین ہونی چاہئے کہ وہ عظیم الشان خیالات کا انقلاب جو علیگڈہ کی تحریک کے نام سے موسوم ہی اُس میں جو عنصر سب سے زیادہ غالب ہی وہ یہی اُمنگ اور جوش ہی جس کا اثر ہمارے ہر طریق عمل اور ہماری زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں ہی۔ سچ تو یہ ہی کہ اولڈ بوائز کی جتنی انوکھی اور نرالی ادائیں ہیں وہ سب اسی کے طفیل ہیں اور یہی ہماری عملی زندگی کی روح رواں ہی۔ ڈیوٹی۔ ون روپی فنڈ۔ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن آئے دن کے ڈیپوٹیشن وغیرہ جن پر ہماری آئندہ ترقی کا دار و مدار ہی یہ سب ہماری امنگون کے ہی نتیجے ہیں اور جو روح ہم میں سر سید نے پھونکی ہی اُسی کے یہ ادنے کرشمے ہیں۔ حقیقت یہ ہی کہ ہماری تمام کامیابی کا راز اسی ایک چیز میں مخفی ہی اور اگر یہ نہیں تو ہم نہیں۔

ہماری تمام امنگیں اور حوصلہ انگیز امیدیں کالج ہی کے احاطہ کے اندر پیدا ہوئیں اور وہی ہمارے اُن شاندار خوابون کا گہوارہ تھا جن کی تعبیر بہت کچھ صحیح نکلی۔ وہیں کے کھیل کود مذاق، دوستی۔ لڑائی اور آزادانہ زندگی نے ہمارے اخلاق طرز و روش پر ایک ایسی دائمی مہر لگائی ہی جس کا اثر کبھی زایل نہیں ہو سکتا۔ ہماری اخلاقی جرأت، ہمت مستعدی، دیانت، پابندی اصول، باہمی الفت، خود داری، آداب شناسی غرضکہ جملہ خصوصیات جن کے لئے ہم پر دوسرون کی نگاہیں پڑتی ہیں اُن کا تخم اُسی خاک پاک میں بویا گیا اور وہیں اُنکی نشو و نما ہوئی۔

جب ہم انکے اسباب پر غور کرتے ہین تو ہم کو صرف دو باتین ایسی نظر آتی ہین ایک تو سرسید کی ذات اور دوسرے مسٹر بیک اور اُن کے زمانہ کے پروفیسر صاحبان کی تعلیم و ترتیب اور اُن کا برتاو -

سرسید کے بارہ میں زیادہ لکھنے کی ضرورت نہین ہے - اُن کی ذات ایک عظیم الشان مقناطیسی قوت تھی جو ہمارے دماغون کو خود بخود روشن اور منور کرتی تھی اور ہمارے دلون میں قومی احساس کی ایسی روح پھونکتی تھی جس سے ہر قسم کی ہمت استقلال، قومی جوش اور ولولہ پیدا ہوجاتا تھا - وہ اپنی قوم کے بچون میں جن کے وہ امین تھے بلند خیالی وقار اور قومی محبت پیدا کرتے تھے اور انھین کے دوش بدوش مسٹر بیک اور اُنکے معاصرین مسٹر ارنلڈ اور مسٹر موریسن کی سعی و کوشش بھی تھین - جن کے شفقت آمیز برتاؤ اور سلوک کی نظیر نہین ملسکتی حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ انسان نہین تھے بلکہ فرشتے تھے جو قالب انسانی میں ہماری مُردہ قوم کو زندہ کرنے کے لیئے بھیجے گئے تھے - اُن کے دلون پر یہ بات نقش کالحجر تھی کہ گو مسلمان درماندہ اور شکستہ حال ہین لیکن کبھی پہلے وہ ایک بڑی قوم تھے اور ان میں اپنے اسلاف کی خوبیان بقیہ کچھ اب بھی موجود ہین، یہ اُنھین کا کام تھا کہ ایسے زمانہ میں جبکہ ہر چہار طرف ہم پر افسردگی اور پژمردگی چھائی ہوئی تھی - اُنھون نے ہمارے جوش اور ولولون کو اُبھارا اور ایک ایسی قومی امنگ پیدا کردی جس نے قوم کے جسم میں از سر نو جان پیدا کردی -

مسٹر بیک اور اُن کے معاصرین کے زمانہ کے واقعات اگر بیان کیئے جائین تو وہ کہانی اور قصے معلوم ہون گے - تمثیلاً چند واقعات بیان کیئے جاتے ہین - جن سے اس کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ اُس زمانہ میں ہم کیا چیز سمجھے جاتے تھے اور کس طرح ہم میں قومی شان - علو ہمتی اور امنگ پیدا کیجاتی تھی -

ہمارے دو دوستون کے درمیان جن میں سے ایک حیدر آباد میں فوجی افسر ہین اور دوسرے کسی ضلع میں میونسپل سکرٹری ہین باتون باتون میں لاٹھی چل گئی اور ہمارے

آخرالذکر دوست کو سخت چوٹ آئی لیکن یہ معاملہ وہین کا وہین رہا۔ لڑکون کے سوا اور کسی کو خبر نہین ہوئی۔ دو تین دنون کے بعد ہمارے مضروب دوست نے اس کا سخت انتقام لیا اور ہمارے فوجی دوست کو جبکہ وہ سو رہے تھے اس زور سے لاٹھی ماری کہ اُن کا سر پھٹ گیا۔ جب اس واقعہ کی خبر مسٹر بیک کو ہوئی تو انھون نے اس بزدلانہ حرکت پر سخت افسوس ظاہر کیا اور کہا کہ ایسا فعل تم لوگون کی قومی شرافت اور عزت کے خلاف ہی۔ اگر تم لوگون کو کسی قسم کا ملال آپسمین پیدا ہو تو اس کا فیصلہ ڈوایل ( ) کے طریقے سے کر لیا کرو۔ میں خود حکم بنون گا۔

مسٹر بیک کی ہمیشہ دلی آرزو رہی کہ کالج کے لڑکے دوسرے کالج والون سے فایق اور ممتاز رہین۔ کنووکیشن کے زمانہ مین وہ الہ آباد دو تین دن پہلے سے آجاتے تھے اور بطریق قواعد سب لوگون کو یہ سکھاتے تھے کہ چانسلر صاحب کے سامنے یون کھڑے ہونا۔ یون سند لینے کے لیے ہاتھ بڑھانا اور یون واپس آنا۔ یہ ایک چھوٹی سی بات تھی لیکن اس کا جو اثر حاضرین پر ہوتا تھا وہ سب کو معلوم ہی۔

ایک دن مین کالج کے ہال کے سامنے کھڑا تھا۔ بیک صاحب اُس طرف سے گذرے اور میرے بوٹ کی طرف گھورتے ہوئے چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے اور میرے بوٹ کی طرف اشارہ کر کے Does it not look nice dear (کیا یہ تمکو بُرا نہین معلوم ہوتا) میں نے جو دیکھا تو بوٹ تو صاف تھا مگر اُسکے فیتے کچھ میلے ہو گئے تھے۔

مسٹر بیک کے زمانہ مین لڑکونکی دلجوئی اور ہمت افزائی فرض عین سمجھی جاتی تھی آئے دن چاے کی دعوتین ہوتی تھین اور مسز بیک جس شفقت اور محبت سے حصہ لیتی تھین وہ کسی کو بھول نہین سکتی۔ تیمارداری ایسی ہوتی تھی کہ تندرست لڑکون کو رشک ہوتا تھا وہ کیون نہ بیمار پڑے۔ پرہیزی کھانے اکثر مسز آرنلڈ اور مسز موریسن بھیجا کرتے تھے۔ میرے ایک پنجابی دوست شیخ عبداللہ صاحب بیمار پڑے۔ اُن کا

پرہیزی کھانا ارنلڈ صاحب کے ذمہ تھا۔ ایک دن بیرے نے ذری سی دیر کر دی تو صاحب موصوف اُن کا کھانا اپنے ہاتھوں سے پہونچا گئے۔ بیماری کی وجہ سے مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہی۔ اور جب ہمارے دوست کھانے سے مونھ پھیر لیتے تھے تو مسٹر ارنلڈ ماؤں کی طرح سے پھسلا پھسلا کر کھلاتے تھے۔

اُسی زمانہ میں ایک اور پنجابی طالب العلم کو نمونیا ہو گیا مسز بیک نے اُن کی تیمار داری اپنے ذمہ لے لی اور تین شبانہ روز تک اُن کے پاس سے الگ نہین ہوئین وہ اپنے ہاتھوں سے اُن کا سینہ سید ھتی تھین اور جب بالکل سکرات کا عالم ہوا اور کچھ امید باقی نہ رہی تو نہایت رنج وغم کے ساتھ اُٹھین اور ٹھنڈی سانس لیتی ہوئی چلی گئین۔ اُن کے جانے کے بعد ہی ہمارے دوست نے اس دار فانی سے کوچ کیا۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اُنکے جنازہ میں مسٹر بیک وغیرہ سب شریک تھے۔

یہ چند واقعات جو اوپر درج کئے گئے ہین وہ مشتے نمونہ از خروارے ہین۔ مسٹر بیک۔ مسٹر ارنلڈ اور مسٹر موریسن کی مبارک تثلیث ہمارے لیے باران رحمت تھی وہ لوگ خود کالج کے فدائی تھے اور ہر شخص کو اُس کا فدائی بنانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ وہ خود اپنی قوم کے اعلیٰ نمونہ تھے اور ہم لوگوں کو اُسی نمونہ کا بنانا چاہتے تھے۔ وہ ہم میں وقار۔ خودداری۔ قومی جوش۔ ولولے اور عملی کام کی امنگ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ وہ حقیقت میں ہمارے قومی نباض تھے۔ جیسی انھون نے ہماری قومی مزاج کی تشخیص کی تھی ویسی آجتک کسی نے نہین کی۔ جو لوگ ہمارے اس قسم کے جذبات سے گھبراتے ہین اور اُن کو دبانا چاہتے ہین وہ بہت بڑی غلطی کر ہین۔ ہمارے قومی زندگی کے یہی چشمہ حیات ہین اور ان کا روکنا قوم کے لیے یقینی پیام موت ہی؛؛

اڈیٹر

کالج کرکٹ کی تاریخ

نمبر ۲

مراد آباد کی میچ کے کچھ ہی دن بعد کچھڑی کھانے والے تو ولایت کو چلے گئے مگر اول ہی میچ میں کامیابی حاصل ہونے سے کھیلنے والوں کے دل بڑھ گئے اور سید محمود مرحوم اور اسٹاف کے دل میں بھی خیال پیدا ہوا کہ اس مردانہ کھیل کی طرف عام رغبت ہونی چاہیے اور جیسی کامیابی تعلیم میں تھی کہ انٹرنس کے امتحان میں جتنے طلبا شریک ہوئے سب پاس ہوگئے ویسی ہی کامیابی کھیل کے میدان میں بھی ہونا چاہیئے - پھر کیا تھا۔ کرکٹ کی فیس عام ہوگئی اور مثل بورڈنگ ہوس اور تعلیم کی فیس کے وصول ہونے لگی اور زیادہ تر بورڈران کو اس کا شوق ہوگیا اور وہ شوق اس درجہ بڑھا کہ جسکی کچھ حد نہیں - مسٹر شوکت نے پہلے پرچے میں میرے خاص دوست عنایت اللہ کو کھیلنڈروں کی فہرست میں شامل کرکے میری دانست میں کھیلنڈروں کی ایک درجہ تک توہین کی ہے - عنایت اللہ بیچارہ کہ جسکو ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ ہائین کا عادحصہ کھا کر کیون کر ہضم کر لیتے ہین اور جو بیچارہ شروع ہی میں بجائے چائے کے کوکو پیا کرتا تھا کہ کچھ طاقت آدے وہ کھیلنڈرہ کیسے ہوا - ہان اب اگر وہ کھیلنڈرے ہوگئے ہون تو کچھ تعجب نہین کیونکہ خود انکے خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہینہ ختم ہونے کے قبل اپنی تنخواہ کھا ڈالتے ہین - کرکٹ کے شوق کے متعلق میں آپ کو بتاتا ہون کہ شروع زمانہ میں کیسے کھیلنڈرے تھے ' میان نصیر دہلوی جو ایسے وقت میں کھیلتے تھے جب چھینکتے ناک کاٹی جاتی تھی - یعنی یہ وہ زمانہ تھا کہ جب مولوی مشتاق حسین صاحب قبلہ نے بورڈنگ ہوس کے طلبا کی نگرانی اپنے ذمہ لی تھی اور خود بورڈنگ ہوس میں اسکول کے متصل جو بنگلہ ہے اُس میں تشریف رکھتے تھے ۔ علاوہ کھیل کے وقت کے اور وقت کھیل کی ممانعت تھی - میان نصیر روز صبح کو اٹھکر اپنے پورلنے کپڑون کی چار پانچ گیندین بناتے اور باورچی خانہ میں جاکر چار پانچ چیلے جو بطور بیٹ کے ہاتھ میں آسکین لے آتے دس بجے سکول مین حاضری دیتے

اور دوسرے ہی گھنٹہ میں۔ عموماً ماسٹر بخت اور لعل صاحب کے گھنٹہ میں نہایت ادب سے
ذرا دیر کے لیے باہر جانے کی اجازت حاصل کرکے اور اپنے کسی کلاس فیلو کو یا اینٹر سے
نیچے کلاس والے کو ساتھ لے کر سیدھے اپنے کمرہ پر پہونچتے جو کہانے کے قریب والے
بنگلہ میں تھا اور جو سامان صبح کو تیار ہوا تھا اُس سے کرکٹ شروع ہوتا ذرا دیر میں "ول
ہٹ" کا نعرہ بلند ہوتا۔ میاں نصیر کی آواز بہت بلند تھی اور وجیہ آدمی تھے چنانچہ
اس قابلیت کی وجہ سے وہ ایک تھیٹر میں جو نہایت پوشیدہ طور پر کیا گیا تھا راجہ اندر
بنائے گئے تھے مگر افسوس تھیٹر ختم ہونے نہ پایا تھا اور راجہ اندر زمرد پری کو بلا رہے
تھے کہ بورڈروں کی حرکات کے سچے محافظ تشریف لے آئے۔ خیر یہ جملہ معترضہ میاں
نصیر کی آواز کی تعریف میں تھا اور اس کا لکھدینا اس غرض سے ضروری تھا کہ جب "وہ ول
ہٹ" کہتے تھے تو مولوی صاحب قبلہ کو فوراً خبر ہو جاتی کہ خلاف وقت اور احکام
بورڈنگ ہوس میں کھیل ہو رہا ہے چنانچہ وہ فوراً اختطاوار کی تلاش میں جاتے اور جب
میاں نصیر کے بنگلہ کے پاس پہونچتے تو یہ سین دکھائی دیتا۔ میاں نصیر لکڑی کا چیلا
اپنے بدن کی آڑ میں چھپائے کھڑے ہیں اور گیند پھینکنے والا الگ سہما کھڑا ہے (مولوی صاحب
قبلہ) السلام علیکم (میاں نصیر) وعلیکم السلام جناب مولوی صاحب قبلہ (مولوی صاحب
قبلہ) آپ کیا کر رہے تھے (میاں نصیر) جی کچھ نہیں (مولوی صاحب قبلہ) لائیے
بیٹ اور گیند۔ میاں نصیر چپکے سے لکڑی کا چیلا حوالہ کرتے اور گیند اُٹھا دیتے۔ مولوی
صاحب قبلہ ان چیزوں کو لے جاکر اپنے بنگلہ کے ایک خالی غسل خانہ میں جو اسی قسم
منضبطہ کھیل کی چیزوں کے لیے تھا داخل کرتے اور میاں نصیر گردن جھکائے اسکول کو
سیدھے چلے جاتے مگر وہاں اس انتظار میں رہتے کہ جب گھنٹہ بدلے تب کلاس میں جاؤں
تاکہ ماسٹر صاحب کو یہ پوچھنے کا موقعہ نہ ملے کہ تم کہاں تھے۔ دوسرے روز پھر یہی سین
ہوتا۔ یہ تھے کھیلنڈرے بلکہ یوں کہئے کہ کھیلنڈروں کے پادشاہ۔ یہ میاں نصیر کا قصہ
میں نے صرف اس خیال سے لکھا ہے کہ پڑھنے والوں کو اسباب کا اندازہ ہو سکے کہ

کرکیٹ میں کمال حاصل کرنے کا شوق اُس زمانہ میں کس درجہ بڑھا ہوا تھا۔ جن کو الیون میں منتخب ہونے کی خواہش تھی وہ چلتے چلتے کرکیٹ کھیلا کرتے تھے۔ میاں نظیر بیگ بولردن کو ایک ایک دن میں پانچ پانچ روپیہ کی قلفیاں کھلا دیتے تھے اور اس میں وارث کریم ہمیشہ نفع میں رہتے تھے، اُسوقت فیشن کا استدر زور نہ تھا کہ جبتک ولکٹ کے پیچھے جال تنا ہو اور پچ بالکل ٹھیک نہ ہو کھیل ہی نہ ہوسکے۔ پکّی بارک کے سامنے اُسکے پیچھے اسکول کے راستہ میں لکڑی سے ڈنڈے سے پلنگ کے ٹوٹے ہوئے سیرے سے کرکیٹ کی مشق ہوتی تھی اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۸۴ء میں جو پنجاب ٹور ہوا اور اُس میں میرٹھ جالندھر، امرتسر اور لاہور میں جہان کرکیٹ کا بڑا زور شور تھا وہ کامیابیاں حاصل ہوئیں کہ تمام ہندوستان میں نام ہوگیا اور دراصل اُسی وقت سے علیگڈہ کالج کی ٹیم مشہور ہوئی اور دور دور کے یورپین حکام علیگڑہ کے طلبا کو ایک خاص محبت کی نگاہ سے جو اسپورٹس مین میں ہوتی ہی دیکھنے لگے چونکہ پنجاب ٹور کا ذکر آگیا ہے لہذا مجھکو یہ بھی لکھنا پڑا کہ اس کے لیے کیا کیا تیاریاں کرنا پڑین۔ موسم سرما میں چند مہینہ باقی تھے کہ سید مرحوم سے پنجاب ٹور کی اجازت مانگنے کے لئے ہم چند طلبا بطور ایک ڈیپوٹیشن کے حاضر ہوئے۔ انہون نے فرمایا کہ میں اجازت دیتا ہون مگر مار کر نہ آنا۔ اُسی سال ہمارے عزیز پرنسپل مسٹر بیک مرحوم بھی کالج مین تشریف لائے تھے اور اُن کو بھی اِس ٹور میں ہم لوگون کے ساتھ جانے کا بے حد شوق تھا۔ اجازت مل جانے کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ الیون میں سے کم سے کم دو شخص ایسے ہون کہ جو بولردن کو تھکا سکین۔ ایکدو فری ہٹر ہونے چاہیین کہ جو فیلڈ کو تتر بتر کر دین اور باقی مستقل مزاجی سے کھیلنے والے ہون جو وقت کی رنگت دیکھکر کام کرین۔ چنانچہ مسٹر محمد احمد مرحوم اور میان فصیح اِس کام کے لیے سکھائے گئے کہ وہ بولردن کو تھکا دین مسٹر محمد احمد مرحوم چونکہ ذرا دوہرے جسم کے تھے اُن کا نام مڈوال (مٹی کی دیوار) اور میان فصیح جو اکہرے جسم کے تھے اُن کا نام سٹون وال (پتھر کی دیوار)

رکھا گیا۔ اِن دونون صاحبون کو یہ ہدایت تھی کہ ہٹ کرنے کا خیال نہ کرو کیسی ہی گیند ہو بلاک کرو جو وائڈ بال ہوائس کو جانے دو۔ صبح شام بلا ناغہ اُن کو ایک ایک گھنٹہ مشق کرائی جاتی تھی، انڈر ہنڈ، اور ہنڈ یا اوور ہنڈ کے علاوہ اُنکی طرف گیند نہایت زور سے پھینکی جاتی تھی اور یہ اسکورُ دکتے تھے بولرون مین ایک نہایت پیارا دوست سید محمود علی مرحوم (مسٹر محمد علی جج کے چھوٹے بھائی) احمد حسین صاحب کپتان۔ راقم اور میان نظیر بیگ تھے محمود علی مرحوم بائین ہاتھ سے بالنگ کرتے تھے اور اُن کا پیچ ایسا ہوتا تھا کہ مشکل سے سمجھ مین آتا تھا۔ کھیلنے والے کی نگاہ اکثر خطا کر جاتی تھی اور ڈیمن بالر کا خطاب جو بعدہٗ اور لوگون کو ملا پہلے پہل مسٹر ملک صاحب بہادر کلکٹر ضلع نے محمود علی مرحوم کو دیا تھا۔ بلکہ صحت ن دونوں میں ہمارے ہر دلعزیز پنڈت رامان شنکر صاحب (جنکا مضمون اولڈ بوائے کے پہلے پرچے مین چھپ چکا ہے اور جنکی تعریف اِس سلسلہ کے نمبر مین ہو چکی ہے) کے برابر تھے اور بڑے ہنر تھے مگر محمود علی مرحوم کی گیند میں اُن کا بس نہ چلتا تھا اور دو تین گیند مین آوٹ ہو جاتے تھے، پنجاب جانے سے دو مہینہ قبل ہم لوگون نے اسٹیشن کلب یعنی علیگڈہ کے سیولینس سے درخواست کی کہ وہ ہم سے ایک ٹسٹ میچ کھیلین انہون نے اسبات کو منظور کر لیا اور قریب قریب کے اضلاع سے مشہور مشہور کرکٹ پلیرس مثل مسٹر شیریڈن صاحب۔ مسٹر مارشل صاحب اور مسٹر نیدرسول صاحب کو بلا کر ایک ٹیم بنائی اور ایک میچ کالج خلاف ورلڈ ہوا۔ ہم لوگ ٹاس جیت گئے اور مسٹر محمد احمد اور میان فصیح پہلے بھیجے گئے دن بھر کھیل ہوا صرف پندرہ رن ہوئے اور کوئی آوٹ نہین ہوا دوسرے دن قریب چار گھنٹہ کے کھیل ہوا اور نو یا دس رن ہوئے مگر دونون دیوارین کھڑی رہین سیولین صاحبان بہت جھنجھلائے اور کہا کہ یہ کوئی کھیل نہین ہے اور میچ ختم ہو گیا مگر ہم لوگونکو اِس بات کا اندازہ ہو گیا کہ غالباً ہم لوگ پنجاب سے لوٹ کر سید سے کہ سکین گر ہم نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور بات رکھ لی۔ اِس میچ کے ایک مہینہ بعد ہم لوگ پنجاب ٹور پر روانہ ہو گئے۔ قبل اِس کے کہ مین ٹور کا حال لکھون مجھکو مسٹر سعید محمد خان کا مضمون

یاد آگیا جو اولڈ بوائے نمبر میں میں نے کل ہی پڑھا تھا اس لئے تیاری کے متعلق اس مضمون میں کچھ اور بڑھانا پڑا۔ ٹور پر روانہ ہونے سے قبل یہ رائے قرار پائی کہ الیون کے ہر ایک ممبر کے پاس کم سے کم دو فلالین کی پتلونیں ہونا چاہئیں اور وہ ایسی ہون کہ بتنیجے سے بکسوا کھینچ دینے پر یہ معلوم ہو کہ کوئی کچھ باندھے لیے جاتا ہے اور ہر ایک ممبر کو روزانہ شیو کرنا یعنی ڈاڑھی منڈوانا چاہئے یہ معاملہ ایک اہم مسئلہ تھا اولڈ بوائے کے پڑھنے والے (صاحبون) سید مرحوم ہمیشہ ایسے ہی خطاب کرتے تھے) آپ کو اس سے اندازہ ہوگا کہ بچپن کی تعلیم کا اثر بچہ پر کیا ہوتا ہے۔ مسٹر محمد احمد مرحوم نے جنکے اتفاق سے نہایت کم سنی مین ڈاڑہی نکل آئی تھی اور جن کی تربیت خاص جناب مولوی صاحب قبلہ کی نگرانی میں ہوئی تھی (غالباً ٹوٹے فیصدی اولڈ بوائز کو معلوم نہ ہوگا کہ مسٹر محمد احمد مرحوم ہمارے ہر دلعزیز نواب وقار الملک کے لخت جگر تھے) انھوں نے ڈاڑھی منڈوانے سے انکار کیا۔ میں نے اور میاں وجیہ نے اُنکی لاکھ لاکھ خوشامدین کین پاؤں تک پکڑے مگر انہون نے ہرگز اس بات کو قبول نہ کیا کہ انکی ڈاڑھی مونڈی جائے۔ حالاں کہ میں نے انھیں یقین دلایا کہ اس کام کو مین خود انجام دونگا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹور میں دس بے ڈاڑھی کے تھے اور ایک مع ریش۔ کچھ عرصہ بعد میرا پیارا دوست مع داڑھی کے ولایت گیا اور دو مہینے کے اندر میرے پاس ایک تصویر آئی جسکو میں نہایت احتیاط سے رکھتا ہون۔ تشبیہ میرے دوست کی تھی مگر داڑھی ندارد اس کے بعد وہ خط پڑھا جو تصویر کے ساتھ آیا تھا۔ اُس میں لکھا تھا کہ ولایت مین داڑھی شہدے لوگ رکھتے ہین لہذا میں نے منڈوا دی۔ میں اُس وقت اکثر اُن کی اور اُسوقت کے پرنس آف ویلز کی تصویر کو دیکھا کرتا تہا۔

مسٹر رفیق کے ولایت چلے جانے کے بعد خواجہ سجاد حسین صاحب پانی پتی کپتان ہوئے اُن کو کرکٹ سے بہت شوق تہا مگر بیچارے کچھ کمزور سے آدمی تھے اب بھی ویسے ہی ہین۔ اور بلاک اس قسم کا کرتے ہین کہ گیند بلے کے پاس ہی رہجائے۔ اُنکے

زمانہ کپتانی مین دو تین میچین ہوئین اور اُن میں بھی کامیابی حاصل ہوئی۔ اُن کے بعد
یعقوب شاہ خان صاحب رامپوری جوان قد میں چھ فٹ لانبے تن و توش کے
اچھے، ڈنڈ اور مگدر کے مشاق قوت بازو کی قابلیت پر کپتان منتخب ہوئے۔
انکے سب کام زور سے ہوتے تھے۔ گیند کے کیچ کرنے میں لوگ گیند کے ہاتھ میں
آتے ہی ہاتھ کو پیچھے کھینچتے ہین کہ چوٹ بھی نہ لگے اور گیند ہاتھ میں رہجائے مگر ہمارے
کپتان صاحب ہمیشہ ہاتھون کو گیند کی رفتار کے خلاف ڈھکیلا کرتے تھے۔ انڈر ہینڈ
بالنگ اس زور کی ہوتی تھی کہ قریب قریب ہمیشہ جب اسٹمپ کے درمیانی حصہ پر پڑتی تھی تو اسکی
دو ٹکڑے ہو جاتے تھے جب کوئی بلا کر اڑ جاتا تھا تو گیند خود لے لیتے اور کہتے کہ "بلا تو ڑ
کر آدٹ کر دونگا"۔ اُن کی گیندین لوگ آنکھ بند کر کے کھیلتے تھے اور بہت رن کرتے
تھے۔ کیونکہ گیند بلے میں چھو کر خود سلپ یا لگ کی طرف گولی کی سی تیز نکل جاتی
تھی اور ہر گیند میں چار پانچ رن ہو جاتے تھے۔ اس زمانہ تک وہی پُرانا رواج
جاری تھا کہ فیلڈ اپنی اپنی جگہ قایم رہین۔ ایسا نہ ہوتا تھا کہ ضرورت کے لحاظ سے
سلپ پر دو فیلڈرز یادہ کر دئے جائین اور لانگ آن اور لانگ آف توڑ دئے جائین
ایک ہی سال کی کپتانی کے بعد یعقوب شاہ خانصاحب جن کو فوجی نوکری کا بہت
شوق تھا فرسٹ بنگال کیولری میں داخل ہو گئے اور اُن کے بعد کپتانی احمد حسین
خان مرحوم ہمارے نامی گرامی کپتان محمد سعید خان کے بیٹے کو ملی۔ اُس زمانہ میں کپتانی
کا عہدہ بہت معزز ہو گیا تھا اور اُن کے سوا اس عہدہ کے ایک دو اور بھی
امیدوار تھے مگر کھچڑی جسکا تذکرہ پہلے نمبر میں ہو چکا ہی اپنا کام کر گئی اور سہرا
انھین کے سر رہا۔ (انتخاب کی کمیٹی میں وہ پنجابی لنگی سر پر باندھ کر گئے تھے
اور جب وہ منتخب ہو گئے تو فوراً لنگی کا ایک پلو دوسرون کو جلانے کے لئے
بطور سہرہ کے آگے لٹکا لیا) کرکیٹ کے سلسلہ میں ایک لطیفہ جس سے سید
مرحوم کے مذاق کی کیفیت معلوم ہوتی ہی یاد آگیا اور جی چاہتا ہی کہ اسکو ضرور درج کردن

اور وہ یہ ہے - اپریل ۱۹۰۳ء میں میرے چیچک نکلی اور میں سید کی کوٹھی کے احاطہ میں ایک مکان میں جو جانب مشرق تھا اور جسمیں دو کمرہ اور ایک برامدہ تھا پہنچا دیا اور حکم تھا کہ کوئی مجھ سے ملنے نہ جائے - یہ بڑی مصیبت تھی - لمبی ڈاڑھی والے ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب دن میں ایک وقت آتے تھے - پہلا دن بطور قید محض کے بڑی مشکل سے گذرا دوسرے دن قبل دوپہر میاں فصیح صاحب بھی اُسی مرض میں مبتلا ہو کر تشریف لائے اور دو دیوانے مل گئے - پھر کیا تھا سب تکلیف رفع ہو گئی تیسرے دن ہم لوگ بہت سویرے اُٹھے اور قبل طلوع آفتاب بہت سی پکّی پکّی ٹھنڈی ٹھنڈی انجیریں سید کے باغ کی توڑ کر کھا گئے - سید کو اس پھل سے بہت شوق تھا اور روز صبح کو مشرقی برامدہ میں بیٹھ کر چائے کے بعد آدھ سیر تین پاؤ انجیریں کھایا کرتے تھے - جس صبح کو انجیریں ہم اڑا گئے اُس روز مالی کو بہت ہی کم انجیریں ملیں جب وہ انجیریں ایک دونہ میں لے کر سید کے سامنے گیا تو انھوں نے قلیل تعداد دیکھکر ایک ڈانٹ بتائی تو مالی بیچارہ بولا کہ سرکار ہر چند رکھاتا ہوں مگر گلہریاں نہیں چھوڑتیں - سید نے اُس سے کہدیا کہ اب باغ میں دو پیر کی گلہریاں آگئی ہیں اُنسے انجیروں کو بچاؤ - ہم دونوں یہ قصہ سُن رہے تھے - تھوڑی دیر بعد دیکھا کہ مالی ایک لمبا بانس لئے ہر پیڑ کے نیچے کسی تلاش میں پھر رہا ہے - ہم لوگوں نے پوچھا کہ کیا لوٹتے پھرتے ہو تو وہ بولا کہ میاں دو پیر کی گلہریاں باغ میں آگئی ہیں اور سرکار کی انجیریں کھا جاتی ہیں اُن کی تلاش میں ہوں - میں نے اس سے کہا کہ ایک ایسی گلہری کو میں نے بھی دیکھا ہے اور وہ میرے بالائی کے لڈو کھا گئی اگر تم بالائی کے لڈو ایک دونہ میں رکھکر ایک ٹوکری لگا دو تو جیسے چڑیاں پکڑی جاتی ہیں ویسے ہی گلہریاں پکڑ لیجاوین - اُس کمبخت نے جا کر سید سے عرض کی گلہریوں کے پکڑنے کے لئے بالائی کے لڈو منگوا دیجئے - سید مذاق کو خوب سمجھ گئے اور مالی کو ہدایت کی وہ باغ میں پکار پکار کر یہ کہدے کہ دو پیر والی گلہریوں نے کئے

ٹھونگنے کے لئے چھینکے بنوائے جاتے ہین اور ایک بنجھا منگایا گیا ہی۔ گلہریوں ہشیار ہو جاؤ۔ نادان مالی نے اس حکم کی پوری پوری تعمیل کی اور ہم لوگون نے اس کے بعد انجیرونکو نہین چھوڑا جب ستے دو دن اس بات کا اندازہ کرلیا کہ اب گلہریان نقصان نہین کرتین تو اُن کا حصہ فی کس ۸ انجیر خود ہی بھیجنا شروع کر دیا۔ اس مضمون کے شروع میں مینے اسباب کا تذکرہ کیا ہی کہ بورڈنگ ہوس کے طلبا کی نگرانی کا انتظام جناب مولوی مشتاق حسین صاحب قبلہ نے اپنے ذمہ لیا تھا مگر صرف اتنا لکھدینے سے اُن اولڈ بوائز کو جو اُس زمانہ کے بعد کالج میں گئے کچھ بھی اندازہ نہین ہوسکتا کہ وہ انتظام کیسا سخت تھا۔ رات کا کہانا کہانے کے بعد بورڈرون کو ایک دوسرے سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ کہانیکے بعد آدہ گھنٹہ کے اندر مولویصاحب قبلہ سارے بورڈنگ ہوس کا ایک گشت کر جاتے تھے اور پھر رات میں وقتاً فوقتاً گشت کیا کرتے تھے۔ کمرون میں جنکے کواڑ بلا شیشہ کے ہین انکی ہر ایک پٹ میں سوراخ کر دیا تھا کہ باہر سے جھانکنے سے اندر کا حال معلوم ہو جائے۔ بورڈرون کو ہر وقت یہ خیال رہتا تھا کہ مولوی صاحب آتے ہونگے۔ ایک رات کا ذکر ہی۔ گرمیونکا زمانہ تہا سب لوگ باہر میدان میں سوتے تھے کہ قریب آدہی رات کے بڑے زور شور سے آندھی آئی سب لوگ اپنے اپنے کمرونمین چلے گئے۔ تاش کھیلنے کا موقع کبھی نہ ملتا تہا۔ اُسوقت یہ خیال پیدا ہوا کہ اب تاش کھیلنے کا اچھا موقع ہی۔ ایسے طوفان میں مولوی صاحب قبلہ کا آنا محال ہی۔ چنانچہ چار پانچ نے ملکر تاش کھیلنا شروع کیا۔ ابھی صرف دو بازیان ہٹ چکی تھین کہ دروازہ پر کھٹ کھٹ ہوئی ہمنے سمجھا کہ کوئی اور کھیل میں شریک ہونے کو آیا ہی۔ خوشی خوشی دروازہ کھولا تو مولوی صاحب قبلہ نے فرمایا "السلام علیکم"۔ اُسوقت ایسی شرمندگی تھی کہ سلام کا جواب نہ دیا ہم خاموش کہڑے ہو گئے مولویصاحب قبلہ نے فرمایا کہ لائیے تاش مجھے دیجئے چنانچہ فوراً پیش کر دیا اور جب صاحب موصوف نے گن لیا کہ باون پتے پورے ہین تو السلام علیکم کہکر تشریف لیگئے مولوی صاحب قبلہ کا ایک اصول نہایت اچھا تہا کہ خطا پر کچھ کہتے نہ تھے بلکہ خطادار کو جو ندامت انکی رتا دیتی ہوتی اسیکو کافی سزا سمجھا جاتی تھی۔ باقی آئندہ (محمد امین)

"بمبوق کلب"

آپ کے اصرار سے مجبور ہو کر مختصر کیفیت "بمبوق کلب" کی لکھتا ہوں۔ سنجیدہ مزاج لوگوں کو نام ہی سے وحشت ہو گی۔ اغراض و مقاصد کلب کا کیا ذکر ہے۔ سنئے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ کالج کی زندگی بہت پھوسٹ ہو گئی ہے اور یادگاران زمانہ اسلاف حضرت یعقوب وغیرہ نالاں ہیں کہ لائف کچھ باقی نہیں رہی بچیوں کا دودھ ہے اور صدہا طالبعلم ایسے نظر آتے ہیں جو ہنستے نہیں ہیں۔ باتیں کم کرتے ہیں۔ پڑھتے زیادہ ہیں۔ کالج کی زندگی خراب کرتے ہیں اور اُس پر فخر کرتے ہیں کالج میں آکر اپنی مفید زندگی اسکی چہل پہل سے ذرا بھی فائدہ نہیں اٹھاتے ہیں جیسے وہاں داخل ہو کر ویسے ہی نکل جاتے ہیں مختصر یہ کہ کالج کی زندگی بہت کچھ خراب ہو گئی ہے۔ چند نفوس کو یہ خیال پیدا ہوا کہ فن تضحیک کو جو مُردہ ہو چلا ہے زندہ کرنا چاہیئے اور اُس کی مدد سے آنیوالے طوفان ہیئت و ماتھوریت کو روکنا چاہیئے۔ مقدم الذکر چند طالبعلم تھے کالج کے درجوں کے۔ جب ایک کلب قایم کرنے کا خیال پیدا ہوا تو نام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کوئی موزون نام ہی نہیں ملتا تھا اتفاق اور ہونے والی بات کہ ایک روز شام کو مصطفےٰ حسین صاحب کے دروازے پر مجمع احباب تھا (مصطفیٰ حسین صاحب خبطنا اس کلب کے ممبر نہ تھے اورہمکو خوشی ہے کہ انھوں نے خواہش ممبری کبھی کی بھی نہیں ورنہ اُنکو صدمہ ہوتا اور ہمکو افسوس کے ساتھ مروت شکنی کرنا پڑتی) مذاق ہو رہا تھا (بہکر نہیں) کسی نے کسی اُستاد کا شعر پڑھا۔ جس کا نام باوجود تفتیش ہنوز دریافت نہیں ہوا اور نہ ہمکو امید ہے کہ ہماری زندگی میں دنیا کے معلومات میں یہ بیش بہا اضافہ ہو سکے۔ شعر

کیا کیا چلے ہیں ساکھو بمبو جوڑ پاک ہیں ؛ بمبوقیت سے خالی صحرا کو بھی نہ پایا

سامعین پر وجد کی کیفیت طاری تھی اور اگر میری یاد دہوکہ نہیں دیتی تو بھائی شفقت صاحب جن کا مذاق شعر و سخن اس زمانہ میں نہایت اچھا تھا (اب نہیں معلوم کیا کیفیت

انتخاب الفاظ پر جھوم رہے تھے (ساکہو کے پیے جلنا۔ کیا خوب صحرا کے پیے پایا۔ سبحان اللہ کیا قدرت زبان ہو وغیرہ وغیرہ) مجھے خفیف سا شبہہ ہو کہ یہ الہام تھا سب نے متحد الرائے ہو کر کلب کا نام مبسوق رکھدیا۔

کلب کا کوئی سکرٹری یا پریسیڈنٹ نہ تھا۔ کارروائیان قلمبند نہین ہوتی تھین اور نہ اس قابل تھین نشست روز ہوتی تھی اور راقم الحروف کے یہان۔ مقاصد کلب اگر تھے تو یہ کہ۔ زندگی ہنسکر گذارو۔ جس شخص میں مادہ بیوقوف بنے کا ہو بناؤ۔ اگر نہ ہو تو کوشش کرو کہ پیدا ہو جاے۔ کالج پالٹیکس سے بحیثیت کلب کوئی تعلق نہ رکھو۔ خود کم پڑھو اور جو زیادہ پڑھے اسکو بغیر ثبوت کے غبی یا کُند ذہن قرار دو۔ کسی کھیل میں شریک نہو مگر کھیل دیکھنے ضرور جاؤ۔ یونین کلب کے مباحث میں کوئی حصہ نہ لو مگر اعتراضات کی بھرمار ضرور کرو اور بولنے والون پر نکتہ چینی کرو۔ آہستہ سے یا دلکے مین پرشئین کلاس میں کبھی نہ جاؤ۔ اگر کسی دن چلے جاؤ تو مولوی صاحب کو پڑہانے نہ دو۔ وغیرہ وغیرہ۔

تین چار برس تک یہ کلب قائم رہا۔ اس زمانہ میں کلب نے کیا کیا خدمتین کین اور اُس کو اپنے مقاصد میں کہانتک کامیابی حاصل ہوئی۔ میں بصد اظہار عجز آئندہ کے مورخ کے لیے چھوڑتا ہون۔ میں اس امر کا اعتراف کرتا ہون کہ کلب کی کامیابی کے ثبوت میں ٹھیک یا تخمینی تعداد اُن لوگون کی جن کو کلب نے کوشش سے بنایا ہو نہین دیسکتا۔ مختلف طریقہ تضحیک کے مفصلہ ذیل تھے۔ ایڈریس، خطاباتؔ، نظمینؔ، کارٹونس۔ ممبران کلب مفصلہ ذیل اشخاص تھے۔

اشفاقؔ حسین صاحب (گونڈہ میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہین اب صاف کپڑے پہنتے ہین گو اُنکے ہاضمہ کی وہی قابل رشک حالت ہی) بدر الحسنؔ صاحب (طرگنج ضلع گونڈہ مین پر وبشنری تحصیلدار ہین مٹھائی اور پان کا وہی شوق ہی۔ پلنگ سے اب اکثر جنبش کرتے ہین اور بنانے پر زیادہ خفا نہین ہوتے ہیؔ) ضیاؔ الدین صاحب

(بارہ بنکی مین وکالت کرتے ہین) کرکیٹ کی مشق جاتی رہی ہی۔ برسون گیند پھینکنے کا اتفاق نہین ہوتا مگر اب بھی اللہ سے امید ہی کہ اگر بولنگ کرین تو گیند کسی نہ کسی طرح وکٹ تک پہنچ ہی جائے شعر زیادہ کہتے ہین اور اُن پر ناز بھی بہت ہے مگر اب سُناتے کم ہین) ظہور احمد صاحب (سُنا ہی بیرسٹر ہوکر الہ آباد واپس آئے ہین اور قوم اور ملک کے بہبود مین دن رات مستغرق رہتے ہین۔ اسپیچین لکھتے ہین اور اُن کو چھپوا بھی دیتے ہین) غلام حسین صاحب رضوی (الہ آباد مین مقیم ہین اور امتحانات دے رہے ہین کبھی پریویس مین شریک ہوتے ہین کبھی ہائیکورٹ کے امتحان مین۔ اشفاق حسین صاحب راوی ہین کہ امسال پریویو کی باری ہی) شفقت حسین صاحب پھر علیگڈھ تشریف لائے ہین اور الف اے مین پڑھتے ہین اور اُن کا خیال ہی کہ الف۔ اے مین کامیابی کے لئے ضروری ہی کہ دماغ کی تفریح کی خاطر ایک مہینہ قبل سے پڑھنا چھوڑ دینا چاہئے! جہان تک الف اے کی امتحان کا تعلق ہی ہمکو ماننا پڑے گا کہ اُنکی رائے نہایت قابل وقعت ہی۔)
امتیاز علی صاحب فتحپوری نائب تحصیلدار مقام نامعلوم ومصطفی حسین صاحب جنہ اس رائے کے باادب مخالف ہین) رشید حسین صاحب نقوی (ہجرت کر گئے ہین اب حیدر آباد مین ہین) محمد وحید صاحب سیتا مڈھی مین ڈپٹی مجسٹریٹ ہین مشاغل وہی پرانے ہین اردو غلط بولنا اور بیچے کھلانا۔ کبھی کبھی کھلاتے بھی ہین مگر تفریحا پرانی مشق جاری رکھنے کے لیے) لطف حسین صاحب (شاہجہان پور مین انسپکٹر آبکاری ہین ورگاجر کا حلوہ خوب بناتے ہین) راقم الحروف بارہ بنکی مین ہے اور پرانی صحبتون کو یاد کرکے روتا ہی) وحید الحسن مرحوم اور عبد الغنی مرحوم بھی اس کلب کے ممبر تھے۔ بڑے اچھے لوگ تھے۔ خدا مغفرت کرے
اس کلب کے دو کار پرداز افسر تھے جو کلب کے ممبر نہ تھے مگر اسکے مقاصد سے دلچسپی رکھتے تھے اور اُس کی کارروائیون کو موثر بنانے کے لئے اپنی مستعدی اور محنت کام مین لاتے تھے مسعود حسین صاحب نامی اور محمد اسحاق صاف (خطاب نامعلوم) یہ دونون صاحب

ہمارے نوٹس اور اشتہارات وغیرہ کالج کے نمایاں مقامات پر چسپاں کرتے تھے اور ہم انکی خدمت کے صلے میں یہ سُننا بغیر تردید کے گوارا کرتے تھے کہ وہ کلب کے ممبر ہیں۔ مسعود حسین صاحب نامی نہیں معلوم کہاں ہیں اکثر خربوزوں کی فصل میں ایک کار ڈ خربوزوں کی طلبی میں آتا ہے مگر اُس پر عمداً کاتب صاحب پتہ نہیں لکھتے۔ ولدیت و سکونت کا کیا ذکر۔

بموقوں نے یوں تو ہزاروں کارنمایاں کئے مگر پہلی اپریل (سال یاد نہیں) کے خطابات خصوصاً قابل الذکر ہیں۔ افسوس ہے کہ میرے پاس نقل ان خطابات کی نہیں ہے ورنہ نذر ناظرین کرتا۔ خطابات بہت مقبول ہوئے۔ ایک راوی معتبر سے سُنا گیا ہے کہ ابو محمد صاحب یوم کجکلاہ پر پھڑک اُٹھے۔ خطابات کے دینے میں رزاق بخش قادری سے لے کر جو اُندنوں ہر سنیچر کو ایلوکیوشن پر لکچر دیا کرتے تھے بشیر اٹاوہ تک کے حق سے چشم پوشی نہیں کی گئی۔ اس موقع پر بشیر اٹاوہ کا ایک قصہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

کارنا صاحب کی نظر سے بھی پرچۂ خطابات گذرا اور انھوں نے پریسیڈنٹ یونین کلب خان بہادر عبدالحمید خان سے اُس کا ترجمہ سُنا (پہلے خان بہادر نہیں صرف آریٹر تھے) بشیر کو کئی خطابات دئے گئے تھے منجملہ اُن کے ایک دل پھینک تھا۔ عبدالحمید خان نے جو غالباً اُندنوں ترجمہ اچھا نہیں کرتے تھے یا مذاقاً (مگر ان سے مذاق کی بھی امید نہیں) اس کا یوں ترجمہ کیا۔

one whose pressure are crooked in heart

کارنا صاحب نے فوراً بشیر کو بلوایا اور بہت خشمگین لہجہ میں کہا بشیر تمہاری شہرت کالج میں بہت غیر قابل رشک ہو رہی ہے اگر میں نے پھر تمہاری شکایت سُنی تو کالج سے نکالدوں گا۔ بشیر نے اپنے بچاؤ میں کچھ کہنا چاہا مگر ارد و بولنے کا موقع نہیں تھا متبسم کو کوستے ہوئے کمرے سے چلے آئے۔

مظفر محمد خان صاحب و ابن احمد صاحب کو بھی خطابات دئے گئے تھے مگر برا ہو اس حافظہ کا کچھ بھی یاد نہیں رہا۔ کاش سرفراز خان صاحب کا خطاب تو یاد رہتا۔

محمود الحسن صاحب سب پر اکثر تھے اور شب کو حاضری کے لئے سمندِ تعجیل پر آیا کرتے تھے (سمندِ تعجیل ایک استعارہ ہی کوئی سواری نہیں بس سب کو اطمینان دلاتا ہوں۔) بدقسمتی سے بموقون کو نہ وہ پسند کرتے تھے نہ بموقوں کو اُن سے زیادہ محبت تھی) دوسرے سال بموقون نے کوئی نئے خطابات نہیں نکالے بلکہ محمود الحسن صاحب کے کارٹون اور نظم پر اکتفا کی مطلع ملاحظہ ہو۔ قابلِ تعریف نہیں ہی مگر پھر بھی تو مطلع ہی ہی ؎ تیرگیٔ شب دیجور سیہ نا کہئے ۔ بلکہ انجن کا ترے چہرے کو کوئلا کہئے۔

دریافت کرنے سے معلوم ہوا ہی کہ محمود الحسن صاحب کو ہماری گستاخی زیادہ ناگوار نہیں ہوئی۔ مگر اُن کو شکایت یہ تھی کہ کہ مسلم الثبوت اُستاد کی طرح طبع آزمائی کی گئی اور کارٹون کو اصل سے زیادہ مناسبت نہ تھی خیر اگر یہی خطا تھی تو ہم محمود الحسن صاحب سے بھی خواستگار معافی ہیں اور غالب مرحوم سے بھی۔ نیاز محمد صاحب ایک ہماری ہم جماعت تھے آخر میں یونین کی لائبریرین ہو گئے تھے اور نہایت محنت سے کام کرتے تھے وہ بھی ہمارے کلب کی بدتمیزیوں سے نالان تھے اور ان کی شکایت کچھ بیجا نہ تھی۔ ٹرم ختم ہونے پر ان کو ایڈریس دیا گیا تھا اور ان کی بڑی تعریف کی گئی تھی خصوصًا اُن کے قیود گرامر سے بے نیاز ہونے پر وغیرہ وغیرہ۔ یونین میں اکثر تقریریں کرتے تھے اور طولانی تقریریں کرتے تھے۔ میرے زمانہ قیام میں بہت سے بولنے والے گذرے مگر ایمان کی بات یہ ہی کہ کسی میں یہ کمال نہ تھا کہ مضمون زیرِ بحث ہو "لمپ کی خوبیاں"، اور تقریر ہو "ہاتھی کی خوبصورتی اعضا پر"۔ یہ کمال تھا نیاز محمد صاحب میں اور انھیں کیساتھ گیا۔

اگر کسی دن کوئی بھیا یا ماسٹر مشق ظرافت قلمی یا زبانی کے لیے نہ ملا تو اسپیکر

میں بھی خوب چوٹیں چلتی تھین - بدرالحسن ایک دن اپنے بستر پر رونق افروز تھے
دوپہر کا وقت تھا - جون یا جولائی کا زمانہ تہا - گرمی بڑی شدت سے تھی اور بھی لوگ
بیٹھے ہوئے تھے - اشفاق صاحب حسب معمول ناشتہ کر رہے تھے اور ضیا الدین صاحب
اپنا کلام پڑھ رہے تھے - کوئی سنتا نہ تہا اور اُن کو پروا بھی نہ تھی - غلام حسین
صاحب خاکی سرج کی اچکن پہنکر آئے - بدرالحسن صاحب کو ناگوار ہوا - (اُن کا
آنا نہین بلکہ گرمیون میں موٹی سرج کی اچکن پہنا) پوچھا کہ اسکی موزونیت کیا ہے
کچھ جواب نہین - دوبارہ سوال کیا گیا اُس کا بھی یہی نتیجہ ہوا - تیسری بار سوال
ہونے پر غلام حسین کو بھی جوش آیا اور بدرالحسن کو بھی - جنگ آمیز مذاق ہونے
لگا - گھنٹوں یہ سلسلہ جاری رہا - فریقین کمرے سے اٹھکر برآمدہ میں چلے گئے -
اور وہان بھی یہ سلسلہ جاری رہا - تماشائی ساتھ رہے - آخر میں شفقت حسین
صاحب آئے اور انھون نے یہ فیصلہ کیا (تم دونوں میں آج سے اچکن کا عموماً
اور جاڑے کی خاکی اچکن کا خصوصاً مذاق یک قلم موقوف - فریقین نے اس فیصلہ
پر انہار مسرت کیا اور ایک عرصہ تک پابند رہے - اب سنا ہے پہر غلام حسین صاحب
زیادتی کر رہے ہین - دیکہیے کیا نتیجہ ہو -   باقی آئندہ

ولایت علی وکیل بارہ بنکی

مضامین کے پڑھنے مین دفتر اور کاتب کو از حد تکلیف ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اکثر
غلطیان کتابت مین ہوجاتی ہین - جملہ احباب سے درخواست ہے کہ مضامین صاف
کراکر دفتر مین روانہ فرمادین تاکہ پریس کو کسی قسم کے عذر کی گنجایش نہ ہو۔

مینیجر

فہرست ممبران اولڈ بوائز ایسوسی ایشن

نسیم کو کہ شمیمے ز دستان آورد ؎ مسیح کو کہ درون جسم مردہ جان آورد

۱ فہرست مذکورہ بالا دفتر ایسوسی ایشن سے ماہ اگست سنہ ۱۹۱۱ء تک مرتب ہو کر شائع ہوئی
اس سے اول میری یاد میں ایک فہرست سنہ ۱۹۰۹ء میں صوبہ وار شائع ہوئی تھی
فہرست حال ضلع وار یا یون کہیے مقام وار ہی۔ اس فہرست کیساتھ اور اور ضروری
ذخیرہ معلومات مفیدہ ہی۔ اور میں بہ تائید ریمارک مندرجہ پرچہ اولڈ بوائے
بابتہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۱ء۔ بھائی عبد السلام صاحب انریری سکرٹری ایسوسی ایشن
کو اس ضروری ایجاد پر مبارک باد دیتا ہون۔ خاصکر اسوجہ سے کہ باوجود اُن کی
روز افزون وکالت وشب افزون تصوف وحاضر باشی عرسون کے وہ ایسوسی
ایشن کی خدمت جدت وایجاد کیساتھ کرتے ہین۔

۲ جو مختصر تاریخ ایسوسی ایشن کے صفحہ ۲ پر لکھی ہی بہت غلط ہی اُس کی بُنیاد
ہی غلط لکھی ہی اور بھائی عبد السلام صاحب نے اپنے خط میں جو صفحہ ۲ پر درج
ہی بہت صحیح اعتراف اپنی لاعلمی کا کیا ہی۔ آنربیل مسٹر محمد رفیق صاحب
سنہ ۱۹۰۱ء میں یا صحیح یہ ہی کہ سنہ ۱۹۰۴ء تک مرزاپور نہین گئے تھے اور نہ اُن کو
کوئی تعلق اس تحریک سے تھا۔ غالبًا اس کی صحیح یاد مولانا طفیل احمد صاحب کو
ہو گی جو میرے شریک خیال تھے وہ اُسکی صحت کرین گے۔

۳ مجھے تو اِس فہرست بالا سے تعلق ہی اور میں اپنی وجدان مسرت کا اظہار
کسطرح کرون۔ بجز اسکے کہ جس جس پہلو سے میںنے اِس فہرست پر غور کیا ہے
وہ قلمبند کر دون۔ بادی النظر میں بعض نتائج اِس فہرست میں نہین سے
لہذا میںنے خوشہ چینی کے لیے ایک فہرست بنائی جس سے بہ معلوم ہوتا ہی کہ

سات سو انہاسی اولڈ بوائز ممبر ایسوسی ایشن کے ہین جو اکیسو نیس۲۱ مقامات پر پھیلے ہوئے ہین اور جو گیارہ ہزار پانچسو بچاسی روپیہ نو آنہ ایک پائی چندہ سالانہ دیتے ہین اور بحساب ایک فیصدی یہ نتیجہ بھی نکلتا ہو کہ یہ سات سو انہاسی ممبر گیارہ لاکھ اٹھاون ہزار پانسو روپیہ سالانہ آمدنی کے مالک ہین اور یہ بھی نتیجہ نکلتا ہو کہ بحساب اوسط اکیسو چیس روپیہ ماہوار ہر ممبر کی آمدنی ہو۔ یہ منظر آمدنی کا سطحی نظر والون کو خوش اور عمیق نظر والون کو مغموم کرتا ہو۔

۴ تعداد ممبران پر ضلع وار نظر ڈالنے سے پایا جاتا ہو کہ علیگڈھ میں انشی الہ آباد مین چیالیس۴۶۔ آگرہ مین پچیس۲۵۔ مراد آباد مین اٹھائیس۲۸۔ لکھنؤ مین بتیس۳۲۔ لاہور مین بیس۔ میرٹھ میں اُنیس۱۹ ممبر ہین۔ بہ استثنا میرٹھ اور لاہور کے مقامات بالا میں کم از کم ستر۷۰ ممبر ایسے ہین جو زیادہ تر طالب علم ہین اور بقیہ مجہول الحال ہین اور اُن کا ممبر ہونا کسی فوری جوش یا کوشش مقابلہ پر مبنی معلوم ہوتا ہو کیونکہ ان سب کے نمبر رجسٹر سلسلہ وار اور آخری ہین اور چندہ ایک روپیہ آٹھ آنہ ششماہی ہموار پایا جاتا ہو۔ جس سے میں یہ نتیجہ نکالتا ہون کہ اُن کی ممبری چندہ کو بقا نہین ہو۔ کیا یہ بات قابل افسوس نہ ہوگی کہ ایسا معزز گروہ جیسا کہ اولڈ بوائز کا ہے وہ ایکبار تبہ ممبر ہون اور پہر علٰحدہ ہو جائین۔ جبکہ ہماری عزت کو ترقی ہماری نیکنامی کو عروج ہمارے بہائیون کی لیاقت سے ہو رہا ہو۔ اور ایسے قابل فخر واقعات ہو رہے ہین کہ جنہی علمار کا گروہ آنربل صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب کو صدر انجمن بناتا ہو۔ جنہون نے اپنی بے نظیر اسپیچ میں علمار کے مرتبہ کا اعتراف اور اُن کے وجود کی ضرورت اور اپنی خوش اعتقادی کا اظہار کیا ہو اور اُس مقدس گروہ میں اپنے آپ کو ہمارا قائم مقام بنا کر پیش کیا ہو تو ایسی حالتمین قومی ضرورت مقتضی اس بات کی ہو کہ ہر فرد اس عزت کو قائم رکھے اور جو فخر ہمارے واسطے آفتاب احمد خانصاحب نے حاصل کیا ہو وہ ترقی پائے

واضح ہو کہ مین آفتاب احمد خانصاحب کی ممبری کونسل بمقابلہ اِس صدر انجمن جلسہ علماء کے ہیچ سمجھتا ہون - یہ کچھ بیجا نہو گا کہ ہم آنریری سکرٹری اولڈ بوائز کو ذمہ دار اِسبات کا قرار دین کہ آئندہ صرف وہ لوگ ممبر کئے جائیں جو مستقل ہون اور اس کی کچھ پروا نہ کیجائے کہ اتنے ہزار مدرسہ سے تعلیم پاکر نکلے اور صرف اسقدر قلیل ممبر ہین - استقلال قومی ہمدردی و پختگی زبان کی قدر کرنی چاہئے - روپیہ کی ہرگز نہین -

۵ مین نے اقتباساً ایک اور فہرست بنائی ہے جس سے یہ معلوم ہو گا کہ ممبران ایسوسی ایشن کے ذرائع آمدنی کیا کیا ہین اور کن کن صیغون میں ملازم ہین اور ہر صیغہ سے کیا آمدنی ہے اور اوسط ماہوار فی ممبر کیا پڑتا ہے -

اِس فہرست دوم سے یہ واضح ہو گا کہ ازتیس مختلف محکمہ جات میں ممبران ایسوسی ایشن کسب معاش کرتے ہین اور بڑی بڑی ذمہ داریونکے عہدہ پر مامور ہین مینے فہرست میں سب سے اول روساء کو اسوجہ سے رکھا ہے کہ جب سرسید رحمۃ اللہ علیہ سے کہا جاتا تہا کہ کالج میں تعلیم کا خرچ فی طالب علم زیادہ پڑتا ہے تو وہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ کالج غربا کیواسطے نہین ہے بلکہ امراء کے واسطے ہے اور وہ وجہ اُسکی یہ بتلاتے تھے کہ ایک امیر کا تعلیم پا جانا قومی اغراض کے واسطے زیادہ مفید ہے بہ نسبت چند غربا کے - کیونکہ وہ امیر قومی ضروریات کا احساس کرے گا اور غربون کی مدد - میری اِس فہرست میں اکسو چہیاونے روساء درج ہین مگر اوسط چندہ فی ممبر ماہوار صرف چودہ آنے دو پائی ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ کم سو روپیہ ماہوار کی آمدنی ہر ممبر کی ہوتی ہے - مین عرض کرونگا کہ یہ نتیجہ خراب اسوجہ سے ہے جیسا کہ مینے فقرہ چار میں لکھا ہے کہ کسی فوری جوش مین آ جانے والے ممبر بنا لئے گئے ہین ، فہرست سے اُنکی حیثیت کا پتہ نہین چلتا - علی ہذا اسی طرح انتالیس طلبا ہین جن کا اوسط چندہ ماہوار فی ممبر چار آنے سے بھی کم پڑتا ہے -

اسکے بعد ملازمان سرشتہ تعلیم ہین جنھین بہ لحاظ پیشہ مقدم رکھا ہی- یہ اشرف ترین پیشہ ہی
جس کا درجہ بعد پیغمبری کے ہی- ستتر ممبر اس صیغہ میں ہین اور اوسط چندہ ماہوار فی
ممبر چودہ آنے تین پائی ہی- جو روساء سے زیادہ ہی اور یہ فرقہ ہم اولڈ بوائز
مین سب سے زیادہ معزز اور قابل فخر ہی- اس کے بعد خدا کا شکر ہی کہ ہر صیغہ
ملکی وریاست ہائے ہند میں اعتبار اور وقار کے عہدے ہمارے سپرد ہین جن سے معلوم
ہوتا ہی کہ ہمارے کالج کی تعلیم ہر ضرورت کیواسطے قابل اشخاص پیدا کرتی ہی-
افسوس یہ ہی کہ تجارت میں صرف پانچ شخصون کے نام ہین اور اُنکی حالت بھی عمدہ
نہین معلوم ہوتی کیونکہ چندہ ماہوار کا اوسط فی ممبر صرف سات آنے دو پائی ہی-
جس کے یہ معنی ہین کہ اُن کی ماہوار آمدنی پچاس روپیہ ہی اور اگر یہ بات ہی کہ آمدنی
زیادہ ہی مگر چندہ ایک فیصدی سے کم دیتے ہین تو یہ تجارت پیشہ اور بھی قابل رحم ہین
کیونکہ انمین قومی احساس نہین، ایک عجیب روئیداد کا سامنا اس فہرست سے ہوتا ہی یعنی
انتیس۲۹ حضرات محکمہ آبکاری میں سرگرم سرور ہین- اٹھائیس۲۸ انسپکٹر اور ایک سپرنٹنڈنٹ ہے
مگر چندہ ماہوار فی کس صرف تیرہ آنے دس پائی دیتے ہین، بخلاف اس کے تین حضرات
افیونی بھی ہین مگر بجائے پینک میں رہنے کے مثل رندان بادہ خوار اُنکی داد دہش جاری
ہی- یعنی چندہ ماہوار فی کس تین روپیہ تیرہ آنہ چار پائی بحساب اوسط دیتے ہین یہ ایسا اوسط
ہی جو ہر ایک صیغہ آمدنی سے بڑھا ہوا اور بہت زیادہ بڑھا ہوا ہی-

۶ باایں ہمہ سارے نام ایسے باقی ہین جو سالہا سال بورڈنگ ہوس یا مدرسہ مین ورد
زبان رہے ہین اور جن کا گھر آجکل بھی مہمانسرا رہتا ہی تاہم ایک فیصدی میں شریک
ہین- مثالاً میں لکھتا ہون- سید حبیب اللہ صاحب جنٹ مجسٹریٹ کانپور
سید عبدالرؤف صاحب بیرسٹرایٹ لاالہ آباد- سید محمد ہاشم صاحب ڈپٹی کلکٹر بلند
۷ ایک فیصدی دینے والوں میں منجملہ روساء کے کنور محمد اکرام علی صاحب رئیس
پہاسو دس روپیہ ماہوار دیتے ہین اور کوئی رئیس اُن کے نصف سے زیادہ ماہوار

نہین دیتا، ملازمت پیشہ ممبرون میں سب سے پُرانے اور سب سے زیادہ دینے والے صاحبزادہ سلطان احمد صاحب گوالیار ہین جن کا رجسٹر نمبر ۱۱ ہے اور بیس روپیہ ماہوار دیتے ہین۔ اُن کے بعد تئیس ۲۳ نمبر سید محمد علی صاحب دسٹرکٹ ڈشن جج مرزا پور (اب بندہ) ہین جو پندرہ روپیہ ماہوار دیتے ہین۔ اور ہیرا آنربل مسٹر محمد رفیق صاحب دسٹرکٹ ڈشن جج رائے بریلی میں جو دس روپیہ ماہوار دیتے ہین۔ جن لوگون نے آخرالذکر ممبرون کے اخراجات متعلقہ دیکھے ہین وہ تصدیق کرین گے کہ یہ رقومات جسقدر معتد بہ ہین اسیقدر ایثار نفس اور قومی ہمدردی کا ثبوت ہین، ایک اور عجیب بات صفحہ پچاس پر لکھی ہے۔ سید لیاقت حسین صاحب حیدرآباد تعداد چندہ غیر معین علی ہذا صفحہ ۳۰ پر سید محمود صاحب رقم چندہ بعد واپسی ولایت کے دین گے۔

۸ دو حصہ اِس مضمون کے اور باقی ہین جو زیادہ تر ذہن میں اور کسیقدر کاغذ پر ہین فرصت ہوئی تو لکھون گا۔

عبدالرشید

(یعنی خان بہادر حاجی عبدالرشید خان علیگ سکرٹری میونسپل بورڈ مرزا پور)

اِس فہرست سے یہ معلوم ہوگا کہ کِن کِن مقامات پر کتنی ممبر ہین اور ہر مقام سے چندہ سالانہ کیا آتا ہے

نمبر سلسلہ	نام مقام	تعداد ممبران	تعداد چندہ سالانہ			نمبر سلسلہ	نام مقام	تعداد ممبران	تعداد چندہ سالانہ		
			پائی	آنہ	روپیہ				پائی	آنہ	روپیہ
۱	اٹاوہ		۰	۸	۱۴۳	۵	آگرہ	۲۵	۰	۴	۲۴۳
۲	اجمیر	۲	۰	۰	۱۵	۶	الہ آباد	۴۶	۰	۸	۲۸۱
۳	اُجین	۱	۰	۰	۳۶	۷	امراؤتی	۲	۰	۰	۴۸
۴	اعظم گڈہ	۵	۰	۰	۴۸	۸	امرتسر	۱	۰	۰	۶

نمبر سلسلہ	نام مقام	تعداد ممبران	تعداد چندہ سالانہ		
			پائی	آنہ	روپیہ
۹	انبالہ	۳	۰	۰	۱۵
۱۰	اندور	۲	۰	۰	۱۸
۱۱	اودیپور	۱	۰	۰	۱۲
۱۲	اوناؤ	۶	۰	۰	۶۹
۱۳	ایٹہ	۱۲	۰	۰	۱۶۶
	(ب)				
۱۴	بارہ بنکی	۱۱	۰	۰	۱۵۶
۱۵	باندہ	۴	۰	۰	۶۶
۱۶	بانکی پور	۳	۰	۰	۳۰
۱۷	بجنور	۹	۰	۸	۸۸
۱۸	بحرین	۱	۰	۰	۱۵
۱۹	بدایون	۱۴	۰	۰	۲۱۷
۲۰	بڑودہ	۴	۰	۰	۸۶
۲۱	بریلی	۱۵	۰	۰	۲۰۰
۲۲	بستی	۱۰	۰	۱۲	۱۸۹
۲۳	بلیا	۳	۰	۰	۱۵
۲۴	بلندشہر	۱۴	۰	۰	۳۴۱
۲۵	بلوچستان	۲	۰	۱۲	۳۳
۲۶	بمبئی	۴	۰	۰	۴۵
۲۷	بنارس	۱۰	۰	۰	۱۲۰
۲۸	بھاگلپور	۲	۰	۰	۹
۲۹	بہاولپور	۳	۰	۴	۷۴
۳۰	بہرایچ	۴	۰	۰	۷۴
۳۱	بھرت پور	۱	۰	۰	۶
۳۲	بھوپال	۶	۰	۱۲	۱۲۰
۳۳	بیتول	۱	۰	۸	۱۰
	(پ)				
۳۴	پتیا	۱	۰	۰	۱۲
۳۵	پٹیالہ	۵	۰	۰	۱۳۵
۳۶	پرتاب گڈھ	۶	۰	۰	۶۶
۳۷	پشاور	۶	۰	۰	۱۳۴
۳۸	پیلی بھیت	۳	۰	۰	۱۵
	(ت)				
۳۹	تھاریکار	۱	۰	۰	۴
	(ج)				
۴۰	جالندھر	۱۵	۰	۰	۱۷۸
۴۱	جالون	۳	۰	۰	۳۰
۴۲	جبلپور	۵	۰	۰	۷۷
۴۳	جھانسی	۵	۰	۰	۷۲
۴۴	جونپور	۶	۰	۰	۷۵
۴۵	جھنگ	۱	۰	۰	۲۴
۴۶	جہلم	۲	۰	۰	۲۷
	(چ)				
۴۷	چھندوار	۱	۰	۰	۳۰
۴۸	چھترپور	۲	۰	۰	۲۵

نمبر سلسلہ	نام مقام	تعداد چندہ دہندگان	تعداد چندہ سالانہ: پائی	آنہ	روپیہ	نمبر سلسلہ	نام مقام	تعداد چندہ دہندگان	تعداد چندہ سالانہ: پائی	آنہ	روپیہ
۴۹	(ح) حیدرآباد دکن	۱۶	۰	۱۲	۲۷۲	۶۸	سیالکوٹ	۱	۰	۰	۳
۵۰	حمیرپور پسندہ	۲	۰	۸	۱۰	۶۹	سیونی چھپارہ	۱	۰	۰	۱۸
۵۱	(د) دربھنگہ	۲	۰	۰	۳۰	۷۰	(ش) شاہجہانپور	۱۸	۵	۱۰	۱۲۱
۵۲	دہاڑوار	۱	۰	۰	۱۵	۷۱	شاہ آباد	۴	۰	۰	۵۴
۵۳	دہلی	۸	۰	۱۲	۴۵	۷۲	شاہپور	۶	۰	۰	۹۹
۵۴	دہرہ دون	۶	۰	۸	۹۱	۷۳	(ع) علیگڈھ	۸۰	۰	۱۴	۱۰۹۴
۵۵	ڈیرہ اسمعیلخان	۱	۰	۰	۹	۷۴	(غ) غازیپور	۱۰	۰	۰	۱۵۹
۵۶	ڈیرہ غازیخان	۱	۰	۰	۹	۷۵	(ف) فتحپور ہنسوا	۲	۰	۰	۱۲
۵۷	(ر) رامپور	۵	۰	۰	۲۳۴	۷۶	فرخ آباد	۳	۰	۰	۳۶
۵۸	رانچی	۲	۰	۰	۴۵	۷۷	فرید پور	۱	۰	۰	۲۴
۵۹	راولپنڈی	۲	۰	۰	۳۰	۷۸	فیض آباد	۶	۰	۰	۱۷۱
۶۰	رائے بریلی	۶	۰	۰	۱۷۴	۷۹	(ک) کابل	۲	۰	۰	۱۵
۶۱	رہتک	۱	۰	۶	۲	۸۰	کارومنڈل	۳	۰	۰	۳۰
۶۲	(س) سکندرآباد دکن	۱	۰	۰	۸۱	۸۱	کاشغر	۱	۰	۸	[illegible]
۶۳	سلطانپور	۴	۰	۰	۸۱	۸۲	کانپور	۸	۰	۰	۶۲
۶۴	سلہٹ	۱	۰	۰	۲۶	۸۳	کدورہ	۱	۰	۰	۴۲
۶۵	سنتھال پرگنہ	۱	۰	۰	۶	۸۴	کرنال	۱	۰	۰	۱۸
۶۶	سنگاپور	۱	۰	۰	۲۴	۸۵	کشمیر	۶	۰	۰	۲۹۷
۶۷	سہارنپور	۱۵	۰	۰	۱۵۰	۸۶	کلکتہ	۶	۰	۴	۹۲

نمبر سلسلہ	نام مقام	تعداد	تعداد چندہ سالانہ		
			پائی	آنہ	روپیہ
۸۷	کوہاٹ	۱	۰	۰	۹
۸۸	کوئٹہ	۲	۰	۰	۵۴
۸۹	کھیری	۶		۱۲	۹۳
۹۰	(گ) گجرات	۶	۰	۰	۱۰۰
۹۱	گوالیار	۵	۰	۴	۳۹۲
۹۲	گوجرانوالہ	۴	۰	۸	۴۰
۹۳	گورداسپور	۲	۰	۸	۱۳
۹۴	گورکھپور	۱۴	۰	۱۲	۱۹۲
۹۵	گورگاؤن	۳	۰	۰	۳۳
۹۶	گونڈہ	۷	۰	۸	۱۱۴
۹۷	(ل) لاہور	۲۰	۰	۴	۱۷۲
۹۸	لائلپور	۱	۰	۰	۹
۹۹	لدہیانہ	۳	۰	۰	۳۳
۱۰۰	لکھنؤ	۳۲	۰	۲	۶۷۴
۱۰۱	لندن	۴	۰	۰	۹
۱۰۲	(م) مالیرکوٹلہ	۱	۰	۰	۱۸
۱۰۳	مانڈلہ	۱	۰	۰	۶۰
۱۰۴	متھرا	۱	۰	۰	۶
۱۰۵	مدراس	۳	۰	۰	۹۶
۱۰۶	مرادآباد	۲۸	۰	۸	۲۳۶
۱۰۷	مرزاپور	۶	۰	۰	۲۵۷
۱۰۸	مسوری	۱	۰	۰	۶
۱۰۹	مظفرپور	۳	۰	۸	۵۵
۱۱۰	مظفرگڈہ	۳	۰	۸	۲۸
۱۱۱	مظفرنگر	۱۱	۰	۰	۱۷۷
۱۱۲	ملتان	۴	۰	۰	۳۵
۱۱۳	موتی ہاری	۱	۰	۰	۶
۱۱۴	موسلی پٹم	۱	۰	۰	۲۴
۱۱۵	مول ٹین	۱	۰	۰	۱۲
۱۱۶	میانوالی	۱	۰	۰	۷۸
۱۱۷	میرٹھ	۱۹	۰	۰	۱۹۶
۱۱۸	مین پوری	۳	۰	۰	۵۴
۱۱۹	میمن سنگھ مشرقی بنگال	۱	۰	۰	۲۴
۱۲۰	منگرول	۱	۰	۰	۳
۱۲۱	(ن) ناگپور	۲	۰	۰	۲۷
۱۲۲	نرسنگپور	۳	۰	۰	۶۶
۱۲۳	نیمچہ	۲	۰	۰	۱۸
۱۲۴	نینی تال	۴	۰	۰	۶۶
۱۲۵	(ہ) ہردوئی	۱۵	۰	۰	۲۲۶
۱۲۶	ہزاریباغ	۴	۰	۰	۳۳

"ماب"

غالباً آپ عنوان مندرجہ بالا کو دیکھکر تعجب کرین گے کہ اس کے کیا معنی یہ بے محل لفظ اپنے مضمون کے شروع مین کیون لکھا، سُنئیے پیارے کالج کی زبان میں جہان اُردو کے چند الفاظ ایسے موجود ہین جن سے اس ملک میں عام طور پر لوگ واقف نہین اور اگر خواہ مخواہ وہ الفاظ بولے جائین تو بعض حضرات اُلجھنے لگتے ہین اور بعض حضرات تو اُن کو زبان اُردو سے نکالنے کی کوشش کرتے ہین، وہان اگر اس قسم کے چند انگریزی الفاظ بھی ہون تو کیا تعجب ہے۔

شروع ۱۹۰۸ء میں جب الہ آباد یونیورسٹی کا انٹرنس کا امتحان قریب تھا مسٹر ثامی بوجوہ چند در چند پکّی بارک سے علٰحدہ ہوکر ڈنٹن کورٹ میں تشریف لائے ہوے تھے اور اُنکی وجہسے اور نیز چند حضرات کی بدولت یہ بارک ہی نہایت رونق پر تھی مسٹر سعادت علیخان صاحب کا کہانے کا انتظام اگرچہ نہایت عمدہ تھا مگر ہماد گ خلقی نکتہ چینی سے مجبور ہوکر شکایتونکی بھرمار کرتے تھے اُسی زمانہ مین کچھ تو شعر و شاعری کا چرچہ در کچہ تمام دن کی کوفت مٹانے کے لئے انٹرنس کلاس کے پچیس تیس آدمی طاہر علی یا سید علی یا محمد جعفری کے کمرے پر رونق افروز ہوتے تھے۔ کام کیا تو چند اشعار پر نکتہ چینی یا کبھی ماسٹر سعادت علی خان صاحب کے کہانے کے انتظام پر نکتہ چینی یا مرزا زاہد بیگ کا ذکر خیر۔ یہ حضرت بھی انٹرنس کلاس میں بالکل "وہ آرہے ہین" کے جواب تھے اور چونکہ عرصہ سے اسکول میں تھے اس وجہ سے ہم لوگون سے نہایت بے تکلفی ہوگئی تھی۔ خاصکر شعر کہنے کے واسطے مرزا صاحب نے اکثر ہم لوگون کو تختۂ مشق کا کام دیا ہے۔ نہ معلوم آجکل سب لوگ کہان کہان ہین۔ سید محمود الحسن، مرزا فیاض الدین گورگانی۔ مسٹر غنی محمد (رابنسن کروسو کا فرایڈے) طاہر علی، الطاف حسین، سید حسین (لنگی) اور یہ ناشاد خاصکر ممبر تھے۔ خیر اسکول تک تو یہ پارٹی محض دلگی رہی مگر اتفاق سے جب

جب تمام میں پارٹی کے سب ممبر تھرڈ ڈویژن میں باستثنا چند جو اوّل یا دوم میں پاس ہوکر کالج میں آئے تو فرسٹ ایر میں اُس سال کچھ معمول سے زاید طلبار آ گئے۔ ہم لوگون کی یہ سوسائٹی قایم رہی اور طاہر علی کے کمرے پر جو مین گیٹ کے نزدیک تھا پھر نشست و برخاست ہوا۔ ہان ایک شخص کا نام پہلے بہول گیا تہا وہ مسٹر احسان الغفور اور اسمیں شک نہین کہ جب کسی دو ممبرون مین کسی وجہ سے تکرار ہوتی تو یہ حضرت بیچ ہوتے۔ ایک عرصہ تک اس پارٹی کا اجلاس برابر شام کیوقت طاہر کے کمرے پر ہوتا رہا۔ عموماً فورتھ ایر کے لوگ اسکو چند ہم مذاق لوگون کا ایک معمولی جرگہ خیال کرکے چندان التفات نہین کرتے تھے۔ اُس زمانہ میں اتفاق سے ہم لوگون کے مذاق کیلئے مسٹر سید حسن تحنی اور ایک حضرت جو زیادہ لمبی ڈاڑہی کی وجہ سے یقیناً عجوبہ روزگار تھے۔ اور امبسن کروسو کے نام سے ملقب ہوچکے تھے موجود تھے۔ غریب رابنسن کروسو کا بیلی بارک کا ڈائننگ ہال کے نزدیک والا کمرہ مسٹر مرے نے ایجپشین سگریٹ کے واسطے تاک رکہا تہا اور اکثر قریب آدھی رات کے کسی مشعل یا کسی بانس کے ذریعہ سے کہڑکی کے عقب کی جانب سے اُسکی فرمائش ہوتی تہی۔ پہلے پہل یہ حضرت بہت بگڑے مگر بعد میں جب انکو یقین معلوم ہوگیا کہ ایک انگریز کی روح جو عرصہ ہوا کالج بننے سے پہلے یہان مارا گیا تہا اکثر اس طرف چکر لگاتی ہے اور سگریٹ سے بہت خوش ہوتی ہے، تب انکو اطمینان ہوگیا اور بیچارے خود تو سگریٹ پیتے نہ تھے مگر مسٹر مرے کے لئے عرصہ تک ایک بکس ہفتہ وار اسمعیل کے یہان سے لاتے تھے۔ اسی زمانہ میں سالانہ الکشن آگیا اسوقت تک ہملوگونکی تعداد قریب بیس تک پہنچ گئی تھی ہم لوگون نے پارٹی فیلنگ سے تنگ آکر ارادہ کرلیا تہا کہ کسی جانب ووٹ نہین دینگے اور ایک تیسرا ایجنٹ پیش کرینگے، جسپر وز یونین کلب میں ڈبیٹ کے بعد سب لوگونکو معلوم ہوا تو چھکے چھوٹے۔ میرے دوست سید اشفاق حسین ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ایک پارٹی کے اور مسٹر تصدق احمد خانصاحب دوسری پارٹی کے اُسوقت لیڈر تہے، ان لوگونکو بڑی فکر ہوئی مگر اس مرتبہ ہم لوگون نے کسی جانب ووٹ نہین دیا اور اُسی وقت سے کالج کی زبانین دونون پارٹی لیڈرون نے ہمارا نام ماب رکہدیا۔ راقم ناشاد ذرہ آرہ

"وہ جارہے ہین"

مسٹر آغا صفدر خان صاحب نے بھی کیا معمہ ناظرین "اولڈ بوائے" کے سامنے پیش کیا ہے۔ بھلا سنہ ۱۹۰۳ سے سنہ ۱۹۰۵ تک کے طلبا میں کون ایسا ہوگا جو اس معمہ کو حل کرسکتا ہو۔ ممکن ہے کثر لوگ نام سے ناواقف ہون مگر انکی تصویر تو خطاب سنتے ہی آنکھونکے سامنے آکھڑی ہوتی ہوگی۔

حضرت "وہ" نے اپنے اکثر احباب کے دلونمین اپنے خطاب کی پر لطف تاریخ سے اپنی یاد پھر سے تازہ کردی اور اس زمانے کے دیگر دلچسپ واقعات کو بھی انکی نظرون کے سامنے لاکھڑا کیا جس سے مارے خوشی کے میری آنکھون میں تو آنسو بھر آئے مگر اس خطاب کی وجہ تسمیہ اور خطاب کے آغاز سے بے خبر ہونیکی وجہ سے انھون ایسی ایجاد کا حق ایک غیر مستحق شخص کو دیکر سہرا میرزا محمد ابراھیم بیگ صاحب کے سر باندھا ہے، سچ تو یہ ہے انہین اپنے خطاب سے مطلب اسکی ساخت و ایجاد سے کیا غرض اور اسکے اصلی وجہ کا پتہ حضرت "وہ" کو لگنا بھی دشوار تھا۔ چونکہ مجھے اس دلچسپ خطاب کے اغاز کے حالات و واقعات معلوم ہین اس لئے اگر میں بطور ضمیمہ اس قصہ میں چند سطور پیش کردن تو خالی از لطف نہوگا۔

سنہ ۱۹۰۳ء میں جس سے یہ واقعہ تعلق رکھتا ہے کمرے نمبر ۱۱-۱۲-۱۳ میں کرکٹ کپتان کے خاص دوست رہا کرتے تھے۔ میاں مسعود "نامی" (انکے خاص دوست انہین اسی طرح سے خطاب کرتے تھے) اگرچہ رہتے تو کمرے نمبر ۱۱ میں تھے مگر ان کا کھانا پینا آرائش زیادہ تر اسی کمروں میں ہوتی تھی۔ اس خاص زمانہ میں قبلہ حضرت "وہ" کا ورود ہوا۔ میاں مسعود کی جولانی طبع نے ہم سبکی دلونمین چھری کانٹے سے کھانا کھانے کا شوق پیدا کردیا تھا۔ چھری کانٹے کا سب ضروری سامان چھ سات آدمیوں کیلئے مہیا کردینا میاں مسعود کے آگے کچھ چیز نہ تھا۔ کلنز ہوٹل کے منیجر سے گویا خاندانی مراسم تھے انھون نے ایک گھنٹہ میں کانٹے چھری۔ پلیٹین۔ نیپکن وغیرہ سے کھانیکی میز کو سجا دیا۔ کمرہ نمبر ۱۲ ہماری خوابگاہ

قرار دیا گیا۔ کمرہ نمبر ۱۳ کو حسب معمول خاص اعزاز گول کمرہ بننے کا ملا۔ اور کمرہ نمبر ۱۴ ہمارے ڈائننگ روم اور مودی خانہ کا کام دینے لگا۔ ایکروز صبح کو ہم سب دوست کھانا کھا رہے تھے اور انگریزی میں مختلف مضامین پر بحث میں مشغول تھے کہ یکایک میاں مسعود گلے کی رگیں پھلا کر بیساختہ چلا اٹھے ارے لو "وہ جا رہے ہیں وہ جا رہے ہیں" "وہ جا رہے ہیں" اور دوڑکر برآمدہ میں جا کھڑے ہوے۔ اس آواز پر ہماری نظر دروازہ کے باہر گئی تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک صاحب صورت "فٹ بال" لڑھکتے ہوئے جا رہے ہین ہم سب اُنکو دیکھنے کے لئے باہر برآمدہ میں آ کھڑے ہوئے اور سب کے مُونھ سے "وہ جا رہے ہین" کا گیت نکلنے لگا۔ معلوم نہین حضرت "وہ" کے دل و دماغ کی حالت مارے غصّہ کے کیا ہو گی مگر ہمارے تو ہنستے ہنستے پیٹ پھٹنے لگے اور اس شور وغل کی آواز سنکر بارک بھر کے لڑکے اپنے اپنے کمرون سے نکلکر ہمارے ساتھ اس کورس میں شریک ہو گئے۔ جہانتک مجھے خیال ہے حضرت "وہ" کئی روز تک ڈائننگ ہال بھی جاتے ہوے چکر کھا کر جایا کرتے تھے۔ کیونکہ پھر تو اس کورس نے خاص سُر اختیار کر لیا تھا جسکی تال تالیوں یا اینٹوں یا کتابون سے دیجاتی تھی۔ مگر اتفاق سے چونکہ حضرت "وہ" بذات خود ظریف الطبع اور ہوشیار شخص تھے اُنہون نے اس خطاب کو خوب نباہا۔ اگر کوئی سادہ لوح ہوتے تو شاید لاہور ہی کے کسی کالج مین جا کر بی۔اے کی ڈگری لیتے جب لڑکون نے دیکھا کہ اُن کو اس چھیڑ چھاڑ سے غصہ ہی نہین آتا ہنسکر مذاق میں ٹال دیتے ہین "یا خود وہ جا رہے ہین وہ آ رہے ہین" استعمال کرنے لگے ہین اور اینٹ پتھر سے کام ہی نہین لیتے اور نہ کبھی "پراکٹر" یا "پرووسٹ" تک شکایت لیکر گئے۔ تو وہ لطف کہان۔ البتہ اسکول کے لڑکے مزے سے لیکر بے ڈھڑک "وہ آ رہے ہین اور وہ جا رہے ہین" کے آوازے عرصہ تک لگاتے رہے۔

حضرت "وہ" نے ایک اسکول کے لڑکے پیٹنے کا ذکر تو کیا مگر اس واقعہ کے اصل جزو کو بھول گئے جو سب سے زیادہ پر لطف ہے۔

دفعتہ ایک روز شام کا ذکر ہے کہ جب اذان کی آواز پر کھیل بند کر کے لڑکے کرکٹ اور فٹ بال فیلڈ سے واپس ہو رہے تھے اور ادھر میاں "وہ" بھی اپنے خاص پنجابی دوستوں کے ہمراہ قلعہ کیجانب سے سیر کر کے واپس آ رہے تھے سب کا مقابلہ مسجد کے دروازہ پر ہوا - مسٹر مسعود احمد مرحوم کے چھوٹے بھائی نے جو فتنہ مجسم تھا آگے بڑھ کر "وہ جا رہے ہیں" کی آواز نکالی - مگر ایک اسکول کے لڑکے کی دلیرانہ گستاخی کی کہانتک برداشت ہوتی - میاں "وہ" کے دوستوں میں سے ایک نے زور سے چانٹا دیا - مگر بے سود - یہ شرارت کا پتلہ بہلا کیا چپ ہوتا - کہ اٹھا - "وہ مار رہے ہیں" "وہ مار رہے ہیں" اسپر جسقدر لڑکے جمع تھے سب نے قہقہہ لگایا مارنیوالے صاحب کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور سب اس واقعہ سے محظوظ ہو کر "وہ مار رہے ہیں" کا گیت گاتے ہوئے اپنے اپنے کمرونکو چلدیے اکثر لوگ ابتک شاید میری طرح تنہائی میں بھی اس واقع کو یاد کر کے ہنس دیتے ہونگے - اور مینے تو اس واقعہ کا ذکر کالج میں خطابات اور نامزدگی ہوزنیت کے تذکرہ میں اکثر سینیر اولڈ بوائز سے کیا ہے "معلوم نہیں آجکل "وہ" کہاں ہیں"۔

ایک ہندوستانی نما پنجابی از یڈیٹر

ہمیں اس قسم کے مضامین بہت پسند ہیں کیونکہ انسے ہمیں ایک دوسرے کی اور کالج کی یاد آجاتی ہے - مسٹر آغا صفدر خان آجکل لاہور میں قانون پڑھ رہے ہیں اُن کے اکثر احباب نے انہیں فوراً پہچان لیا - ان کا پتہ لا کالج ہوسٹل لاہور ہے - (اولڈ بوائے)

احمد

علی گڑھ کا ایک قصہ

مجھ میں اور اُسمین عمر کا تفاوت تھا، درجہ کا تفاوت تھا، اور غیرہ سب تو ٹھیک لیں جاتے طبیعت کا تفاوت تھا، پہلی ملاقات، ابھی ملاقات کہاں ہوئی، کیونکہ مینے اُسے لڑکون کے ایک غول ہی مین دیکھا تھا، یون کہئے پہلی ہی نظر مین میں نے اپنی سائکالوجی اور قیافہ شناسی کی تمام قابلیت اور قوت صرف کر کے پہچان لیا کہ احمد نہایت شریر مسخرہ لڑکا ہے۔ میں نے اسکو کسی عالم میں دیکھا تھا، ابھی دررزق دائننگ ہال کا دروازہ نہین کھلا تھا۔ پہلی گھنٹی ہو چکی تھی۔ لڑکے جوق کے جوق مختلف بارگون سے آ آکر پکّی بارک کے برآمدون میں اکٹھے جمع ہو رہے تھے۔ گفتگوئین زور شور سے ہو رہی تہین، مگر اس کل زور شور میں احمد کی آواز سب پر غالب تھی، کاش یہی ہوتا کہ آواز سب پر غالب ہوتی۔ نہین اُسکی شخصیت سب پر غالب تھی اور اسوقت جبکہ وہ اُس کل حلقہ کو جسمین وہ تھا گرما رہا تھا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ اُسکی ہیئت مشوّیہ سے ایک ہوائے باردہ نکلی اور میرے حسیات دلکو ٹھنڈا کر گئی، اسکو خبر نہ تھی۔ لیکن عین اُسوقت جبکہ اُس کا دل دماغ اسکی آنکھیں بشرہ غرض اُس کے ہاتھ پاؤن اوروں کے لئے باعث الفت تھے مین اسکی طرف اپنے دل میں نفرت پیدا کر رہا تھا۔ احمد غنڈا تھا، لی (   ) تھا اور مین کبھی اسکی ملاقات کی کوشش نکرونگا! نئی بارک کی طرف سے ایک اور ٹولی آئی اور گویا ایک معمولی اور ضروری کیفیت تھی۔ سب بلا کسی بات کے کہے ہوئے اسی کی طرف جھک پڑے۔ احمد نے اُنمین سے اک کا کندھا پکڑ کے اور اپنی پوری قوت سے اُسے ہلا کے کہا۔

"اتنے دن سے کہاں غائب تھے؛ لگاؤن ایک چانٹا"

"یہین تھا، ہوتا کہاں۔"

"یہین تھے تو مے کیون نہین!!"

میں اس سوال کیجواب کا منتظر تھا۔ اپنے اصول موضوعہ کے مطابق میں لوگوں کے تعلقات کا اندازہ
اُس گفتگو کے طرز و انداز سے کیا کرتا تھا جو وہ آپس میں کریں۔ "ملتا کہاں۔ سیکڑوں مرتبہ تمہارے
کمرہ پر گیا، مگر تمہیں کبھی نہ پایا"۔

میں نے فوراً اصول موضوعہ پر نظر ڈالی، جو لڑکا تکلمانہ انداز سے اپنے کلاس فیلو سے
یہ کہتا ہے کہ "تم ایک ہفتہ سے ملے کیوں نہیں" اور دوسرا اس کے جواب میں یہ نہیں کہتا کہ
"ملتا کس سے، تم نے کبھی صورت بھی دکھائی" بلکہ یہ کہتا ہے "ملتا کہاں۔ سیکڑوں مرتبہ تمہارے
کمرہ پر گیا، مگر تمہیں کبھی نہ پایا" وہ گو ہزار دعوے مساوات کرے، وہ اُسے اپنے سے بڑا سمجھتا ہے اور
یا تو اُسکی عزت کرتا ہے یا اُس سے ڈرتا ہے، احمد کی عزت کون کریگا، پس یہ ضرور اُس سے ڈرتا ہے۔
محبت کا نام نہیں لینا چاہیئے، دروازہ کھلا، قبل اس کے کہ کھانے کی دوسری گھنٹی "حی علی الطعام"
موگری اور تھالی کی زبان سے ادا کرے۔ ایک ہو کا مگر پر صحت شباب کا زندہ سیلاب
ہنستا، ہنساتا، چیختا چلاتا، سیٹی بجاتا۔ زمین پر دھمک دھمک کے قدم رکھتا ہوا، ڈراتا ہوا،
داخل ہوا۔ میں بھی اک کس مپرس تنکے کی طرح اس سیلاب میں تھا، اور دروازہ سے ڈائننگ
ہال کے اندر پہونچتے پہونچتے جو قدم میں نے اٹھائے وہ میری عمر کے ارادی حرکتوں میں شمار
نہیں ہونے چاہئیں، امید ہے کہ "کراماً کاتبین" نے اس بات کو نوٹ کرلیا ہوگا۔

ڈائننگ ہال میں اک محشر اکل تھا۔ ہر شخص اپنے ہاتھوں اور دانتوں سے
جسقدر جلد اور جسقدر زیادہ کام لے سکتا تھا لے رہا تھا۔ باز جسطرح اپنے شکار پر گرتا ہے احمد اسطرح
مختلف لڑکوں کے پاس جاکر، اُن لڑکوں کے پاس جو پرہیزی* کھانا کھارہے تھے، انکی پلیٹوں پر
گرتا تھا، اور کسیکی مجال نہ تھی کہ کچھ چون و چرا کرے۔

احمد کھانے سے فارغ یا زیادہ صحیح یہ کہ اُس سے مطمئن ہوکر کہ اب اور کھانا باقی ہی نہیں رہا
ڈائننگ ہال سے برامد ہوا۔ اور پہلے کی بہ نسبت زیادہ شور مچاتا ہوا۔ وہ شکم سیر ہوچکا تھا۔ ہر شخص
پر پھبتی کہتا ہوا، اس کا مونھ چڑاتا ہوا، اُس کا ہاتھ مڑورتا ہوا، اُس کو ڈانٹتا ہوا، اُسکو ڈپٹتا ہوا
اپنے کمرے میں پہنچا۔ گرمیوں کی راتیں تھیں، اپنی کمرے کے سامنے آبیٹھا۔ وہاں اک مجمع تھا، اور کیا کہوں

(نوٹ) پرہیزی کھانے کی تعریف شوکت علی صاحب کرچکے ہیں۔

کیسا مجمع تھا۔ طالب علمون کا مجمع تو تھا نہین، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بھوت پریت زیر زمین ہیڈ بہ جہنم
مین قید ہین، چھوٹ آئے ہین، مین بدقسمتی سے اُسی بورڈنگ ہوس ہین، گو احمد کے کمرے
سے بہت دُور لیکن اُسی لائن مین رہتا تھا۔ مین تازہ وارد تھا، اور یہانکی زندگی سے متوحش
میو سنٹرل کالج مین جہان سے مین آیا تھا علم کے طالب رہتے تھے، مگر یہان علیگڈھ مین یہان
وہ رہتے تھے جنھین مین غول بیابانی کے سوا اور کوئی لقب نہین دے سکتا۔ احمد، شریر، ستھری
غنڈے نہ لکھنے پڑھنے والے احمد کے یہان تو یہ مجمع ہوا اور مین جو ایسی زبردست شہرت لیکر
میو سنٹرل کالج سے آیا تھا جسکی فلسفہ دانی کے خود ڈاکٹر ٹیبو اسقدر تعریف کرتے تھے۔ یون
کس مپرسی کی حالت مین ہون۔

مین اپنے کمرے سے لیمپ باہر نکال لایا اور یہ خیال کرنیکی بات تھی کہ طالبعلمون کے اس گروہ
مین صرف میرے ہی کمرہ کے سامنے ایک لیمپ اور کتابین تھی۔ مین مانتا ہون کہ چاندنی رات
تھی اور نیچر غرق نور اور قلب انسانی غرق طرب، لیکن طالبعلم کو چاندنی یا نیچر یا قلب انسانی سے
کیا غرض۔

غول کے اُس مجموعہ مین خاموشی کا کہان گذر ہو سکتا تھا، قہقہون پر قہقہون کی آوازین
آ رہی تھین۔ تاہم مین اتنی دور تھا اور اپنی توجہ کو ایسی کوشش سے کتاب پر جمائے ہوئے تھا کہ یہ قہقہے
مجھے زیادہ پریشان نہ کرتے تھے۔ کہ یکایک احمد کی کرخت اور بھاری آواز اپنے پورے کرختگی اور بھاری
پن کے ساتھ اور آوازونکی سپہ سالاری کرتی ہوئی۔ مگر انہین اپنی معیت مین لئے ہوئے سنائی دی
یہ ایک کورس تھا۔ پڑھو ہین پڑھو ہین وہ تو ؎ دیکھو نہ اُنکی جانب دیکھو۔

دور ہی رہنا اے لوگو!!! ؎ کاٹ نہ کھائین وہ تمکو۔

پڑھو ہین پڑھو ہین وہ تو ۔ یہ کورس ختم ہی ہوا تھا۔ اور شور کے مقابلے مین یہ سناٹا بہت زیادہ گہرا معلوم
ہوتا تھا۔ کہ یکایک اس مجمع مین سے کسی صاحب نے جنھین مین ہمیشہ ڈھونڈتا ہی رہا کہ انکا سریلا گلا گھونٹون کیونکہ
انکی چوٹ بہت زیادہ لگتی ہوتی تھی، لوچ بھری اور پرترنم مگر بات دار آواز سے جو سارے بورڈنگ مین
گونج گئی گانا شروع کیا۔ ؎ دیکھنا پیر مغان حضرت زاہد تو نہین ؎ کوئی بیٹھا نظر آتا ہے پس خم مجھکو۔

پھر خود ہی دہرایا۔
"دیکھنا: دیکھنا پیر مغان آن ان ن حضرت زاہد تو نہین" دوسرے مصرعہ کو جلدی سے ادا کیا۔
"کوئی بیٹھا نظر آتا ہے پس خم مجھکو"۔ اور گویا سارا مجمع سازش کے لئے بیٹھا تھا۔ اِسکے
ختم ہوتے ہی۔ کورس پھر شروع ہوا، مگر اب کے سرپٹ چلا۔

پڑھو ہین پڑھو ہین وہ تو،،،، ؛ دیکھو نہ اُن کی جانب دیکھو۔
دور ہی رہنا ارے لوگو، ؛ کاش نہ کھائین وہ تم کو

پڑھو ہین، پڑھو ہین وہ تو، پڑھو ہین وہ تو۔
اِس شور مین میرکیا اقلیدس ہوتا تو وہ بھی اپنی توجہ قایم نہ رکھ سکتا۔ مین نے چپکے سے اُٹھ کے لمپ اور
کتابین اندر رکھین میرے باہر نکلتے ہی اک فرمائشی اور بہت طول طویل قہقہہ اسی مجمع نے مری طرف
مگر میری طرف سے مُوںھ پھیر کر لگایا۔

یلدرم

ایم اے۔ او کالج علیگڈہ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن

جلسہ سالانہ ایسوسی ایشن منعقدہ علی گڈہ بتاریخ ۲۵ مارچ ۱۹۱۰ء میں برطبق زیر ولیشن عنا
مندرجہ ایجنڈا پیش کردہ مسٹر محمد علیصاحب (آکسن) بابت ترمیم قواعد انتخاب ٹرسٹیان یہ تجویز ہوا تھا کہ یہ
ریزولیشن سال آئندہ کیلئے ملتوی کیا جائے اور ممبران ذیل کی ایک کمیٹی منتخب ہوئی تھی جو فرداً فرداً
اپنی تحریری رائے اس مسئلہ کے متعلق یکم اکتوبر ۱۹۱۰ء تک دفتر ایسوسی ایشن میں ارسال کردین اور ایام تعطیل
دیوالی میں اسکا تصفیہ کیا جائے۔ ممبران کمیٹی
آنریبل صاحبزادہ احمد خانصاحب بیرسٹرایٹ لا علیگڈہ۔ مسٹر احسان الحق صاحب بیرسٹرایٹ لا جالندھر
مسٹر ممتاز حسین صاحب بیرسٹرایٹ لا لکھنؤ۔ مسٹر عزیز مرزا صاحب بی اے۔ لکھنؤ۔
مسٹر شوکت علی صاحب اسسٹنٹ اپیم ایجنٹ بنارس۔ مسٹر محمد علی صاحب (آکسن) نائب صوبہ بنارس
مسٹر سید سجاد حیدر صاحب اسسٹنٹ پولٹیکل افسر ڈیرہ دون۔ مولوی سید طفیل احمد صاحب سب رجسٹرار بریلی

شیخ عبداللہ صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل علی گڑھ۔ مولوی محمد حبیب اللہ خانصاحب کا مدار ریاست گدوڑ۔
محمد عبدالسلام آنریری سکرٹری الیوسی ایشن۔ وقت مقررتک، سید سجاد حیدر صاحب۔
مولوی محمد حبیب اللہ خانصاحب، مسٹر ممتاز حسین صاحب، شیخ عبداللہ صاحب، صاحبزادہ آفتاب احمد
خان صاحب۔ محمد عبدالسلام کی تحریری رائین دفتر الیوسی ایشن میں موصول ہوئین اور ۲۰ نومبر
سنہ کو کالج کلب میں ۹ بجے دن کے حسب تعمیل تجویز مذکورہ بالا ممبران کمیٹی کا ایک جلسہ ہوا
جسکی کاروائی ذیل میں درج ہے۔

نام ممبران موجودہ اجلاس

مولوی محمد عزیز مرزا صاحب، صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب، مسٹر ممتاز حسین صاحب، شیخ عبداللہ
مولوی سید طفیل احمد صاحب، محمد عبدالسلام بنا بہ تحریک شیخ عبداللہ صاحب وکیل و بہ تائید صاحبزادہ
آفتاب احمد خانصاحب، مولوی محمد عزیز مرزا صاحب پریسیڈنٹ جلسہ منتخب ہوے۔
محمد عبدالسلام آنریری سکرٹری الیوسی ایشن نے بہ اجازت پریسیڈنٹ ممتاز حسین صاحب سید سجاد حیدر
مولوی حبیب اللہ خان صاحب کے تحریری رائین پڑھ کر سنائین۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب
نے اپنی تحریری رائے جو بہت طویل اور بہت مشرح تھی خود پڑھ کر سنائی۔ شیخ عبداللہ صاحب نے
بھی اپنی رائے کا خلاصہ پڑھا۔ پریسیڈنٹ صاحب نے تجویز فرمایا کہ جن ممبران کی تحریری رائین آئی ہین
اور جو شریک جلسہ نہین ہین اُنکی رائے اسوقت تصفیہ امورات زیربحث مین شمار نہین کیجا سکتی ہین
کارروائی جلسہ کو شروع ہوئے ایک گھنٹہ ہوا تھا کہ جناب حاذق الملک حکیم اجمل خان صاحب کا
ایک تار بنام آنریری سکرٹری الیوسی ایشن اس مضمونکا آیا کہ نواب صاحب رام پور نے محمد علی صاحب کو روک لیا
ہے جلسہ ملتوی کیا جائے۔ مولوی عزیز مرزا صاحب نے فرمایا کہ جلسہ ملتوی کیا جاے۔ لیکن اتفاق
رائے دیگر ممبران موجودہ سے تجویز ہوا کہ جلسہ ملتوی نہین کرنا چاہئیے جو ممبر باہر سے آئے ہین اُنکو دوبارہ
آنے مین دقت ہوگی۔

بعد پڑھے جانے تحریری راؤنکے ممبران موجودہ ایک عرصہ تک آپسمین مباحثہ کرتے رہے اور کامل
چار گھنٹہ کے غور اور تبادلہ خیالات کے بعد بمنظوری پریسیڈنٹ صاحب امورات ذیل فیصلہ کمیٹی قرار پائے

(۱) ریزولیوشن محمد علی صاحب جس حیثیت سے وہ پیش ہوا ہے بالاتفاق ممبران موجودہ کو اختلاف ہے

(۲) صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب کی یہ رائے ہے کہ ٹرسٹیان کا انتخاب دوامی ہوا کرے موجودہ قانون میں ترمیم کی ضرورت نہیں ہے۔ شیخ عبداللہ صاحب و مولوی طفیل احمد صاحب نے انکی تائید کی

محمد عبدالسلام، محمد عزیز مرزا صاحب، مسٹر ممتاز حسین صاحب کی یہ رائے ہے کہ دس ٹرسٹیان کا انتخاب آئندہ دوامی اور باقی ٹرسٹیوں کا میعادی ہو۔

(۳) بالاتفاق پاس ہوا کہ موجودہ ٹرسٹیز دوامی ہیں۔

(۴) بالاتفاق پاس ہوا کہ قاعدہ انتخاب ٹرسٹیان و الکوریٹ بدستور رہے۔

(۵) مولوی طفیل احمد صاحب صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب، محمد عبدالسلام کی یہ رائے ہے کہ خاص خاص انجمنہائے اسلامی کو جنکو ٹرسٹیان کالج اس کا اہل قرار دیں اور وہی اس کا معیار بھی قایم کریں یہ حق دیا جائے کہ انکا سکرٹری ایکس آفیشیو ٹرسٹی کالج ہوا کرے۔

(۶) ممتاز حسین صاحب و عزیز مرزا صاحب کو رائے مندرجہ نمبر ۵ سے اس ترمیم کیساتھ اتفاق ہے کہ وہ انتخاب بھی ایسی انجمنہائے اسلامی کو حاصل رہے۔ انکا قایم مقام پانچ سال کے واسطے ہوگا،

(۷) ممتاز حسین صاحب کی یہ رائے ہے کہ ممبران آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں جو پانچ برس تک برابر چندہ دیتے رہے ہوں اور تین اجلاس کانفرنس میں شریک ہوئے ہوں، انمیں سے دس ٹرسٹی منتخب ہوا کریں اور موجودہ ٹرسٹی انکو منتخب کریں، علی ہذا القیاس ایسے معطیوں میں سے جنہوں نے عرصہ پانچ سال میں کالج کو ہمیشہ چندہ دیا ہو۔ موجودہ ٹرسٹی دس ٹرسٹی منتخب کیا کریں

ط

دستخط محمد عزیز مرزا پریسیڈنٹ

دستخط مسٹر ممتاز حسین صاحب، شیخ عبداللہ صاحب، صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب

محمد عبدالسلام

ڈربی ریس

مکرمی! آپکے پرچہ کو دیکھکر مین اسقدر بیخود ہوگیا کہ اُسکے ختم تک دُنیا و مافیہا کا کچہ خیال نہ آیا۔ خدا اسکو اپنی اغراض پورا کرنیکے لیے عرصہ دراز تک زندہ رکھے۔ مین اُسوقت کا ایک اولڈ بوائے ہون جب ہمارے مقتدائے قوم سید زندہ تھے، گو مجھے اپنی بدقسمتی سے وہان بہت کم رہنے کا اتفاق ہوا لیکن میرے دل و دماغ پر اُس ہوا کے جھونکے ایسی تاثیر کر گئے ہین کہ جب اپنے نام کیساتھ اولڈ بوائے کا لفظ سُنتا ہون فخر کرتا ہون۔

اس پرچہ کو ہم لوگونکی تفریح کا محض آلہ بننا چاہیے بلکہ اُس کالج کیواسطے جسکی بدولت ہماری بہت سی امیدین پوری ہوگئین اور بہت سی ہونیوالی ہین خدمت کرنا لازمی ہے۔

منجملہ اور باتون کے ایک صورت میرے ذہن مین یہ آئی ہے کہ اولڈ بوائے کے ذریعہ سے تمام بھائیونکو توجہ دلانی چاہیئے کہ وہ دس روپیہ سالانہ آپکے دفتر مین ڈربی ریس کے ٹکٹ خریدنے کیواسطے بھیجدیا کرین۔ ٹکٹ نکلنے پر وہ رقم کالج کو دیجائے۔ بارہ ہزار روپیہ لیکر چار لاکھ روپیہ تک ایک ٹکٹ پر ہمارے اُولڈ بوائے کو مل سکتے ہین، جو کالج کیلئے اُسکی جانب سے ایک معقول نذرانہ ہوگا، اس کا سلسلہ اولڈ بوائے کی زندگی تک جاری رہنا چاہیئے۔ اسبات کی پروا نہونا چاہیئے کہ چندہ کم آیا یا کسی خاص شخص نے دیانہ خریداران اولڈ بوائے پر یہ قسم لازمی کیجائے بلکہ ہر شخص کی خوشی پر چھوڑدیا جائے، یہ بھی ممکن ہے کہ کم مقدرت کے بھائی اگر دس روپیہ نہ عطا کر سکتے ہون تو تو پانچ یا اُس سے کم جمع کرین چند اسما کی شرکت کیساتھ ایک ٹکٹ خرید لیا جائے۔ کیونکہ ٹکٹ دس روپیہ سے کم قیمت پر نہین ملتا ہے۔ اس لئے رقم محدود کرنیکا احتیاج ہے۔ اگر پانچ نام اور ہوجائینگے تو اس سال چھٹا نام میرا ہوگا۔ جس کے لئے دس روپیہ بھیجنے کو تیار ہون۔ نیازمند

مصطفےٰ علی خان۔

صاحبزادہ مصطفی علیخانصاحب ہوم سکرٹری حضور نوابصاحب بہادر والی ریاست رامپور کے ہم ممنون ہین کہ انہون نہ صرف اپنے پیام امید کو جس لفظونسے یاد کیا ہے بلکہ مادر کالج کی بہتری کیلئے ایک معقول تجویز بھی پیش فرمائی ہے لیکن اسمین کلام ہے کہ ہمارے علماء کرام اسے جائز رکھینگے اور عام مسلمان بھی اسپر ٹھنڈے دلسے غور کرینگے۔

(اولڈ بوائے)

اولڈ بوائز

دسمبر کے رسالہ کیساتھ ہم نے "کامریڈ" کا اشتہار تقسیم کیا تھا جو یقیناً ہماری طرح "اولڈ بوائز" کے ناظرین نے بڑی دلچسپی کے ساتھ دیکھا ہوگا۔ اب ہمارے پاس اس اخبار کا پہلا نمبر آگیا ہے اسلامی پریس مین ایک زبردست اخبار کے اضافہ کی ضرورت تھی جسے ہمارے عزیز بھائی اور سب سے پہلے علیگڈھی دوست مسٹر محمد علی بی اے (آکسن) نے پورا کیا ہے۔ لٹریری حیثیت سے مسٹر محمد علی کا جو درجہ ہے اُسے ہمارے ناظرین بخوبی جانتے ہین اس لئے ہمین کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہین۔ البتہ ہم اپنے بھائیون سے یہ ضرور درخواست کرین گے کہ وہ اس اخبار کو خرید کر مسٹر محمد علی کی ہمت بڑھائین اور اپنی جماعت مین اس پرچہ کی عام اشاعت کی کوشش کرین۔ مسٹر محمد علی نے بڑودہ سے ایک سال کی رخصت لے لی ہے اور یقین کہ وہ قومی خدمات کی خاطر اب وہان واپس نجائین۔ اس کے سوا انھون نے وسطی ہند کی ایک اسلامی ریاست کی بیش قرار ملازمت سے انکار کردیا ہے۔ اس صورت مین ہمین اسباب کی کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارے قابل فخر بھائی کی ہمت افزائی ہوتی رہے۔

ہمارے اصرار، حضور نواب صاحب بہادر والی رامپور کے حکم اور ہز ہائینس آغا خان اور نواب وقار الملک بہادر کی خواہش پر ہمارے عزیز دوست مسٹر شوکت علی نے "مجوزہ محمڈن یونیورسٹی کیلئے کام کرنے کی خاطر ایک سال کی رخصت لی ہے۔ اب وہ مختلف مقامات مین دورہ کرکے اسلامی یونیورسٹی کے لیے روپیہ جمع کرین گے ہم دعا کرتے ہین کہ فضل خدا انکے شامل حال ہو اور جہان جائین خاطر خواہ کامیابی حاصل کرین۔ ناظرین "اولڈ بوائز" یہ نہ خیال فرمائین کہ مسٹر شوکت علی اپنے اس "پیام امید" سے ایک منٹ کے لیے بھی جیسا کہ انھون نے وعدہ فرمایا ہے غافل رہین گے۔

مسٹر سید مصطفیٰ حسین رضوی نے یونیورسٹی کے متعلق کام کرنے کو ڈھائی مہینہ کی رخصت لی ہے اور مسٹر ظفر عمر اور محفوظ علی صاحبان تین تین ماہ تک اس قومی کام مین مدد دین گے۔ ہماری دعا مین اگر کچھ بھی اثر ہے تو خداوند عالم سے ہم ضرور یقین کرتے ہین کہ ہمارے اِن بھائیون کو اپنے مقاصد مین کامیابی حاصل ہوگی۔

ہم اپنے دوسرے بھائیون سے درخواست کرتے ہین کہ خدارا اب دیر نہ کرو اور اللہ کا نام لے کر

کام کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ اگر تم باہر جا کر کام نہین کر سکتے تو اپنے اپنے مقام اور اپنے اپنے ضلع مین ہی کام کرو اور سید علیہ الرحمۃ کی اِس دیرینہ تمنا ہی کو نہین بلکہ اپنی اشد ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کرو تم ہندوستان کے ہر گوشے مین پہیلے ہوئے ہو تمہاری جماعت بڑی ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ تم مین قومی احساس موجود ہے اور تم قومی ضرورتون کو سمجھے ہوئے ہو ایسی صورت مین اگر تم نے اپنی قوم کی مدد کی تو یقین جانو کہ بقول ہز ہائنیس آغا خان کبھی اسلامی یونیورسٹی کے قایم ہونے کی امید نہین کیجا سکتی۔ بہائیو! تم مین سے جو صاحب کام کرنے کے لیے تیار ہون وہ اسسٹنٹ ایڈیٹر کے ذریعہ سے مسٹر شوکت علی کو لکھین۔

ڈاکٹر ناظر الدین حسن صاحب ولایت سے والیس آ گئے ہم ہر شخص کو اُن کا مداح پاتے ہین اور اُنسے ملنے کا ہمین بہت اشتیاق ہے خدا وہ دن جلد لائے کہ ہمارے بہائی کی قابلیتون سے قوم کو فائدہ حاصل ہو ہم جناب قبلہ مولوی نظام الدین حسن صاحب کو دید پسر کی مبارکباد دیتے ہین۔

ہم نہایت درجہ خوش ہین کہ ہمارے عزیز بہائی مسٹر عبد الحمید خان منیجر کورٹ آف وارڈس مرزاپور بعہدہ ڈپٹی کلکٹری نامزد ہوئے ہین۔ نیز مسٹر اسلام نبی اور مسٹر عبد الحلیم کا انتخاب ڈپٹی کلکٹری کے لیے ہوا ہے ہم تینون صاحبون کو مبارکباد دیتے ہین۔

ہمکو یہ سنکر بیحد خوشی ہوئی کہ ہمارے عزیز بہائی مسٹر عین الدین کو جو آجکل الہ آباد مین بکار خاص متعین ہین ہز آنر سر جان ہیوٹ نے خاص طور پر حضور ویسرائے سے جب کہ وہ نمایش الہ آباد ملاحظہ فرما رہے تھے یہ کہکر ملایا کہ یہ علیگڈہ کی تعلیم کا نمونہ ہین اور یہان نہایت عمدہ طریقہ سے کام کر رہے ہین جس پر حضور ویسرائے نے عین الدین سے ہاتھ ملایا اور اظہار خوشنودی فرمایا۔ خدا کا شکر ہے کہ اولڈ بوائز اپنی مادر مہربان کی عزت کے لیے ہر وقت کوشان رہتے ہین۔

[illegible] کا ہجوری کا کامیابی کیلئے

سُراغ لگایا ہی یونیورسٹی میں اُنکی بڑی وقعت ہے ہماری ٹیم جب بمبئی گئی تھی تو انھوں نے فرصت کا وقت اپنے بھائیوں کے ساتھ گذارا اور سب اُنسے ملکر بہت خوش ہوئے تھے۔

محمڈن یونیورسٹی فنڈ

علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال نے اپنے قومی کالج کی محبت کا عملی ثبوت حال ہی الہ آباد میں دیا جن لوگوں نے ہر ہائینس اور ہز ہائینس آغاخان کو گفتگو کرتے سُنا وہ ہرگز اُسوقت کو نہ بھولیں گے ہمیں اسوقت یقین ہو گیا کہ اب محمڈن یونیورسٹی قایم ہو گئی ہر ہائینس نے فرمایا کہ ایک لاکھ میں اسوقت دیتی ہوں مگر کبھی دیتی ہوں کہ اور بھی دونگی اسکے علاوہ میں نے خود دیکھا ہی کہ علیگڈہ میں ہماری قوم کے بچے گرمی میں سخت تکلیف برداشت کرتے ہیں میں اُنھیں بجلی کی روشنی اور پنکھے بھی دونگی اور ریاست کے جاگیرداروں اور عمال سے بھی روپیہ لاؤنگی اور اگر ہز ہائینس نظام سے ملاقات ہوگی تو اُنسے بھی مدد مانگونگی اُسوقت حاضرین اور خود سرکار عالیہ کی آنکھوں میں محبت اسلام کے باعث آنسو بھرے تھے اور ہز ہائینس آغاخان قومی بھاٹ بنا ہوا بھرائی ہوئی آواز سے شکریہ کے یہ الفاظ کہہ رہا تھا۔ "دل بندہ را زندہ کردی" دل اسلام را زندہ کردی' دل قوم را زندہ کردی' خدا تعالیٰ بطفیل رسول اجرش بدہد" - یہ سماں دیکھنے والوں کی آنکھوں میں ابتک ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ خدا ان دونوں علم دوست اور شیدائی اسلام والیان ملک کو زندہ اور سلامت رکھے۔

ہز ہائینس آغاخان بہادر کا پروگرام

۱۹ جنوری تا ۲۹ جنوری۔ کلکتہ۔ اس کے بعد علیگڈہ جاتے ہوئے شاید تھوڑی دیر بانکی پور میں قیام۔

او ۲ فروری۔ لکھنؤ۔ ۷ و ۸ فروری رام پور۔ ۱۰ فروری لاہور۔ اور ۱۴ فروری سندھ و بمبئی۔

حیدرآباد کے لیے تاریخ کا تعین حضور نواب صاحب رامپور کے مشورہ کے بعد ہوگا۔

ہر صوبہ مین دو یا تین ڈپوٹیشن جنمین با اثر بزرگان قوم شریک ہونگے ضلع وار دورہ کرکے معززین سے چندہ جمع کرینگے
اسکے علاوہ ہندوستان کے ہر ضلع مین کمیٹیان ہونگی جو چھوٹے سے چھوٹا چندہ در بدر گھوم کر جمع کرینگی
تاکہ جب اعلیٰحضرت ملک معظم سے کالج کی بنا کرنے کی درخواست کیجائے تو اُس وقت ہم یہ
کہہ سکین کہ والیان ملک سے لیکر ایک غریب کسان اور مزدوری پیشہ مسلمان نے بھی اسکے ساتھ
ہمدردی کی ہے اور یہ درخواست واقعی ساری قوم کی طرف سے ہے۔

ہمارے محترم بزرگ نواب وقار الملک بہادر نے ہمارے پاس مجوزہ یونیورسٹی کے لیے کام کرنیوالون
کی ضرورت کے عنوان سے ایک مراسلہ روانہ فرمایا ہے جو ناظرین فروری نمبر مین ملاحظہ فرمائینگے۔
فی الحال ہم اپنی اُس درخواست کیجانب اپنے بھائیون کو توجہ دلاتے ہین جو ہم نے اولڈ بوائز کی سُرخی
میں تحریر کیا ہے۔

قم بر سر تابوتم وقت است کہ فرمائی
اے در لب لعل تو اعجاز مسیحائی!

ہمارے کالج کی ٹیم بمبئی مین

(بذریعہ خاص نامہ نگار)

"اولڈ علیگیرینس کرکیٹ کلب" کے ارکان نے گرمیون ہی مین ارادہ کرلیا تھا کہ اب کے موسم مین
موجودہ اور گذشتہ کرکیٹ کھیلنے والونکی جماعت بمبئی جاکر وہان کی زبردست ٹیمون کا مقابلہ کرے اور باوجود
متعدد دشواریون کے سعید محمد خان جوائنٹ سکرٹری کلب کی ان تھک کوشش بار آور ہوئی اور گذشتہ دسمبر مین
ہماری ٹیم نے دورہ کرکے پانچ میچین کھیلین، دو الہ آباد اور تین بمبئی مین ارادہ یہ تھا کہ سب پرانے کھیلنے والے ۱۱ دسمبر
تک علیگڈھ مین جمع ہون جہان موجودہ کپتان آل حسن کی عنایت اور شفقت حسین اور سلام الدین کی مدد سے
کچھہ مشق کرسکین۔ چنانچہ شوکت علی، علی حسن، رزاق اور سید حسین (ہوندو) وہان پہنچ گئے

مگر کانی مشق کرنیکا پورا موقع ہاتھ نہ آیا ٹیم کمزور تھی کیونکہ احسان، عابد، اکرم، مغنی، حامد اور نواب علی مجبوریوں کی وجہ سے شامل نہ ہوسکے تھے خاصکر احسان الحق کی غیرموجودگی ٹیم محسوس کرتی تھی اور ہر پیچ میں انکی یاد ہوتی تھی، وہ آئے مگر بدقسمتی سے انکے ایک ہاتھ میں سخت درد ہونے لگا ہے جسکی وجہ سے بعض اوقات وہ بیکار سا ہوجاتا ہے، یہ فقط عارضی ہے خدا کو منظور ہے تو آئندہ سمبر میں وہ اپنی ٹیم کے ساتھ بمبئی جاکر کالج کا نام روشن کرینگے۔

آگرہ اور کانپور کے جتنے نہ کھیل سکے بمشکل ۱۹ ر ۲۰ دسمبر کو الہ آباد میں کھیل ہوا مگر صرف ایک اننگز میں مخالفین کو حقیر جاننا سخت غلطی ہوتی ہے چنانچہ اس کا خمیازہ ہمیں بھگتنا پڑا۔ الہ آباد کی ٹیم میں کئی مشہور کھیلنے والے باہر کے بھی شامل تھے انھوں نے ۱۲۱ رن کئے۔ مدرس سب سے عمدہ کھیلے یہ ٹیم کسی طرح ۱۰۰ رن سے زیادہ کی مستحق نہ تھی مگر ہماری بے توجہی سے ۲۰ زیادہ کرلیے علیگڈھ کی سی زبردست ٹیم کے لیے یہ ۱۲۱ ابھی کچھ زیادہ تھے مگر اس مرتبہ بھی بے توجہی سے کام لیا گیا جسوقت سلام الدین لیگ بفورا آؤٹ ہوگئے اسوقت سب خبردار ہوئے، کپتان آل حسن نہایت عمدہ طور پر کھیلتے رہے اور آخر تک آؤٹ نہ ہوئے علی حسن شوکت علی، احمد علی، اسد علی اور رضی بھی غنیمت کھیلے۔ جیتنے کے لئے چار رن باقی تھے کھیل نہایت پرلطف تھا اور تماشائی بچین بہ غور نتیجہ کے منتظر تھے کہ آخری کھیلنے والے وحید نے زور سے ہٹ مارا ایک رن ہونے پایا تھا کہ فیلڈر نے گیند روک کر بولر کو پھینکدی وحید نے گھبرا کر دوسرا رن بھی کرنا چاہا جسکی وجہ سے وہ آؤٹ ہوگئے اور ہماری ٹیم کے تین رن اُنسے کم رہے آل حسن نے ۴۶ رن کئے۔ اگر دوسری اننگ ہوتی تو ہم ضرور ان کو آسانی سے جیت لیتے۔

الہ آباد میں ٹیم کا بڑے جوش محبت کے ساتھ اولڈ بوائز و دیگر فدایان کالج نے خیر مقدم کیا۔ اسٹیشن پر قریب ۲۰۰ کے لوگ موجود تھے ٹیم کو ہار پہنائے گئے اور سب لوگ مع ٹراوٹنگا ڑیون پر سوار کرا کے مسٹر ظہور احمد کے بنگلہ پر لائے گئے جہاں ہمارے کالج کے ٹرسٹی آنریبل نواب عبد المجید نے بڑی محبت سے مہمانی اور ہمارے برادر معظم مسٹر عبد الرؤف صاحب بیرسٹر اور مسٹر محمد اسحاق صاحب نے نمائش گاہ میں دو شب پرتکلف عو تین دیں اولڈ بوائز کو ہماری شکریے مستحق نہیں ہیں جس محبت اور اخوت کا چھوٹے بڑے سب نے ثبوت دیا وہ ہمارے دل کو خوش اور زندہ کرنیوالی تھی ہمکو یقین ہوگیا کہ اولڈ بوائز کے دلوں میں علیگڈھ کی محبت کی آگ پوری طور سے لگ گئی ہے اور اب کوئی طاقت اُسے نہیں دبا سکتی ہے مسٹر آصف الزمان، مسٹر ظہور احمد، مسٹر سید ظہور احمد، مسٹر ابن احمد، مسٹر غلام حسین رضوی، مسٹر نذیر احمد اور مسٹر سید احمد (قوم برادر قوم) نے اپنے آپکو ہماری خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا آخر دن نواب صاحب ممدوح نے سب ٹیم کو نمائش میں چاء پر بلایا اور خود بھی کھیل دیکھنے گئے ہز ہائنس کالج کے سچے دوست ہیں۔

۱۲ دسمبر کو ٹیم بمبئی میل سے روانہ ہوئی جبلپور میں ہمارے عزیز دوست میرزا اکرام خان ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور مسٹر منظور احمد

اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہم سے ملے اور اپنے ساتھ کئی ٹوکرے پھلوں اور کھانے کے لائے جو ان بھوکی فوج نے بہت جلد صاف کر دئے بمبئی میں ڈاکٹر دبی طیب اور دیگر ممبران اسلام جمخانہ نے ہمارا خیر مقدم کیا اور ہم بید بیج کی خوبصورت عمارتیں میں ٹھہرائے گئے جس خلوص اور محبت کے ساتھ ہمارے بمبئی کے بھائیوں نے ہماری مہمان نوازی کی وہ ہم کبھی نہ بھولیں گے۔ ۲۴ ر ۲۵ ر دسمبر کو ہمارا پہلا میچ ہندو جمخانہ سے ہوا جنکی ٹیم امسال بہت زبردست تھی بمبئی کی گرمی آفت ڈھاتی تھی سایہ میں بغیر پنکھے کے گذر مشکل تھی اور دسمبر میں برف ڈالکر پانی پیتے تھے اول اننگز میں ہمارے صرف ۹۵ ارن ہوئے بدقسمتی سے علی حسن اور رزاق جو دونوں جم گئے تھے اور دونوں سب آؤٹ ہوگئے۔ ہندو جمخانہ نے تقریباً ۲۵۰ رن ، وکٹ میں کرکے ہمکو دوبارہ کھلایا اس کے سوا کہ کھیل کرنا تا تمام رکھا جائے اور کوئی چارہ نہ تھا اسمیں ہم کامیاب ہوئے۔ آخر وقت تک ہمارے صرف ۴ وکٹ گئے تھے اس لئے میچ "ڈرا" رہی۔ گو یقیناً ہندو جمخانہ ہم سے اچھا کھیلا ان جمخانہ کی زمین پکی بنی تھی اور وہ مشل پکی زمین کی کہ ہمارے "بولر" اور "بیٹ" کرنیوالے ایسے عادی تھے شفقت کی بریک ناممکن اور بیکار تھی اور اول اننگ میں ہم بہت بددقت رہتے تھے۔ ہماری طرف سے رزاق اور سلام الدین دونوں اننگ میں اچھی کھیلے اور سلام الدین شفقت اور علی حسن نے بولنگ کی۔ ہندو جمخانہ کی طرف سے بینڈا، کرنیکار، دیو کار اور تلنگ خوب کھیلے ہمارے اور ہندو جمخانہ کے مابین بہت محبت اور اتحاد ہوگیا اور ارکان جمخانہ نے ہماری بڑی خاطر کی۔

ایکدن کے آرام اور مشق کے بعد ہم ۲۷ ر ۲۸ ر دسمبر کو پارسیوں کے خلاف کھیلے۔ پارسی اول کھیلے اور انکے کل ۱۹۲ رن ہوئے۔ مہربان جی اور بار کھ دوہی کچھ اطمینان کیساتھ شفقت اور سلام الدین کی عمدہ بولنگ کھیل سکے۔ ہمارے ۲۱۹ رن ہوئے حسین تمبو والے کے ۷۰ رن تھے اور رزاق اور سلام الدین کا کھیل قابل تعریف تھا شفقت نے "ہیٹ ٹرک" یعنی تین وکٹ یکے بعد دیگرے مارے جس کے صلہ میں حسب دستور مسٹر شوکت علی کپتان نے انکو ہیٹ دی دوسری اننگ میں بھی پارسیوں کے ۹۲ ہی رن ہوئے شفقت اور سلام کی بولنگ کا مقابلہ وہ نہ کر سکے اور اسطرح ہمارے کالج نے ایک اننگ اور ۳۵ رن سے پارسیوں سے جیتا جس پر ہر طرف سے ان کو مبارکباد دی گئی۔

بغیر کسی آرام اور وقفہ کے ۲۹ ر اور ۳۰ ر دسمبر کو ہمارا آخری میچ بمبئی جمخانہ کی زبردست ٹیم سے ہوا جسمیں گریگ، اسپرٹ، بروک، کوپر نکلس وغیرہ مشہور کھیلنے والے تھے اور ان پر کف کا اضافہ ہوگیا جو لائیٹ سے کرکٹ سکھانے آیا ہے۔ یہ ٹیم معمولی پریسیڈنسی ٹیم سے کہیں زیادہ زبردست تھی اول اننگز میں اُن کے ۱۰۵ رن ہوئے جسمیں کف نے ۶۷، گریگ نے ۲۸، بروک نے ۳۰، اور اسپرٹ نے ۲۰۔ کپتان گریگ کی ٹیم میں کف نے لاجواب بولنگ کی گو سلام الدین، رزاق، یوسف، تمبو والا نے اسکے حملوں کو خوب روکا۔ بعد کو سید حسین (بھونڈو) ۲۳ اور ناٹ آؤٹ اور سرفراز خوب کھیلے ہمارے ۱۶۱ رن ہوئے یعنی ہم ۴۴ کم تھے۔ دوسری اننگ میں شفقت اور سلام نے نہایت ہی عمدہ بولنگ کی اور انھوں نے علیگڈھ کی شہرت کو قایم رکھا۔ کل ٹیم کو ۸۰ رن میں آؤٹ کر لیا۔ صرف اسپرٹ اچھا کھیل سکے۔ ہمکو ۱۱۲ کی ضرورت تھی جو سلام الدین (۴۹) اور سید حسن (بھونڈو) ۴۳۔ اور ناٹ آؤٹ نے پورے کر لیے اور ہم ۶ وکٹ سے یہ بڑی میچ بھی جیتے جس سے کالج کی بڑی ناموری ہوئی۔ ہم نہایت درجہ ممنون ہیں کہ ممبران پارسی جمخانہ اور بمبئی جمخانہ نے ہماری بڑی خاطر کی اور جس کا شکریہ مسٹر شوکت علی نے "ٹائمس آف انڈیا" اور "پائنیر" کے ذریعے سے کر دیا۔ واپسی پر الہ آباد سے ۲ و ۳ جنوری کو آخری میچ ہوا۔ الہ آباد نے اول اننگ میں کل ۸۰ کئے ہماری طرف سے آل حسن (۴۷) اور شفقت (۲۰) ناٹ آؤٹ خوب کھیلے اور ۲۶۰ رن کرنیکے بعد باقی ۵ وکٹ کو نہیں کھیلا۔ الہ آباد نے دوسری اننگ میں کل ۹۴ رن کئے اور اس لیے علیگڈھ نے زور سے بدلا لیا اور اپنے مداحوں کے غصہ کو دور کر دیا الہ آباد میں سلام ٹیم ہر ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال کی مہمان تھی جن کے صاحبزادہ حمید اللہ خان صاحب ٹیم کی طرف سے خود کھیلتے۔ ہمارے کرکٹ کلب کے پریسیڈنٹ مسٹر گولڈی برابر ہمارے ساتھ رہتے تھے اور جہاں ہم ٹھہرتے تھے وہیں وہ بھی ٹھہرتے تھے اور جو کھانا ہم کھاتے تھے وہی وہ کھاتے تھے وہ ہمارے کورس اور ہمارے مذاق کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے اس طرح اُنمیں اور اُنکے شاگردوں اور اولڈ بوائز میں سچی محبت پیدا ہوگئی ہے سیلمان بمبئی اکسپریس ہلکر بہت خوش ہوئے ہم مسٹر شوکت علی اور انکی ٹیم کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انھوں نے کالج کی شہرت کو زندہ کیا آئندہ انشاءاللہ سال ہندو پارسی اور پریسیڈنسی کے مقابلے کیلئے ایک اسلامی ٹیم بھیجی جایا کریگی ہمارے کالج سے خان سلام الدین شفقت حسین اور سید حسن بھونڈو علاوہ عمدہ وکٹ کیپر ہونیکے عمدہ بیٹ بھی ہیں ولایت جائینگے مسٹر احسان الحق، مسٹر سید علی حسن اور مسٹر رزاق نے جانے سے انکار کر دیا ہم آخر میں مسٹر نون کا شکریہ

رجسٹرڈ نمبر اے ۴۲۲

اولڈ بوائے

نمبر ۲ بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۱ء جلد ۱

اڈیٹر

ابو حامد عترت حسین بی اے ۔ علیگ

فہرست مضامین

باہتمام خاکسار رشید احمد انصاری

مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہوا

حسب ایما رعبد العلیم خانصاحب میونسپل کمشنر دفتر اولڈ بوائے چھاونی بنارس سے شائع ہوا، قیمت سالانہ ۱ روپے

اولڈ بوائے

اس ماہواری رسالہ کے خاص مقاصد یہ ہیں

(۱) جملہ سابق طلبا ر مدرستہ العلوم مسلمانان واقع علی گڈہ کے دلوں میں اُنکے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا اُسکے حالات سے اُن کو باخبر کرنا اور اُس کی ترقی کے لیے ہر طرح کوشاں رہنا۔

(۲) اولڈ بوائز میں رشتۂ اخوت قائم رکھنا، اور اسکو ترقی دینا، اور اُن کے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

(۳) "اولڈ بوائز ایسوسی ایشن" اور "کالج" کی مالی مدد کے لیے سابق طلبا کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادر مہربان کے خدمتگزاروں میں خود اُسکے فرزندوں کی خدمات کافی اور تسلی بخش ہوں۔

(۴) جملہ اولڈ بوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا، تاکہ وہ قومی خدمات میں معتدبہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کرسکیں جو قوم نے اُنپر ہمارے کالج کے قائم کرنیسے کیا۔

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست کی جاتی ہے

(۱) جملہ خط وکتابت دربارۂ ترسیل زر و تبدیل پتہ "منیجر اولڈ بائے" بنارس سے ہونی چاہیے

(۲) مضامین و دیگر مراسلات بنام "اسسٹنٹ اڈیٹر" اولڈ بوائے' بنارس آنا چاہیے۔ اسی طرح ریویو کے لیے کتابیں اور تبادلہ کے لیے اخبارات و رسائل بھی۔

منتظمان "اولڈ بوائے" ہر وقت مفید مشورہ و رفع شکایات کے لیے تیار ہیں۔ اور شکرگزاری کے ساتھ اُن پر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر و منیجر

اولڈ بوائے

محمڈن یونیورسٹی

ہمیں اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ محمڈن یونیورسٹی اور ہمارے پیارے دارالعلوم یا "جامع اسلامیہ" کا خیال سب سے پہلے کس دماغ میں پیدا ہوا اور اس کے متعلق کیسے کیسے مشاہیر نے خامہ فرسائی کی؟ البتہ اس بات کے اظہار کی ضرور ضرورت ہی کہ یہی ایک خیال تھا جس کی تمنا لے کر سرسید علیہ الرحمۃ ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہوگئے اور اسی خیال کی دُھن میں نواب محسن الملک بہادر نے اپنی جان دی۔ جس طرح

ہر کسے را بہر کارے ساختند،

صحیح ہی، اسی طرح اس میں بھی کوئی جائے کلام نہیں کہ ہر کام کے لیے خاص ایک وقت ہوتا ہی، اب اُس وقت کو صحیح طور پر استعمال کرنا ہمارا کام ہی۔ اگر اسے کھویا تو یقین کر لینا چاہیے۔ کہ

"وقت رفتہ باز نمی آید"

کی مثل ہوگی۔

ذاتی خطوط اور اخبارات کے ذریعہ سے ہمیں یہ خبریں معلوم کرکے نہایت مسرت ہوتی ہی کہ ہمارے برادران گرامی قدر ہر جگہ یونیورسٹی کے لیے تن دُھن اور جانفشانی سے کوشش کر رہے ہیں اور اس قومی خدمت میں ہمیشہ پیش پیش نظر آتے ہیں۔ خدا اُن کی محنت ٹھکانے لگائے اور ہمارا "دارالعلوم" جلد قائم ہوجائے۔

برادران! سرسید علیہ الرحمۃ نے اپنے گزشتہ تجربہ کی بنیاد پر مسلمانوں کے

جوش کو سوڈا واٹر کے جوش سے تشبیہ دی تھی لیکن اُن مرحوم کو یہ بھی یقین تھا کہ ہمارے کالج کے نونہال قوم کے لیے باعث برکت ہونگے۔ خدا کے لیے آپ اول الذکر سوداکو اپنے دماغ میں جگہ نہ دیں اور آخر الذکر خیال کو حقیقی معنوں میں پورا کر دکھائیں۔ ورنہ نہ پھر "آغا خان" جیسا قومی بھکاری ملے گا اور نہ ایسا موقع کہ تمام قوم ایک ہی دُھن میں ہو۔

کالج کے نونہال اور ضروریات زمانہ سے پورے طور پر واقف ہونے کی حیثیت سے آپ کے تین اہم فرائض ہیں:-

۱۔ خود اپنی جیب سے اس قومی کام میں کچھ صرف کرنا۔

۲۔ قوم سے بھیک مانگ کر اور اپنے اپنے مقامات میں جوش پیدا کر کے اس فنڈ میں کثرت کے ساتھ روپیہ وصول کرانا،

۳۔ یونیورسٹی کے لیے اپنی جماعت سے لائق اور قابل لوگ بہم پہنچانا۔

پہلے حصے کے متعلق ہمیں جہانتک علم ہی ابھی تک نہایت دریا دلی کے ساتھ وعدے کیے گئے ہیں اور اُن کے ایفا کا خیال بھی ہم میں سے ہر ایک کو ہی، ہمارے عزیز بھائی مسٹر شوکت علی نے یونیورسٹی کے اجلاس لکھنؤ میں بیان کیا تھا کہ اولڈ بوائز ایک لاکھ سے دو لاکھ تک دینگے۔ (انھوں نے اپنے مونھ سے یہ بات اُس وقت نکالی ہی جبکہ اُنہیں آپ کے ایثار، آپ کی قومی محبت اور آپ کو اپنی جماعت کے سود و بہبود کا یقین ہو گیا) اب اُن کی لاج آپ کے ہاتھ ہی۔

دوسری بات کے لیے ہمیں یہ یقین ہی کہ ہم میں سے ایک مرد بھی ایسا نہ نکلیگا جو اس گدائی میں اپنے سرداروں کا ساتھ نہ دے، قومی گدائی ہمارے لیے باعث فخر ہی اور ہم میں ایک بڑی جماعت ایسی ہی جسنے اپنی طالبعلمی کے زمانہ میں اور اسکے بعد ہزاروں روپیہ جمع کر کے "مادر کالج" اور دوسری تعلیم گاہوں کی نذر کیا ہی،

تیسرا سوال کسی قدر دقت طلب ہی لیکن ہمیں یہ کامل یقین ہے کہ اُس گروہ میں سے جسکے لیے بانی کالج نے بہترین تمناؤں کا اظہار فرمایا تھا۔ متعدد ایسے صاحب خرد مل جائیں گے جو اپنے دارالعلوم کی علمی خدمت کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار خیال فرمائیں گے۔ یہ سوال بعد میں حل ہوگا۔ اور پیش از پیش اس پر ہمیں کسی بحث و خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں۔

ہمارے لیے وہ وقت نہایت خوش آیند ہوگا جب ہم آیندہ "اولڈ بوائز ٹونر میں اپنے بھائیوں کی کارگزاری اور قومی جوش کے افسانے کانوں سے سُنیں گے، اور جب ہم اپنی پیاری قوم سے یہ کہہ سکیں گے کہ تیرے سچے خادموں نے درمے، قدمے، قلمے، سخنے اس قدر حصہ لیا ہے۔

آپ کے لیے ایک بات اور قابل لحاظ ہے اور وہ یہ کہ آپ جو کام جس حصۂ ملک میں کریں اس کی اطلاع اپنی پیاری ایسوسی ایشن اور اپنے ناچیز خادم "اولڈ بوائے" کو ضرور دیں۔ تاکہ آپ کے کارنامے دونوں جگہ محفوظ رہیں اور ہمارے ماں جائے بھائی ایک دوسرے کے کاموں کو دیکھ کر مسرور ہوں۔

ہمیں یقین کامل ہے کہ ہمارے دور افتادہ بھائی اپنے اس قومی فرض سے غافل نہوں گے اور ضرور اس قرضہ کے ادا کرنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔

اولڈ بوائز

ہم اپنے اُن بھائیوں و بزرگوں کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض خیال کرتے ہیں جنھوں نے "اولڈ بوائے" کی ترقی اشاعت میں حصہ لے کر ہماری ہمت افزائی فرمائی۔ ان میں ہمارے ناظرین کو قبلہ وکعبہ نواب عماد الملک بہادر۔ جیسے بزرگ اور مسٹر محمد چودھری، مسٹر سلطان حیدر جوش، مسٹر علی محمد خاں ناشاد، مسٹر شیخ الطاف حسین اور مسٹر شوکت علی جیسے پُرجوش بھائی نظر آئیں گے۔ ہم ان بھائیوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور اپنی برادری سے درخواست کرتے ہیں کہ رسالہ کی ترقی اشاعت میں ہر طرح کوشش فرمائیں۔

مسٹر شیخ الطاف علی صاحب تحصیلدار نرول ضلع کانپور ہمیں اطلاع دیتے ہیں کہ اگر رخصت مل گئی تو دو ماہ تک یونیورسٹی کے لیے کام کرینگے۔ خدا دوسرے بھائیوں کو بھی توفیق دے۔

مسٹر آغا صفدر صاحب نے اپنی پہیلی بوجھنے والے "ایک ہندوستانی نما پنجابی" کے نام کو پہچان لیا اور وہ مسٹر خواجہ محمد اکرام صاحب کا نام بتاتے اور ہم سے تصدیق چاہتے ہیں۔

ہمیں یہ معلوم کر کے کمال افسوس ہوا کہ ہمارے عزیز بھائی مسٹر سعید اللہ خاں صاحب منصف کے والد ماجد نے بجے پور میں انتقال فرمایا۔ مرحوم عمائد جے پور میں ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے، ہم سچے دل سے اپنے بھائی کے اس غم میں شریک ہیں اور خداوند کریم سے دعا کرتے ہیں کہ مرحوم کو جنت نصیب کرے اور پس ماندوں کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

انگلستان کی تعلیم

محترمی مسٹر شوکت علی صاحب کے اصرار کا نتیجہ ہی کہ یہ مضمون "اولڈ بائے" کے لیے حاضر خدمت کر رہا ہوں۔ جو حضرات اکسفورڈ یا کیمبرج کی زندگی کا لطف اُٹھا چکے ہیں اُن کے لیے تو یہ مضامین مسرت انگیز ہونگے ہی، بلکہ امید کی جاتی ہی کہ اُن لوگوں کے لیے بھی جو اس زندگی سے بے خبر ہیں خالی از لطف نہونگے۔ عموماً جس قدر ہندوستانی تعلیم کی غرض سے ولایت جاتے ہیں اُن میں معدودے چند ایسے ہونگے جنکو اسکے قبل اپنے ماں باپ عزیز واقارب سے جدا ہونے کا اتفاق پڑا ہوگا۔ یہ ضرور ہی کہ ہماری مادر مشفقہ علی گڑھ اب ایسی جگہ ہوگئی ہی جو بہر صورت مسلمان بچوں کو اس امر سے واقف کر دیتی ہی کہ اپنے گھر سے جُدا ہونا کیا چیز ہی مگر تب بھی یہ جدائی اُس قدر رنج دہ نہیں ہوسکتی جتنی کہ ولایت کی دوری کا خیال دل کو ستاتا ہی۔ اولاً تو والدین اور طلبا دونوں کے دلوں میں اُمنگوں اور ولولوں کا سمندر موجزن ہوتا ہی اور دونوں فریق اپنی اپنی ہمت پر نازاں ہوتے ہیں لیکن جوں جوں مفارقت کا زمانہ قریب آتا جاتا ہے دل کی حالت دگرگوں ہوتی جاتی ہی یہانتک کہ وہ گھڑی آجاتی ہی اور ہر طرف سے "خیر باد" و "بسفر رفتنت مبارکباد" کی صدائیں آنے لگتی ہیں۔ والدین فراق پسر میں علیحدہ ساکت ہیں، مسافر جدا سرنگوں ہی اور دل ہی دل میں کہتا ہی کہ دیکھیے اب یہ نورانی چہرے کب دیکھنے نصیب ہوں۔ ابھی احباب علیک سلیک میں مصروف ہیں کہ لیجیے میل ٹرین" آن پہنچی۔ سامان رکھا جانے لگا۔ عزواقارب رخصت ہونے لگے۔ باپ نے "جان پدر تم کو خدا کے سپرد کیا" کہہ کر سینے سے لگایا ہی تھا کہ غریب مسافر کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ غرض جوں توں کرکے لوگوں نے گاڑی میں سوار کرایا۔ ریل نے سیٹی دی اور یہ جا دہ جا۔

اب ان بیچاروں کو تو خدا کے سپرد کیجیے اور آئیے ہم آپ اُس پُر ارمان کے ہمراہ سیر انگلستان کریں، اور یہ دیکھیں کہ حضرت اپنے والدین سے چھوٹ کر کیا رنگ لاتے ہیں۔

سیر بمبئی

ہمارے نوجوان دوست اپالو بندر ہوٹل کے ایک نفیس کمرے میں مقیم ہیں مگر یہاں ہم کو نئی سج دھج میں دیکھتے ہیں۔ نہ وہ شیروانی ہے اور نہ پائجامہ، بلکہ ایک نہایت پاکیزہ سوٹ جو آج ہی سِل کر آیا ہے زیب تن کیے، پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالے بانکپن سے ٹہل رہے ہیں۔ گاہے گاہے ایک آہ سرد بھی نکلنا چاہتی ہے مگر سوٹ کے خیال سے لبوں تک آکر رہ جاتی ہے۔ لیکن اس رنج میں کسی قدر بشاشت کے آثار چہرے سے نمایاں ہیں، شوق سیر اور آئندہ طرز زندگی کے خیالات کا ہجوم ہے۔ ہمارے دوست ابھی اسی عالم میں محو تھے کہ لنچ کی گھنٹی ہوئی اور یہ کھانے کے کمرے کی طرف تشریف لے چلے۔ تمام کمرہ انگریزوں اور میموں سے کھچا کھچ بھرا ہے اور میز پر صرف یہی ایک ہندوستانی ہیں۔ اس سے قبل شاید ہی ہمارے دوست کو انگریزی کھانا کھانے کا اتفاق ہوا ہو کیونکہ یہ ان کے حرکات سے ثابت ہوتا ہے۔ اولاً سوپ کی نوبت آئی تو معلوم ہوا کہ سوائے نمکدار گرم پانی کے اور کوئی مزہ ہی نہیں ہے۔ خیر! جبراً قہراً گرم گرم پانی پی ڈالا۔ اس کوشش میں کئی مرتبہ آنسو بھی نکل آئے مگر غریب کرتے تو کیا کرتے۔ کنکھیوں سے دیکھتے جاتے ہیں کہ کوئی دیکھتا تو نہیں، سب لوگ سوپ کبھی کا ختم کر چکے۔ خانساماں کسی قدر تبسم آمیز نگاہ سے ان کو دیکھ رہا ہے۔ یہاں تک تو خیر بغیر کسی حادثہ کے گزر گئی۔ مچھلی کی نوبت آئی تو اُس میں کانٹوں کا جھگڑا تھا۔ کانٹے نہایت دیدہ ریزی سے نکالے مگر تب بھی ایک دو رہ گئے جن کو بغیر نگلے نہ بنی۔ بیچارے کو صرف اسی قدر معلوم تھا کہ انگریزی تہذیب میں کسی کھانے کی شئے کو بجز روٹی کے ہاتھ لگانا منع ہے۔

کانٹا مونھ سے نکالتے تو کیسے اور اس پر غضب یہ تھا کہ بوجہ یا بلا وجہ اکثر صاحبان کی نگاہیں ان کی طرف لگی ہوئی تھیں جس کے سبب سے غریب خواہ مخواہ سہمے جاتے تھے تیسرے دور میں مرغی کی نوبت آئی۔ یہ مرغی نہ تھی آفت کی پرکالہ تھی، کانٹے سے چھوتے ہی پلیٹ سے غائب، اور ایک خانساماں کے گال پر تڑسے جا لگی۔ خیریت تو یہ ہوئی کہ خانساماں درمیان تھا ورنہ ایک میم صاحب کی گود میں جا گرتی اور یقین تھا کہ ہمارے دوست پر حملۂ ناشایستہ کا جرم ضرور عائد ہوتا۔ سنتے ہیں کہ اس خیر خواہی کے صلے میں خانساماں کو کچھ وصول ہو گیا۔ ہمارے نوجوان دوست کو "یہ مرغی کی ایک ٹانگ" ہمیشہ یاد رہے گی، بلکہ اُن کو تو یقین ہے کہ جس نے مرغی کی ایک ٹانگ کی مثل کہی ہے اُس پر اس قسم کا کوئی نہ کوئی واقعہ ضرور گزرا ہو گا۔ ممکن ہے کہ ہمارے دوست کا خیال صحیح ہو۔ سچ ہے کہ مادۂ تحقیق کچھ سیکھ ہی آتا ہے۔ الغرض ہمارے دوست ندامت زدہ باقی دوروں کو بسہولت ختم کر کے اپنے کمرے میں واپس آ گئے۔ اور عہد کیا کہ اب مرغی کبھی نہ کھائیں گے۔ حاضرین لنچ پر اس واقعہ کا ایسا اثر پڑا کہ اُن کے چھری کانٹوں کی رفتار سُست ہو گئی اور مہوشان فرنگ کو ہمارے نو آموز دوست کی اس حرکت پر دنداں دکھانے کا موقع مل گیا۔

چلتے چلاتے اب ہم اپنے دوست کے ساتھ ذرا شہر بمبئی کی سیر کریں۔ شام کا پُرلطف وقت ہے، سمندر کا کنارہ ہے، نئی نئی قسم کی نہایت عمدہ بگھیاں چاروں طرف سے آ جا رہی ہیں، بینڈ نہایت دلکش سُروں میں بج رہا ہے، مردوں اور عورتوں کے جوق کے جوق اِدھر اُدھر خراماں خراماں ٹہل رہے ہیں اور آتشی پُتلیاں مغربی تہذیب سے آراستہ ہر طرف نظر آتی ہیں۔ ہمارے نوجوان دوست پر اس چھوٹے سے مغربی نمونہ کا بہت بڑا اثر پڑ رہا ہے۔ ان کا خدا ہی حافظ ہے۔ دیکھیے لندن اور اکسفورڈ میں ان کا کیا حال ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دلفریب منظر نے ہمارے نوجوان کو کسی قدر

پیچ وتاب میں ڈال دیا اور دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت پردہ کے جائز و ناجائز ہونے کے اہم مسئلہ پر غور فرمارہے ہیں۔ دل میں ابھی سے ارمان پیدا ہوگئے ہیں کہ خدا ایسا دن کرے کہ ہم کو بھی ایسی شایستہ اور تعلیم یافتہ بیوی ملے کہ بخوبی لطف زندگی اُٹھا سکیں۔ پردے اور غیر پردے پر تو بیچارے کیا رائے دیتے مگر یہ خیال تو ضرور اُن کے دماغ میں سما گیا کہ آسایش اور خوبی سے زندگی بسر کرنے کے لیے عورتوں میں تعلیم کا ہونا ضروری ہی اور خدا کا شکر ہی کہ اس ضروری اور اہم مسئلہ پر چاروں طرف کوشش ہو رہی ہی۔ انشاءاللہ ضرور مفید نتیجہ نکلے گا۔

(باقی آیندہ)

معظم علی - از بانکے پور

ہمارے بھائی مسٹر معظم علی بیرسٹرایٹ لا نے آخر کار اپنا وعدہ پورا ہی کردیا، یا یہ کہیے کہ ہم نے ایک عرصہ کے بعد ناظرین اولڈ بواے کی ضیافت طبع کے لیے اس "بارہ مصالحے کی چاٹ" کو پیش کیا ہی۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ اس سلسلہ کو ہمارے ناظرین ضرور دلچسپی سے پڑھیں گے اور انگلستان کی تعلیم کے شائق ان اوراق سے نہایت مفید نتیجہ نکالیں گے۔ خدا کرے ہمارے بھائی باقی نمبر جلد بھیجدیں اور اپنے مضمون کے لیے ہمیں چشم براہ نہ رکھیں۔

س۔ م۔ ع۔

حاضر غائب

صرفیوں اور نحویوں کو یہ نام نیا معلوم ہوگا کیونکہ اُن کی تنگ دنیائے خیال میں نہ ایسی دماغی حالت کا وجود اور نہ ایسی حالت سے منسوب ذات کا ثبوت ہے۔ ہاں صوفیوں کے اصلی جذباتی مدارج میں کہتے ہیں، ایک نظری یا خیالی دھوکہ اس کا مترادف ہے۔ مگر اُن رنگین یاروں کی بزم میں جہاں اولڈ بوئے، کا جام گردش کرتا ہے یہ نام آشنا اور یہ دماغی حالت ایک حقیقت ہے بلکہ بعضوں کی آپ بیتی حکایت ہے۔

میرے نزدیک کالج کی دماغی ترقی کی تاریخ نہ صرف غیر مکمل بلکہ ترقی کے اہم اور دلچسپ احوال اور اسباب کے بیان سے خالی ہوگی اگر کوئی ذکر، خواہ مجمل ہی سہی، کالج کی اس حاضر غائب جماعت اور اُس کی بے چین دماغی کوششوں اور کامیابیوں کا اُس میں نہ ہوگا!۔ مگر بدقسمتی سے میں اپنے زمانۂ قیام میں کالج کی مختلف تحریکوں اور دلچسپیوں، کلبوں سوسائیٹوں اور صحبتوں سے الگ تھلگ اور بے تعلق سارہا اس لیے ان اہم اور دلچسپ تاریخی واقعات کے جمع کرنے میں بہت تھوڑی مدد دے سکتا ہوں۔ یہ کام مجھ سے زیادہ اہل لوگوں کا حصہ ہے۔ مگر اتنا مجھے بھی یاد ہے کہ کبھی کبھی کمرے سے نکلتے ہوئے کواڑ بند کر کے اور کھٹکا لگا کر بجائے قفل لگانے کنڈی میں رومال لٹکا دیا ہے۔ اور دس بیس قدم کیا کوئی نصف میل چلکر معلوم ہوا ہے کہ قفل جیب میں پڑا ہے۔ کبھی کسی کو خط لکھا ہے مگر لفافہ پر اپنا ہی پتہ لکھ کر ڈالدیا ہے اور جب ڈاکیہ نے وہ خط لاکر دیا ہے تو کئی کئی منٹ تک اس اسرار میں سرگرداں ہیں کہ خط کیسا اور کس کا ہے "پتہ تو اپنے ہی ہاتھ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے"! کبھی لیٹر بکس میں خط کے بدلے کنجیاں ڈالدی ہیں اور پھر رات کو ڈائننگ ہال سے واپس آکر خط موجود اور کنجیاں غائب دیکھکر پشیمانی اُٹھائی ہے اور دفع الوقتی کے لیے کمرہ در کمرہ کنجی کے لیے بھیک مانگی ہے۔ یہ تو اکثر ہوا ہے کہ

کالر لگایا ہے کپڑے پہن لیے ہیں اور ٹائی نداردہے۔ یہ بھی ہوا ہے کہ دیکھ دیکھ کر کتابیں لیکے ہیں اور لیکچر روم میں پڑھنے کے وقت معلوم ہوا ہے کہ غلط کتابیں لے آئے۔

ایک مرحوم قومی بزرگ کو بارہا کبھی ہنسایا ہے اور کبھی جلایا ہے۔ کہا کچھ ہے سمجھے کچھ ہیں۔ شکل دیکھ رہے ہیں اور گویا سُن رہے ہیں مگر سُنا خاک نہیں۔ ایک بار برابر کا یار سمجھ کر ایک آدھ بے تکلفی کی بات بھی کی ہے۔ کئی بار پروفیسران کو ناراض کیا ہے اور اُنکے سوالوں پر جواب کے بدلے ٹکٹکی باندھے اُنہیں دیکھے گئے ہیں۔ معزز مسٹر تھیوڈور موریسن اسی وجہ سے ایک دفعہ جلکر بڑبڑاتے ہوئے کتاب اُٹھا کر کلاس چھوڑکر چلے گئے ہیں اور بعد میں ان کی کوٹھی پر جاکر معافی مانگی گئی ہے۔ ایک دفعہ ساری کلاس سے الگ ہی ایک اور مضمون پر اسے لکھ کر لے گئے۔ بعض دفعہ مزید پشیمانی کے خیال سے کسی سے اپنی خفت کا ماجرا کہنے کی جُرأت بھی تو نہیں ہوئی ورنہ عموماً انسان اپنا درد دُکھ یاروں اور غمگساروں سے کہہ کر ہلکا کر لیا کرتا ہے۔ مثلاً ایک دن صبح کے وقت ایک غلط جگہ مونھ ہاتھ دھو لیا گیا۔ یہ اپنے زمانے کی دیکھی بھالی یا اُن کی آپ بیتی حکایتیں ہیں۔ مگر مشتے نمونہ از خروارے اور وہ بھی ایسی کہ جنکا مجھے علم ہے۔ اوروں کو جن کو مجھ سے زیادہ کالج سے تعلق رہا ہے اور جنھوں نے مجھسے زیادہ کالج کی زندگی میں حصہ لیا ہے، تعداد دلچسپی اور اہمیت، تینوں اعتبار سے اُن کو بہت زیادہ واقعات معلوم ہوں گے۔ اگر احباب کو میرے خیال سے اتفاق ہے تو ان واقعات کا ثبت اور تدوین ہونا ایک ضرورت ہے۔ ورنہ کالج کی دماغی ترقی کی تاریخ جیسا کہ ابتدا میں لکھ آیا ہوں "نہ صرف غیر مکمل بلکہ ترقی کے اہم اور دلچسپ احوال و اسباب کے بیان سے خالی رہے گی۔

راقم

اب اُن میں سے نہیں

یادگار بیک مرحوم

الٰہی! آج رہے بات حسن یوسف کی
ترنج ہاتھ میں لے کر ہزار بیٹھے ہیں

ماہ نومبر کے "اولڈ بوائے" میں میرے عزیز دوست و برادر معظم مسٹر سید مصباح العثمان صاحب نے اولڈ بوائز کو اُن کے ایک نہایت ہی ضروری فرض کی طرف متوجہ کیا ہی۔ بیک صاحب مرحوم کے پیارے نام سے کون اولڈ بوائے واقف نہوگا۔ ہم میں سے ہر شخص جسنے اُنہیں دیکھا ہی اور جسکو اُن سے سابقہ پڑا ہی وہ تو ضرور ہی بجان و دل اُن کی یادگار قائم کرنے میں کوشاں ہوگا۔ بلکہ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اُن اولڈ بوائز میں سے بھی جو کالج میں مرحوم کی وفات کے بعد آئے بہت سے ایسے نکلیں گے جو اس کار خیر میں جوش کے ساتھ شریک ہونگے۔

نئے آنے والے طلبا کالج کی چار دیواری میں قدم رکھتے ہی سر سید اور بیک کے کارناموں سے واقف ہوجاتے ہیں۔ وہ ان قصوں اور واقعات کالج کو جن میں کالج کے ان دو بانیوں کا نام خاص طور سے لیا جاتا ہی۔ جس شوق سے سُنتے ہیں اُس سے یقین ہی کہ اس معاملہ میں بر سر کار ہونے کی حالت میں اُن سے بہت مدد ملے گی۔ جبکہ ایک ایسا بڑا گروہ اور وہ بھی بھوکا نہیں۔ بلکہ ڈپٹیوں تحصیلداروں بیرسٹروں اور وکیلوں کا گروہ، اس مرحوم کے نام کا شیدا اور فدائی موجود ہی میں نہیں سمجھتا کہ اس صورت میں وہ اپنے سچے اور عزیز محسن کی قبر کو "کمخواب میں ٹاٹ کا پیوند" بنا کر رکھنے کا گناہ اپنے سر پر لینا گوارا کریگا۔ میرا خیال ہے کہ

ہر اولڈ بوائے اس بات کی پوری کوشش کریگا کہ جلد اتنا سرمایہ بہم پہنچ جائے کہ اس مرحوم کی ٹوٹی قبر کی اینٹیں برابر کر کے لگائی جا سکیں۔

ہماری آرزو تو یہ تھی کہ اگر جانے والے کو اتنی جلدی مرنا تھا تو کالج ہی میں مرتا کہ کالج کے دوسرے بانیوں کے پہلو بہ پہلو جگہ ملتی۔ اسلام کی بلند نظری اور فیاضی کا ثبوت اور کراس، و کریسنٹ'' کی زندگی اور موت دونوں کی یک جہتی اور یگانگت کا نمونہ بن کر علی گڈہ کی مسجد کے ایک کونے میں سپرد خاک ہوتا۔ اس میں تو کسی اولڈ بوائے کو شک نہو گا کہ اگر سر سید نے کالج بنایا تو مسٹر بیک نے اولڈ بوائے تیار کیے۔ حق مغفرت کرے اگر آزاد مرد تھا۔

مجھے وہ دن خوب یاد ہے جب مسز بیک شملہ سے واپس آئی ہیں اور اُن کو دیکھ کر لڑکوں کی حالت دگرگوں ہوئی ہے۔ ایک روز وہ مسجد کے پاس کھڑی ہوئی اُس پتھر کو نہایت غور اور حسرت سے دیکھ رہی تھیں، جسکا ذکر مصباح العثمان صاحب نے کیا ہے اُس وقت اس پاس جتنے لڑکے کھڑے تھے سب زار و قطار رو رہے تھے اور مسز بیک اُن کو تسکین دیتی تھیں۔

نا گھر میرا نا گھر تیرا چڑین رین بسیرا''

ملک الموت کی جلد بازیوں کی نہایت دبے الفاظ میں شکایت ہے۔

افسوس نوجوان مرنے والے بیک تو بھی کیا کیا آرزوئیں اپنی اور دوسروں کی ساتھ لے کر رخصت ہوا۔

مسز بیک کے خطوط پانچ چھ سال تک میرے بھائی عبداللہ صاحب مرحوم کے پاس جب تک وہ زندہ رہے آتے تھے۔ اکثر وہ نہایت طول طویل ہوتے اور اُن میں بہت سی باتیں کالج اور اولڈ بوائز ہی کے متعلق ہوا کرتی تھیں، گر وہ ایک نہ بھولنے والا مضمون ''مائی ڈیر ہسبنڈ''، ہمیشہ زبان قلم پر رہا۔

اُن کو بیک صاحب سے کیسی محبت تھی اور کیوں نہوتی۔ وہ ہمیشہ کن درد بھرے الفاظ میں اُن کا اور کالج کی زندگی کا ذکر کرتی تھیں۔ اگر اولڈ بوائز اس قسم کی تجویز کرکے اُن سے اجازت چاہیں گے تو وہ نہ صرف خوشی سے اجازت دینگی بلکہ اُن کے غمزدہ دل کو یہ بات سُن کر نہایت تسکین ہوگی کہ مرحوم کے شاگرد بھی انکے شریک ہیں اور اُنہیں بھولے نہیں۔

کالج کے کئی طالب علم ہر سال شملہ کو جاتے ہیں۔ وہاں کی ضرورت کے موافق قبر کا ایک عمدہ نقشہ جس میں اسلام اور کالج کا بھی لحاظ ہو آسانی سے تیار ہو سکتا ہو فی الحال اُس نقشہ کا انتظار کرنا فضول ہے۔ اڈیٹر صاحب چندہ جمع کرنا شروع کر دیں۔

میں نے بیک صاحب کو کالج میں نہیں دیکھا اور اُن کے انتقال کے دو یا تین مہینے بعد کالج میں آیا۔ وہ زمانہ ایسا تھا کہ ہر ایک کی زبان پر بیک صاحب ہی کا نام تھا۔ اس لیے مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہی کہ گویا میں نے اُنہیں کے زمانہ میں تعلیم پائی ہو۔

میرے بھائی عبداللہ صاحب مرحوم سے اُنہیں جس قدر محبت تھی اس سے بہت سے اولڈ بوائز واقف ہونگے۔ مشہور تھا کہ بیک صاحب عبداللہ کے مشورہ کے بغیر کوئی کام خواہ کیسا ہی اہم کیوں نہ ہوتا نہیں کرتے تھے۔ میں اس خیال سے کہ شاید میرے بھائی مرحوم کی روح کو خوشی ہو اور نیز اس محبت کے ادنیٰ ثبوت میں جو مجھے مسٹر بیک مرحوم کے پیارے نام سے ہی پچاس روپیے کا چندہ مرحوم کی قبر کی مرمت کے فنڈ میں دیتا ہوں جو کہ حسب خواہش اڈیٹر صاحب مصباح العثمان صاحب کے پاس روانہ ہوگا۔

آخر میں مَیں ہر ایک اولڈ بوائے کی توجہ اس ضروری فرض کی طرف منعطف

کرنا چاہتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ وہ جلد اس کارخیر کو انجام تک پہنچائیں گے۔

مارا دیار غیر میں مجکو وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

اسلم ۔ ازکیولان

ہم خیال کرتے ہیں کہ رقم مندرجہ مضمون اور رقیں جو اس کام کے لیے اولڈ بوائز مرحمت فرمائیں یا تو اسکے محرک مسٹر مصباح العثمان صاحب کے پاس جانی چاہییں یا براہ راست سکرٹری ایسوسی ایشن کے پاس۔ جنھیں وہ امانتاً اپنے پاس یا رجسٹرار صاحب ایسوسی ایشن رکھ سکتے ہیں۔

(اولڈ بوائے)

فہرست اولڈبوائز ایسوسی ایشن

فہرست ممبران اولڈبوائز ایسوسی ایشن کے مرتب ہونے کے بعد مجھے ہرگز یہ خیال نہیں تھا کہ اس میں کوئی ضروری اور اہم کمی رہ گئی ہی لیکن برادر مکرم خان بہادر مولوی عبدالرشید صاحب کے مضمون نے جو اولڈبوائے بابت ماہ جنوری ۱۹۱۱ء میں شائع ہوا ہی اس بات کو ظاہر کردیا اور مجھے اس امر کا معترف بنادیا کہ واقعی فہرست مرتبہ دفتر اس تفصیل کی محتاج تھی جسکو ہمارے عزیز خان بہادر صاحب نے نہایت محنت اور سرگرمی کے ساتھ طیار کیا ہی اور جو ضمیمہ اُن کے مضمون کا ہی۔ آیندہ جو فہرست طیار ہوگی اُس میں انشاء اللہ تعالیٰ اس اضافہ کی تقلید کیجائیگی۔ اور مجھے امید ہے کہ ایسوسی ایشن کے دفتر کے لیے یہ فہرستیں نہایت کارآمد اور ضروری ثابت ہونگی اور اصل میں مختلف مدارج ممبران ایسوسی ایشن اس کی قوت اور مقامی کیفیت بغیر اس قسم کی فہرستوں کے معلوم نہیں ہوسکتی تھی۔

میں خود اپنی طرف سے اور منجانب ایسوسی ایشن خان بہادر بھائی کا تہ دل سے اس محنت ہمدردی اور ایجاد کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور اصل بات تو یہ ہی کہ ان حضرت کے شکریے کہاں تک ادا کیے جائیں۔ یہ ہمیشہ موقع پر ایسی ہی انوکھی اور دل میں چبھتی ہوئی بات کرتے ہیں۔ اللہ ان کا بھلا کرے۔

خان بہادر صاحب کے ایک فقرہ نے تو بس غضب ہی کردیا۔ شاعری میں تو مزہ دیتا ہی ہی لیکن امر واقعی ہونے کی وجہ سے مجھے اس سے بہت لطف حاصل ہوا۔ ممبران ایسوسی ایشن جو طالب علم ہیں ان کی تعلیم کے خانہ کیفیت میں تحریر فرماتے ہیں کہ "مجہول الحال ممبر علیگڈھ۔ الہ آباد۔ آگرہ کے ہیں"

اس کی تفصیل صفحہ ۲۲ کے فقرہ ۴ میں یوں ہے:-

"ان کا ممبر ہونا کسی فوری جوش یا کوشش مقابلہ پر مبنی معلوم ہوتا ہے"

واقعی بات یہی ہے اور گو ایسے ناموں کی وجہ سے فہرست میں طوالت تو ضرور ہوگئی ہے لیکن کوئی قرار واقعی اضافہ آمدنی میں نہیں ہوا نہ دلچسپی لینے والے ممبران کی تعداد بڑھی۔ اسکا تصفیہ آیندہ جلسہ میں کیا جائیگا۔

محمد عبدالسلام

آنریری سکرٹری اولڈ بوائز ایسوسی ایشن

اولڈ بوائز کے لیے ایک امتیازی نشان کی ضرورت

میری رائے ہی کہ جملہ "اولڈ بوائز" کے پاس ایک خاص امتیازی علامت ہونا چاہیے۔ جس سے وہ پہچانے جاسکیں کہ یہ علی گڈھ کالج یا اسکول کے تعلیم یافتہ اور اس چمن کے ہونہار پودے ہیں جسکو ایک فدائے قوم آل رسول اکرم، باغبان اسلام نے لگا کر باریابی کی امید پر اپنے جانشینوں کے سپرد کردیا تھا۔ ابتک اولڈ بوائز کی شناخت صرف آپس کی شناسائی پر محدود ہی۔ یعنی زید کے زمانہ میں اگر بکر طالب علم موجود تھا تو دونوں میں ضرور تعارف بہ کمی یا بیشی ہوسکتا ہی۔ مگر عمرو سے جو زید و بکر کے زمانہ سے کہیں قبل کالج چھوڑ چکا ہی بالکل تعارف نہیں ہی۔ نہ ایک طالب علم ایسے طالب علم کو جو اسکے زمانہ میں کالج اسٹوڈینٹ نہ تھا اسٹیشن یا کسی جلسہ وغیرہ میں شناخت کرسکتا ہی۔ ایسی حالت میں ایک "اولڈ بوائے" جو ہمدردی دوسرے "اولڈ بوائے" کے ساتھ کرسکتا ہی یا کرنا چاہتا ہی وہ کیونکر کریگا۔

اگرچہ میں فرمیسن نہیں ہوں مگر سنا ہی کہ ہر فرمیسن کے پاس ایک انگشتری خاص نشان کے ساتھ ہوتی ہی اور کوئی خاص علامت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے آپس میں ملانے کی بھی ہی جس سے ایک فرمیسن دوسرے فرمیسن کو فوراً شناخت کرلیتا ہی اسی قسم کی نشانی فرمیسن اپنی گاڑی یا اردلی کے پٹکے و چپراس پر بناتے ہیں۔

میری رائے ہی کہ ایسی ہی کوئی نشانی اولڈ بوائز کے لیے ایجاد کی جائے جو ٹوپی پر لگانے کا ہو یا چھاتی پر۔ پھر ہمیں کوئی وجہ مانع نہوگی کہ ہم اسے چھاتی سے نہ لگائیں اور جو ہمدردی ہمارے امکان میں ہی وہ اسکے لیے وقف نہ کردیں۔

اولاً نمونے پیش کیے جائیں۔ دوم علی ہذا ہر معزز اولڈ بوائے اپنے کارڈ پر اس علامت کو چھپوائے اور جس طرح یورپین جنٹلمین بڑے دن اور نوروز کی خوشی میں

ایک دوسرے کو کارڈ بھیجتے ہیں اسی طرح ہم لوگ آپس میں عید کارڈ بھیجا کریں۔ اِن کارڈوں پر بھی علاوہ خوشی اور مبارکباد کے فقروں کے قومی نشان پیشانی پر چھپا ہوا رہے۔

یہ سب چیزیں اڈیٹر صاحب اولڈ بوائے کی زیر نگرانی تیار ہوا کریں۔ اور ہر ہر اولڈ بوائے بہ شرح معینہ یہاں سے خریدا کرے۔ نمونے اولڈ بوائے میں پیش کر دیئے جائیں۔ اور آیندہ "اولڈ بوائے" کی اشاعت تک بذریعہ خطوط اُن نمونوں کی منظوری یا نامنظوری سے ایڈیٹر صاحب کو اطلاع دیدی جائے تاکہ دوسرے نمبر میں منظور شدہ نمونہ دکھلا دیا جائے اور ان کی تیاری شروع کر دیجائے۔

سنہ ۱۹۱۱ء کی "اولڈ بوائز لسٹ" مرتب کر کے ہر اولڈ بوائے" کے خریدار کو ملنا چاہیے۔ ہر اولڈ بوائے" اپنے اپنے مقامی "اولڈ بوائز" کے نام معہ مختصر حالات ضروری دفتر "اولڈ بوائے" کو بھیجدے۔ فقط

محمد عبداللہ رحمانی۔ رامپوری

اولڈ بوائز قوم کی نظر میں

خدا کے فضل و کرم سے اسوقت اولڈ بوائز کی تعداد سینکڑوں سے تجاوز ہو کر ہزاروں تک پہنچ گئی ہی۔ اور نہایت مسرت کے ساتھ کہا جا سکتا ہی کہ علیگڈہ کالج کے طالب علموں میں قومیت کا وہ جوش پایا جاتا ہی جو تمام ترقیوں کی اصل ہی۔ اور جس پر انشاء اللہ تعالیٰ ایک دن عظیم الشان ایوان قومیت تعمیر ہوگا۔ یہ سچ ہی کہ اولڈ بوائز من حیث المجموع سرسید کی پولیٹکل اور سوشیل خیالات کا آئینہ ہیں۔ لیکن نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہی کہ اولڈ بوائز نے اپنی اہم ذمہ داریوں اور فرائض کو ابھی تک بالکل محسوس نہیں کیا ہی۔ کالج کے مرحوم و مغفور بانی کی سب سے بڑی توقع اولڈ بوائز سے یہ تھی کہ وہ قوم کے لیڈر اور رہنما بنیں۔ کیا سرسید کے نام لیوا بتلا سکتے ہیں کہ اُنھوں نے اپنے پیشوا کی اس آرزو کو جس کی تکمیل کیلیے یقیناً سرسید کی روح اب بھی بے چین ہوگی صحیح معنی میں پورا کیا؟ یقیناً اسکا جواب نفی میں ملے گا۔

"اولڈ بوائے" کے پہلے نمبر میں جناب اڈیٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا ایک فرقہ اولڈ بوائز کو مذہب سے لاپرواہ، فیشن کا فدائی، یورپین روش کا دلدادہ اور بزرگوں کی ریت کا دشمن خیال کرتا ہی۔

امر اول کے متعلق "تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا" کا مسلمہ اصول یاد رکھنے کے لائق ہی۔ ہم صفائی کے ساتھ اقرار کرتے ہیں کہ اولڈ بوائز من حیث المجموع اس شرمناک دھبہ سے پاک ہیں۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں ہمارا قومی عشق قابل ستایش ہی وہاں ہمارے ایک فریق کی شعار اسلام سے بیگانگی بھی ذرو کذا

کے قابل نہیں ہی۔

اولڈ بوائز خوب سمجھ لیں کہ قومی ترقی کی بہترین توقعات ان کی ذات سے وابستہ ہیں۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ جمہور اہل اسلام ان کو اپنا لیڈر تسلیم کریں تو ان کو سرسید مرحوم کی اس حکیمانہ ہدایت "ہماری قوم کا کوئی فرد علمی حیثیت سے نیوٹن سے بھی زیادہ پایہ حاصل کرے تاہم اگر وہ مذہب سے معرا ہی تو وہ ہمارے کسی کام کا نہیں" کو بدرقہ راہ بنا کر دنیا کے روبرو اپنے تئیں خالص اسلامی کیرکٹر کا نمونہ بنا کر پیش کرنا چاہیے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اسلام جسکے ارکان و آداب میں انتہائی سربلندی کی تحریکیں مخفی ہیں اور جسنے ایک زمانہ میں فاروق اعظمؓ اور علیؓ مرتضی جیسے جلیل القدر سیاسی و علمی لیڈر دنیا کے روبرو پیش کر دیے تھے۔ وہ اب بھی ہم کو کمال عروج اور ترقی کے مدارج پر فائز کرنے سے قاصر نہیں رہ سکتا۔ اسلام کا اصل الاصول محض زہد و تقوی ہی اور مسلمانوں کا لیڈر وہی شخص ہو سکتا ہی جو اِنَّ اکرمکم عند اللہ اتقکم کے معیار میں پورا اترے۔ اس معاملہ میں سرسید کے دوسرے جانشین کالج کے موجودہ سکرٹری اور ہماری قوم کے مسلمہ لیڈر قبلہ و کعبہ نواب وقار الملک مدظلہ العالی کی زندگی ہمارے لیے خاص طور پر سبق آموز ہی۔ نومبر ۱۹۱۰ء کے اولڈ بوائے میں "میری کالج کی زندگی" کے عنوان سے جو مراسلت شائع ہوئی ہی اسکو پڑھ کر دلی قلق اور افسوس ہوتا ہی۔ متانت آمیز ظرافت بری شے نہیں اور نہ ہم اسکے مخالف ہیں۔ مضمون نگار صاحب کو اس امر کا خیال نہوا کہ "اولڈ بوائے" کا مطالعہ انہیں کی جماعت تک محدود نہیں ہی۔ میرے روبرو بعض اشخاص نے اسکو پڑھکر سخت تنفر ظاہر کیا۔

مضمون نگار صاحب سے میں بادب دریافت کرتا ہوں کہ مسجد کے دروازہ سے

بلا ادا سے نماز کے " حاضر جناب " کہہ کر لوٹ آنا اور سوا پہر دن چڑھے خواب استراحت سے بیدار ہونا کون مستحسن امور ہیں۔ موجودہ طلبا، کالج ان سے کیا اخلاقی نصائح حاصل کرینگے۔ اور عوام ہمارے مایۂ ناز قومی کالج کی نسبت کیا رائے قائم کرینگے۔
میری ناچیز رائے میں تو (اڈیٹر صاحب معاف فرمائیں) بجائے اسکے کہ معترضین کو تاریک خیال، کم بیں، اور مادر زاد نکتہ بیں" گردہ کہہ کر انتقام لیا جائے۔ ہمیں خود اپنے طرز عمل میں مناسب اصلاح کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم سرسید مرحوم کے قومی ترقی کے خواب کو رویاے صادقہ کر دکھانا چاہتے ہیں تو ہم کو ارکان و شعار اسلام کی سختی کے ساتھ پابندی کرکے یہ بات دکھانا چاہیے کہ معترضین کے اعتراضات محض غلط اور بے بنیاد ہیں اور اسکے بعد ہم کو نکتہ چینی کی کوئی پرواہ نہ کرنا چاہیے۔
" شفا بایدت دارو تلخ نوش "

امر دوم و سوم کے متعلق ہم کو صرف اس قدر لکھنا ہے کہ فیشن اور یورپین دش کی دلدادگی کا مرض ایک وبا مہلک کی طرح ہم میں ترقی کر رہا ہے۔ جو موجودہ قومی ضروریات کے لحاظ سے سخت مضرت رساں ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ استحکام قومیت کے لیے شعار قومی (قومی فیشن کی پابندی) کی بے حد ضرورت ہے۔ اور اُن تمام اقوام یعنی انگلش۔ فرنچ، جرمن، جاپانیز وغیرہ کا طرز عمل جو آج آسمان تہذیب و تمدن کے ماہ و خورشید ہو رہے ہیں اس کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے قومی فیشن کو چھوڑ کر بلا وجہ یورپین فیشن اختیار کرنا سیلف رسپکٹ اور اسلامی وقار کے خلاف ہے۔ ہمارے لیے وہی پوشاک پسندیدہ ہے جو سرسید نے تجویز کی تھی۔

امر چہارم کے متعلق ہم کو صفائی کے ساتھ اقرار کرنا چاہیے کہ ہم لکیر کے فقیر نہیں ہیں اور نہ ہم ان خلاف عقل۔ خلاف مذہب اور خلاف ضرورت وقت مراسم

کے شکنجہ میں پھنسنا چاہتے ہیں جسکو مسلمانان قرن وسطی نے مشرقی آب و ہوا سے متاثر ہوکر اپنے اوپر حائز کرلیا تھا۔

ختم مضمون سے قبل اپنے پیارے بھائیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ حضرت فاروق اعظم کی اس پاک ہدایت "خدا اس شخص پر رحمت کرے جو ہمارے عیب ہم پر ظاہر کرے" سے فائدہ اُٹھاکر مجھے اس صاف گوئی پر معاف فرمائیں گے۔

ستایش سرایاں نہ یار تواند
ملامت کناں دوستدار تواند

اخیر میں جناب اڈیٹر صاحب سے درخواست ہے کہ وہ "اولڈ بوائے" میں ایسے مضامین نہ شائع فرمایا کریں جن میں اولڈ بوائز کا تاریک پہلو نمایاں کیا جائے بلکہ زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس رسالہ کے ذریعہ سے اولڈ بوائز کو اُن کی ذمہ داریوں اور اہم فرائض سے آگاہ کیا جائے تاکہ ہمیں وہ علمی قوت پیدا ہو جس کے سرسید مرحوم ہم سے متمنی تھے۔

غلام محی الدین۔ ابزاتروی

قرنے بگذشت ایں دل زارہماں

اس سُرخی سے یہ تو سب کو معلوم ہو جائے گا کہ کسی دقیانوسی خیال کو تازہ کیا جاتا ہی، جس کی مناسبت "اولڈبوائے" سے لفظاً و معناً دونوں ہے۔

میں بھی ایک اولڈ بوائے بلکہ "اولڈسٹ بوائے" ہوں۔ یوم ولادت سے "اولڈبوائے" سے مجھے اُنس ہی۔ پہلے یا دوسرے پرچہ میں پنڈت راماں شنکر صاحب مصر کا مضمون دیکھکر وہ زمانہ آنکھوں میں پھر گیا جب وہ پروفیسر تھے۔ ریشمی شملہ باندھتے اور بالا بر کی جیکین پہنتے تھے۔ میرے دل میں جوش آیا کہ میں بھی کچھ لکھوں مگر لکھنے کی نوبت نہ آئی اور نہ کسی پرچے میں کسی ہمعصر کا کوئی مضمون نکلا۔ البتہ ۱۸۸۸ء کے بعد کی پود ھنے رنگ جمالیا ہی۔ اب جنوری کے پرچے میں رشید (خان بہادر) کا مضمون صفحہ ۲۱ پر دیکھا، جس میں پیشانی پر نام خدا آپنے شعر بھی لکھا ہی۔ ماشاءاللہ علاوہ اور اوصاف کے آپ شاعر یا شعر فہم بھی ہیں۔ ذہین، تیز طبع، وضعدار، شوخ مزاج تو آپ طفلی سے ہی تھے۔ اب موزوں طبع بھی ہو گئے۔

ماشاءاللہ! چشم بددور!! رشید!!!

میرے سامنے فہرست ایسوسی ایشن تو نہیں ہی کہ جزئیات پر "ریمارک" کروں تحریر کی داد دوں مگر آپ کی لیاقت مانی ہوئی ہی، ہی کھاتہ کی جانچ میں آپ مشاق ہیں کیونکہ یہی کام آپ کر رہے ہیں لہذا آؤین کے سوا کیا کہوں۔

خیر! یہاں تک تو حاجی کے متعلق تھا اب چاہتا ہوں کہ میں بھی کچھ پُرانی کہانیاں سُناؤں جس سے اولڈبوائز محظوظ ہوں۔ بعد کے جونیر زسبق لیں کہ ہم لوگ کس لطف و محبت سے رہتے تھے، سرسید، سڈنس صاحب، پنڈت راماں شنکر صاحب

کس طرح بزرگانہ، اُستادانہ، اور دوستانہ برتاؤ کرتے تھے۔ جانیے اور مان لیجیے کہ ہم لوگ کالج کے بنیادی اینٹیں ہیں۔ اب جو شان و شوکت نظر آتی ہے۔ اسکے الفضل للمتقدم کی فضیلت ہمارے حصہ میں ہے۔

میرا زمانہ ۱۸۷۵ء سے ۱۸۷۹ء تک تھا۔ میں بورڈر تھا رشید شہر میں تھے مگر دل ایک تھے۔ مسٹر حبیب اللہ بھی اسی ٹکڑی میں تھے۔ بڑے نہ تھے مگر شرارت کی پوڑیہ تھے۔ سر سید کی مربیانہ باتیں بھول نہیں سکتے۔ ایک دن ریلوے اسٹیشن پر کسی کو لینے گئے، میں بھی تھا۔ وہاں ایک رئیس زادے وضع سے ٹہل رہے تھے کہ سر میں مانگ نکلی اور ٹوپی میں گوٹہ لگا ہوا تھا، اچکن میں لچکہ تھا، پور پور انگوٹھیاں تھیں، دونوں لب مسّی آلود پان سے رنگین تھے۔ سبزہ آغاز تھا، مجھسے سر سید نے کہا کہ یہ لڑکی ہے یا لڑکا۔ میں نے کہا کہ لباس تو لڑکیوں کا ہے، قہقہا لگایا کہ خوب بوجھا۔ اُن کے بزرگ سے کہا کہ ہمارے کالج کا یہ لڑکا ہے اور آپکے صاحبزادہ کی نسبت ریمارک کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ رئیس زادے اُس لباس میں نظر نہ آئے، تہذیب کے جامہ میں آ گئے۔

سر سید ہم لوگوں کو کالج کا پھل پھول کہتے تھے۔ اپنی جسامت کو مضبوط درخت اور ماسٹروں کو مالی پکارتے تھے۔ اللہ! اللہ! عجب ذات تھی جسکے کرشمے اب تک نظر آتے ہیں۔ مسٹر محمد علی سر سید کے بنگلے میں رہتے تھے، مجھ سے کلاس میں سینئر تھے، کبھی کبھی مجھے پنڈت کہا کرتے تھے اور میں اُنھیں دہلی کا کھتری پکارتا تھا، خدا اُن کو خوش رکھے کبھی میرا ساتھ نہیں ہوا۔ اگرچہ ملاقات ہو جاتی ہے، کم سخنی اُنکے خلق میں ہے۔ نیز لحاظ مرتبہ۔ مسٹر حبیب اللہ، مجھ سے ایسا ہی ملتے ہیں اور رشید تو لنگوٹیا یار ہیں۔ سلسلہ محبت جاری ہے۔ خان بہادری کی تاریخ بھی میں نے نظم کر کے پیش کی مگر تحفہ کشمیر جس کی خبر مجکو مختلف ذریعوں سے ملی اب تک "زیر رو" ہے

نمائش میں ملاقات ہوئی ماشاء اللہ! رخسارے سرخ تھے۔ کام میں منہمک تھے۔ فرصت نہ تھی، مجھے اسکا خیال بھی نہیں۔ جب مل جائینگے ملجائینگے۔ دل تو اب بھی ملے ہوئے ہیں۔

سڈنس صاحب کا سا اُستاد شفیق کاہے کو ملتا ہی۔ مجھے عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ایک بار مجھ سے میجر مولوی نجف علی سے خفا ہو کر سرسید کو ناراض کرا دیا۔ اور میں نے (حسب ایماے سرسید) بورڈنگ چھوڑ کر غلام حسین خاں ڈپٹی کلکٹر کے پاس قیام کیا۔ میرے جونیر ساتھی سب بگڑ گئے۔ بعض نے بورڈنگ چھوڑ دیا بعض آمادہ ہوئے۔ میں نے سب کو روک دیا۔ دوہی دن میں سڈنس صاحب اور پروفیسر راماں شنکر صاحب نے سرسید سے کہہ کر مجھے بورڈنگ میں بلالیا۔ سب بورڈر مجھے شان سے لے آئے۔

سنہ ۹۹ء و سنہ ۱۹۰۱ء سے مجھے پھر علی گڈہ جانے کا اتفاق نہوا۔ میجر صاحب مجھ سے اپنی ضرورت سے ملے بہت محجوب تھے۔ سڈنس صاحب جب تک لکھنؤ میں تھے مجھ سے محبت سے پیش آئے۔ پنڈت صاحب سے ملاقات کا موقع نہیں ملا۔ مگر میں انکو یاد ہوں۔ میرے بعض عزیز اُن کے پاس سلسلۂ ملازمت گورنمنٹ میں تھے۔ عجیب صاحب خلق و باوضع شخص ہیں۔

مجھے امید ہی کہ اس طرح اور اولڈ بوائز بھی کچھ کچھ لکھیں گے تاکہ ہماری یاد تازہ رہیں اور جونیرز کو تعلیم دے کر ثواب و محبت میں داخل ہوں۔ پولیٹکل خیالات سے پرہیز کر کے قوم کی عمارت کی بنیاد ڈالیں جیسا کہ شوکت نے نظیر نکالی ہی۔

سید محمد ہاشم (ڈپٹی کلکٹر بریلی)

جب تک کہ نہ دل کی بیکلی جائے
اور دائرے والے گت چلی جائے

(اولڈ بوائے)

علی گڈھ کے کھلنڈرے

نمبر ۳

پیارے کھلنڈرو! آجکل تمہارے داستان گو کا دماغ عالم بالا پر ہے، وہ جامہ میں پھولا نہیں سماتا، ایک تو ماشاء اللہ! قد ویسے ہی لمبا تھا مگر اب تو پانچ یا چھ انچ اور بھی اونچا ہو گیا ہے۔ پنجوں کے بل چلتا ہے، اُچھلتا ہے، کودتا ہے، چلنے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا پیروں میں زبردست کمانیاں لگی ہوئی ہیں جو اسکو معہ اُس کی تین من کی لاش کے زمین سے آسمان کی طرف پھینکتی ہیں، چہرے پر ہر وقت خوشی کے آثار ہیں خوب ہنستا ہے دانت ہر وقت ہونٹوں کے باہر پڑے رہتے ہیں۔ رہی زبان سو اُسے پہلے ہی کب قرار تھا جو اب بند ہوتی۔ اب تو اور بھی قینچی کی طرح چلتی ہے۔

غرضکہ خوب چیختا چلاتا ہے۔ اپنے سر میں تو دماغ ہی نہیں جو چاٹتا۔ اس لیے غریب سُننے والوں کا بُرا حال ہے، ہر ایک کو درد سر کی شکایت ہے، خدا اُن پر رحم کرے آخر یہ کیوں؟ اے کھلنڈرو! واقعی وہ معافی کے قابل ہے اور جس قدر خوشی سے اُچھلے کودے بجا ہے۔ پورے سال بھر کی رخصت اسکے پاس ہے اور کام یہ سپرد کیا گیا ہے کہ ہندوستان کے ایک سرے دوسرے تک جائے۔ کوئی صوبہ کوئی ضلع ایسا نہ بچے کہ وہاں جا کر اپنے "کھلنڈروں" اور "پڑھندروں" سے ملے اُن کو زور سے گلے لگائے، پیار کرے۔ خوب دبوچے اور یہ سب کر کے اُن کو "مادر مہربان" سے لا ملائے تاکہ سارے ملک کے ماں جائے بھائی" ملکر متفقہ کوشش سے اُن سرداران قوم کی مدد کریں جنکو خدا نے ہمارے کالج کی بہتری کے لیے کھڑا کر دیا ہے۔

حضرت انشاپرداز ضرور کہتے ہونگے کہ کھلنڈرو تو سُنا بھی تھا۔ یہ اُسکا بڑا بھائی "بڑہنڈرا" کہاں سے آگیا۔ مگر اے کھلنڈرو! سچا عشق، سچا جوش ایک وبائی بیماری ہی جو ایک سے دوسرے کو اڑکر لگ جاتی ہی۔ جسم میں تھوڑا سا مادہ موجود ہونا چاہیے۔ ذرا سی روئی ہو پھر ناممکن ہی کہ یہ آگ نہ لگے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکیم برہم صاحب بھی ہم کو قابل معافی تصور فرماتے ہونگے اور غالباً اب تو وہ بھی اس مزہ دار بیماری میں مبتلا ہوگئے ہونگے۔ ہم تو دیوانے اور مجذوب ہیں، مجذوب کی بڑبڑ کون نکتہ چینی کرتا ہی اور کوئی نکتہ چینی کرے بھی تو وہ کب سُنتا ہی۔

اے کھلنڈرو! جب سے ہمارے اس ننھے مُنّے پیام بر "اولڈبوائے" نے کاشی جی میں جنم لیا تھا اُسی وقت سے اُسکے مالکوں، اُس کے اڈیٹر مسٹر عترت حسین اور اسکے خدمت گزاروں کو یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ "اولڈبوائے" کی طرف سے سارے ہندوستان میں دورہ کرنے کے لیئے ایجنٹ بھیجے جائیں جو ہر گوشہ ہند سے ڈھونڈھ ڈھونڈھکر دور افتادہ اولڈبوائز کو ایسوسی ایشن کا ممبر بنائیں تاکہ فرزندان علیگڈھ اپنی مادر مہربان کی اُس کی شان اور ضرورت کے مطابق مالی مدد کرسکیں۔ مگر

جب کسی نے نہ کیا بار محبت کو پسند — قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

آخر یہ خدمت میرے سپرد کی گئی تھی اور میں خوش تھا۔ اسکے بعد مسٹر محمد علی (بیل والے) نے نہایت درجہ تنگ کرنا شروع کیا جو جو مشورہ اُن حضرت نے دیا وہ بالکل اُنکے شایان تھا۔ آپ بڑودہ سے ایک سال کی فرلو بلاتنخواہ لائے ہیں اور خدا کا نام لے کر "کامریڈ" کے نام سے ایک اخبار کلکتہ سے جاری کردیا ہی مجھے بھی دیوانہ وار یہی مشورہ دیا کہ میں بھی ایک سال کی رخصت لے لوں اور "رائل کالج آف سائنس" کے لیے سارے ہندوستان میں دورہ کروں۔ بیوی بچوں کو زہر دیدوں۔ اور بنارس کے مکان میں آگ لگادوں۔ وہ تو دُم کٹی

لومڑی تھے ہی میں بھی اُنکے مشورہ سے اپنی خوبصورت دُم کاٹ کر اُنکا ہمشکل ہو جاؤں۔ عقل تو یہی کہتی تھی کہ ہرگز مت سُن مگر دل بار بار لالچ دلاتا تھا کہ ضرور ایسا ہی کر، بہت لطف اُٹھائیے گا۔

جب بمبی کے کرکٹ ٹور سے ہم سب سرخرو اور اپنے کالج کی ناموری کا باعث ہو کر یکم جنوری کو الہ آباد واپس آئے تو وہاں اُس وقت ایک قومی برات جمع تھی جسکے خوبصورت دولھا "ہز ہائنس آغا خان" تھے۔ قبلہ و کعبہ نواب وقار الملک بہادر بھی وہاں موجود تھے۔ ان سب بڑوں کا یہ حکم ہوا کہ رخصت لے کر اس کام میں مدد کروں۔ میرے چھوٹے اور برابر والے عزیز دوست اور اول روز سے ساتھ کام کرنے والے اڑے تھے کہ میں ایسا ضرور کروں۔ علیگڈہ کے احباب بھی مصر تھے۔ کہ میں ایک سال اس کام کے لیے دوں۔ اے کھلنڈرو! میں تو اول سے ہی راضی تھا مگر یہ اصرار اور یہ زبردستی مزہ دیتی تھی۔

وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ یہ مان جائیے اللہ اتیری شان کے قربان جائیے

ان سب کے اصرار سے اور سب سے زیادہ "اندر والے" کے اصرار سے آنکھیں بند کر کے ایک سال کی رخصت کی درخواست بذریعہ تار دیدی اور تعجب تو یہ ہی کہ وہ درخواست ۲۴ گھنٹے کے اندر منظور بھی ہو گئی۔ میری خوش قسمتی واقعی قابل فخر ہی۔ اُس وقت سے کام بھی شروع کر دیا۔ اور اب سارے ہندوستان میں مارا مارا پھر رہا ہوں، "سُنو اور چلو"

میری زندگی کیسی مزہ دار ہی اُتر سے دکھن اور پورب سے پچھم تک ہر جگہ جاؤنگا اور اپنے پُرانے بچھڑے ہوئے بھائیوں سے برسوں کے بعد ملونگا۔ ہندوستان کے سب سے جنوبی گوشہ راس کماری پر پیارے اسلم کے ساتھ اس جگہ جہاں دو بڑے سمندر ملتے ہیں کھڑا ہو کر علی گڈھ کے تذکرے کرونگا اور اُن بڑے سمندروں

کی لہروں سے مخاطب ہو کر فخریہ اپنے علیگڈھ کی تعریفیں کرونگا اور کہونگا۔

اے لہرو! تم کیا ہو اور کیا ہی تمہاری طاقت، ہمارے علیگڈھ کے علمی سمندر کی لہریں تم سے کہیں زیادہ طاقتور ہیں۔ تم کو پانی پر زور ہی ہم کو پانی ہوا اور خاک سب پر طاقت ہی۔ ایک نہ ایک دن ہمارے کالج کے کھلنڈرے سمندر، ہوا، زمین پر ایسے کارنمایاں کرینگے کہ دنیا دنگ رہجائے گی۔ ذرہ ٹھہرو، ہم تو ابھی سوتے سے اٹھے ہیں موت لانے والی نیند کا خمار ابتک آنکھوں میں ہی۔ خدا بھلا کرے چند محبان قوم کا جنھوں نے ہم کو جگایا ہی۔ انشاء اللہ چند بیداری کے سالوں میں ہم اس بات کا ثبوت دیدینگے کہ دنیا کی اعلیٰ قوموں میں ہم کسی سے کم نہیں ہیں، اے سمندر کی لہرو! جاؤ اور ہمارا یہ پیام ساری دنیا کو سناؤ اور خاصکر ہمارے اُن بھائیوں کو جو ہم سے دور سات سمندر پار اپنی "مادر مہربان" کی ناموری کے لیئے آکسفورڈ کیمبرج، لنڈن، ایڈنبرا اور جرمنی میں پڑے ہوئے علم حاصل کر رہے ہیں اور اُن دونوں بھائیوں عبدالستار اور عبدالجبار الخیری کو بھی یہ پیام سنا دینا جو بیروت میں پڑے ہوئے اپنی قوم و ملت کیلیے جان توڑ کوشش کر رہے ہیں۔

غرض اسلم سے رخصت ہو کر مدراس جاؤنگا اور وہاں اپنے بھائی مسٹر یعقوب سیٹھ عبدالحمید (سوبجر) اور سید حسن علیؒ وغیرہ سے ملونگا۔ بنگلور میں جعفر کلامی اور آصف مہکری کے کان پکڑونگا۔ یہ دونوں چھوٹے چھوٹے کالج میں پڑھتے تھے کونوا میں شجاع الملک (حلق) سے برسوں کے بعد ملونگا۔ سلی پٹم میں اُن کے بڑے بھائی نواب رفیع الملک سے ملاقات ہوگی۔ بلاری میں عبدالکریم (جینڈول)

اور اُن کے بھائیوں سے ملونگا۔ یہ لڑکے اب جوان ہوگئے ہونگے مگر میرے زمانہ میں یہ گول مٹول چھوٹے چھوٹے بچے تھے مگر تھے بڑے لڑنے والے۔ بمبئی میں پروفیسر عباس سے مل کر "کلام پاک" کی وہ آیتیں سنونگا جنکا تعلق کھانے سے ہی۔ سید محمد (ڈاکٹر) سے تو ابھی ملاقات ہو چکی ہی مگر اب پھر ملونگا۔ اور "تھینک یو" والا قصہ یاد دلاؤنگا۔ سورت میں مسٹر افضل زماں (گرُم) سے مل کر یونیورسٹی کے لیے بہت سے روپئے لونگا۔ سچین میں صاحبزادہ احمد خاں صاحب سے ملاقات ہوگی، جوناگڈھ میں برسوں کے بعد مسٹر محمد امین فقیہ سے پرانے تذکرے ہونگے۔ اور خاندیس میں اپنے ہنس مکھ، دق کرنے والے عزیز کمال الدین سے اٹھارہ برس بعد مل کر خدا معلوم کیا کیا باتیں کرونگا۔ کراچی اور سندہ میں مسٹر علی اکبر حسن علی (بندر) آنریبل مسٹر غلام محمد بھرگری اور بہت سے بھائیوں سے مل کر دل خوش کرونگا۔ مشرقی بنگال میں اپنے عزیز دوست اور ابتدا سے ساتھ کام کرنے والے مسٹر محمد محمود (دمبوق) سے میمن سنگھ میں جاکر ملونگا اور کام لونگا۔ مسٹر الطاف علی سے بارہ سال میں ملاقات ہوگی، مسٹر محمد چودھری سے سلہٹ میں ملونگا۔ ڈھاکہ میں مسٹر کبیر الدین اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس، مسٹر رحیم الدین ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس، مسٹر شہاب الدین، مسٹر سلامت اللہ مسٹر سکندر محمد سلام وغیرہ سے باتیں ہونگی، شایستہ آباد جاکر عزیزی اسد علی سے جسکو علیگڈہ کی یاد اب تک ستاتی ہی اور جسکا پیارا اور محبت بھرا خط ٹوٹی پھوٹی اُردو میں "اولڈ بوائے" میں شائع ہو چکا ہی ملاقات کرونگا۔ اُس کے والد ماجد سے تو اتفاقاً مل چکا ہوں۔ پنجاب میں سب جگہ جاؤنگا اور خدا معلوم کس کس سے ملونگا۔ وہاں تو ایک فوج ہی جو علیگڈہ کے نام کی شیدا ہی۔

کلکتہ میں بیٹھا ہوا تو یہ لکھ ہی رہا ہوں۔ خدا ۱۰۱ رپن اسٹریٹ اور اُس کے رہنے والوں کو سلامت رکھے علی گڈہ کی چوپال ہی۔ کیسے کیسے لوگوں سے ملاقات

ہوئی۔ پروفیسر ظریف کو جو باوجود فلسفہ اور منطق کے پروفیسر ہونے کے قطعی اسم بامسمّیٰ ہیں مکان کے کواڑ کھول کر کھینچ لایا اور اب تو خوب دل کھول کر باتیں ہوتی ہیں ایک تو اول دن سے کتاب کے کیڑے تھے۔ اب جو کام سپرد ہوا ہے وہ بھی "امپیریل ریکارڈ آفس" میں، دماغ میں ایسے ایسے مسالے جمع کرتے کہ واہ وا۔ مگر "کامریڈ" جونک کی طرح ایسا پیچھے پڑا ہے کہ ادھر جمع کیا اُدھر اُس نے قومی دعوت کے لیے رکھوالیا۔ مسٹر امجد حسین سے ملاقات ہوئی جو سر سید کے ہاتھ سے مار کھائے ہوئے ہیں۔ مجھے اُن پر رشک آتا ہے۔ کاش! یہ فخر مجھے بھی حاصل ہوتا تو ہندوستان میں تو کبھی "اولڈ بوائے" کو زندہ نہ چھوڑتا۔ پرانے قصے بہت سے سُنے اور دل خوش ہوا۔ اب وہ اپنے "اولڈ بوائے" کے لیے سلسلہ مضامین لکھتے ہیں، انعام الحق سے ملاقات ہوئی اور وہ بھی "اولڈ بوائے" کے ذریعہ سے سب دوستوں کو عنقریب "پیام محبت" بھیجیں گے۔ مسٹر مسعود حسین انسپکٹر پولیس غریب تو زبردستی بلگچیا کے تھانہ سے کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈ کر شام کو آموجود ہوتا ہے اور نواب علی کو بھی جانوروں کے شفاخانے سے کھینچ لاتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ نواب علی کی کرکٹ برابر جاری ہے۔ اور انشاءاللہ! ستمبر میں وہ بمبئی میں بہت کامیاب ہونگے نواب محی الدین میرزا اور معین الدین میرزا کے ساتھ بہت پُر لطف وقت گزرا اور دونوں میں علی گڈھ کی محبت دیکھ کر دل خوش ہوا۔ باقر حسین (پوائنٹ آف آرڈر اور رشک نپولین) سے تو دن میں دس مرتبہ ملاقات ہوتی ہے اور ہم سب اسکو بچھتر فیصدی والا شعر سُنا دیتے ہیں، کوٹھی ۱۰۹ علیہ میں تین کھلنڈرے موجود ہیں۔ "کامریڈ" تو سرتاپا "کھلنڈرا" ہے۔ اُسکا "بیل والا" اڈیٹر "کھلنڈرا" اور اول درجہ کا کھلنڈرا ہے۔ اس کا اسسٹنٹ اڈیٹر مسٹر عبدالرحمٰن سندھی اس سے بھی بڑھکر "کھلنڈرا" اور اسکا منیجر مسٹر غلام مولےٰ تو مجسم کھلنڈرا ہے۔

اگر میرا بس چلے اور کوئی کام نہ ہو تو میں ہمیشہ غلام مولیٰ کو جیب میں لیے پھرا کروں، جب دل گھبرایا جیب سے نکال کر باہر رکھدیا اور پھر وہ مزہ دار باتیں سُنیں کہ جی خوش ہو گیا، اے کھلنڈرو! ہمارا فرض ہے کہ علی گڈھ کی اس سرائے، چوپال یا اڈے کی پوری خدمت کریں تاکہ وہ مستحکم ہو جائے اور کلکتہ میں عزت اور آبرو کے ساتھ (یہ مجمع) قیام کرے اور قومی کام خوش اسلوبی سے ادا کرتا رہے۔

اب میں ملک کے ایک اور گوشہ کی تاک میں ہوں، ممالک متوسط اور ہند وسطی (سنٹرل انڈیا) میں تو مصباح، ولایت اللہ، اکرمین (یعنی دونوں اکرم) منظور احمد۔ صغیر علیؒ، اختر زماں، نواب زماں سے ملاقاتیں ہونگی۔ حیدرآباد میں تو دوستوں کی کان ہے۔ کم از کم تین سو "اولڈ بوائے" وہاں ہونگے، اُن سب کا پتہ عظمت اللہ، قادر بیگ، جمیل احمد، عبدالحق، نذیر بیگ وغیرہ کے ذریعہ سے لگا لونگا، کیا لطف ہوگا،

بہار، اودھ، صوبہ متحدہ تو میرا دیکھا بھالا ہے، اب پھر ملاقاتیں ہو جائیں گی۔ غرض ہندوستان کا کوئی کونہ مجھ جہانیاں جہاں گشت سے نہ بچے گا۔ اچھا سچ کہو ایسی حالت میں میری خوشی بجا ہے یا بیجا۔ اگر میں جامہ میں پھولا نہ سماؤں تو کیا تعجب ہے۔ ایسا موقع عمر بھر میں مشکل سے ملتا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ مجھے جلد مل گیا۔

اے کھلنڈرو! میں یہانتک یہ مضمون کلکتہ میں لکھ چکا تھا اور اپنے ذہن میں اسے ختم بھی کر دیا تھا۔ مگر آج ایک مہینے بعد تک مجبوراً تمام نہ کر سکا۔ غالباً خدا کو میری اس قدر خوشی بُری معلوم ہوئی یا خداوند کریم کو میری آزمائش کرنا منظور ہوگی، یا واقعی دل دُکھانے والی تکلیف میرے لیے ضروری تھی، غرض جو کچھ اسباب ہوں میری بہتری کے لیے ہونگے، مجھ پر ایک صدمہ ایسا پڑا جس کی

سے معمولی فرائض منصبی کے علاوہ جو آج کل بہت زیادہ ہیں اور کوئی کام نہ کرسکا۔
پنے کھلنڈرے کو معاف کرنا۔ اب اڈیٹر صاحب کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔
گزشتہ مضمون میں میں کچّی بارگ کا حال لکھ چکا ہوں کہ وہ اس زمانہ میں
ہمن ہو رہی تھی، پکّی بارگ بھی ہمارے لیے کچھ کم دلچسپ نہ تھی۔ اپنے گرد اور
سردار مسٹر عباس حسین کے کمرہ کا حال تو اوّل مضمون میں لکھ چکا ہوں،
انکے علاوہ میرا دوست سید ظہور حسنین ۴ نمبر کے کمرہ میں رہتا تھا اور ہمیں
وقت کا بڑا حصہ گزرتا تھا۔ اُسکے قریب ہی سلطان حسین مرحوم، زین العابدین مرحوم
اور نواب غلام محمد حسین خاں دہلوی رہتے تھے، سر سید کے نواسے سید احمدؐ علیؒ
اور اُنکے بڑے بھائی سید حامد علی کا جواب ریاست گوالیار میں جج ہیں اُنکے
قریب ہی کمرہ تھا، بڑے کمرے ۱۳ میں جو اب کالج کرکٹ کا ہیڈ کوارٹر - اور کپتان
کیلیے مخصوص ہوگیا ہے مسٹر آفتاب احمد خاں رہتے تھے اور اُن کے ہمراہ اُنکے بہنوئی
مسٹر احمد حسین خاں تھے۔ آفتاب احمد خاں صاحب کالج میں نہایت خاموش
زندگی بسر کرتے تھے، کیونکہ اُن دنوں میں بھی انکا شمار باوجود ایف اے میں ہونیکے
بڑے طلبا، میں ہوتا تھا۔
کمرہ نمبر ۴ تو ہم شیطانوں کا اکھاڑہ تھا اس لیے ہمارا شور و غل اور گانے کا
اُن پر کیا اثر ہوتا ہوگا، گو ایک دروازہ بیچ میں تھا۔ مگر بظاہر کوئی ایسی بات نہیں
ہوئی جس سے اُن کے خیالات کا اندازہ ہوسکتا۔ مسٹر آفتاب احمد خاں کی وضع قطع
کالج کے اور طالب علموں سے کسی قدر مختلف تھی۔ سب سے پہلے میں نے اُنہیں
رامپور میں اُس وقت دیکھا تھا جب وہ فٹ بال کی ٹیم کے کپتان ہو کر بے نظیر کے
میلے کے موقع پر وہاں گئے تھے۔ میں اُس وقت بریلی میں انٹرنس میں پڑھتا تھا
اور کچھ دنوں کے لیے وطن آیا تھا۔ میرے بڑے بھائی مسٹر ذوالفقار علی کالج میں تھے

اور ٹیم کے ہمراہ آئے تھے، اسی موقع پر میں نے مسٹر بیک اور مسٹر ماریسن کو بھی پہلی بار دیکھا تھا اور یہ منظر عمر بھر نہ بھولوں گا۔ ایک ڈیرے میں یہ سب ٹیم ٹھہری ہوئی تھی جس وقت میں اُس ڈیرے میں بعد مغرب اپنے بھائی کے ہمراہ گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کھری چارپائیوں پر لڑکوں کے غول میں دو انگریز بھی بیٹھے ہوئے ہیں، جو انگریزی لباس کے علاوہ سروں پر ترکی ٹوپیاں اوڑھے ہوئے بھلے معلوم ہوتے تھے۔ یہ منظر اس زمانہ میں عجیب تھا اور بہت سی جگہ اب بھی ہوگا۔ پوری بے تکلفی سے (مگر ادب کو لیے ہوئے) اُن میں باتیں ہونے لگیں اور ہنسی مذاق بھی ہوتا جاتا تھا۔ یہ دونوں مسٹر بیک اور سر تھیوڈور ماریسن تھے۔ بعد کو تو میں نے اس طرح اُنہیں سیکڑوں مرتبہ دیکھا ہوگا مگر وہ پہلا سماں ہمیشہ یاد رہے گا۔

مسٹر آفتاب احمد خاں کالج میں گرمی جاڑے ہمیشہ چوڑی دار پاجامہ پہنتے تھے، کالج جاتے وقت تو اچکن ہوتی تھی مگر شام کو فٹ بال کھیلتے وقت یا باہر جاتے وقت اُس آڑے پاجامہ پر ایک کالی اور پیلی دھاری کا بلیزر پہن لیتے تھے جو ذرا بے تکا معلوم ہوتا تھا۔ کالج میں صرف اُنکے پاس ہی نئی قسم کی بائیسکل تھی، اور اسکے لیے وہ کوٹ ضرور مفید ثابت ہوگا۔

مسٹر عنایت اللہ کی زبانی معلوم ہوا کہ ابتدا سے مسٹر آفتاب احمد خاں نے پتلون یا پتلون نما پائجامہ جو کالج میں عام تھا پہننے کی قسم کھالی تھی اور جب تک کالج میں رہے اُسے نباہا بھی۔ مگر ولایت جاکر مجبوراً وضع بدلنی پڑی،

۱۳ نمبر کے کمرہ اور کھانے کے کمرے کے درمیان میرے عزیز دوست مسٹر اسلام احمد خاں (ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آگرہ) کا کمرہ تھا اور یہ کمرہ اُس زمانے میں کالج میں سب سے زیادہ اچھا سجا ہوا تھا مگر اسلام احمد خاں کا سارا وقت ہمارے ساتھ عباس حسین کے کمرے میں گزرتا تھا۔ چند کمرے چھوڑ کر ۲۳ نمبر کے کمرے میں مسٹر

مصطفٰے خاں مرحوم رہتے تھے۔ اُسی سال انٹرنس پاس ہوئے تھے مگر انگریزی کی قابلیت میں اور خاصکر لکھنے اور بولنے میں وہ کالج کے تمام طلبار سے لائق تر تھے مرحوم سے جس قدر آخر زمانہ میں دوستی اور محبت ہوگئی تھی اُسی قدر ابتدا میں لڑائی رہتی تھی، ہم تو اب شاید کچھ "صاحب" ہوں مگر وہ اُسی زمانہ میں "بڑے صاحب" تھے جب کہ ہم سب پکے وحشی اور جنگلی تھے، خانصاحب مرحوم گرمیوں میں بھی برابر کمرے کے اندر سوتے تھے اور پنکھا قُلی دن رات پنکھا کھینچا کرتے تھے۔ ہماری اُن کی لڑائی رات کو کھیلنے اور غُل کرنے پر ہوتی تھی۔ ہم سب کھانے کے بعد کبھی کبھی اپنے گرد کے کمرے کے باہر جمع ہوتے تھے اور اُس شب کو پاس والوں کا پڑھنا تو پڑھنا نیند بھی حرام ہوجاتی تھی کیونکہ وہ بھی ہمارے کھیل میں شریک ہوجاتے تھے، کبھی تو کشتی، ڈنڈ مگدر اور اور ورزشوں کی نمایش ہوتی تھی اور کسی دن کبڈی کی باری آتی تھی، خانصاحب باوجود کمرہ میں بند ہونے کے شور کی برداشت نہیں کرسکتے تھے اور دس بجے سے آدمی بھیجنا شروع کر دیتے تھے، پیام یہ "بہتر ہو کہ آپ لوگ آرام فرمائیں" مگر ادہر آدمی کا آنا تھا کہ غُل دونا ہوگیا، آخر کو تنگ آکر آدمی کا بھیجنا بند کردیا اور اُسکے بعد سے غُل میں بھی کمی ہونے لگی۔

بڑے دروازہ کے قریب مولوی سلیمان صاحب کا کمرہ تھا اور اُنکے ساتھ اُن کے بھتیجے، بھائی بدو (مسٹر بدرالحسن) اور مسٹر علارالحسن رہتے تھے۔ "بھائی بدو" سے تو بعد کو بہرائچ میں ساتھ رہنے کی وجہ سے بہت محبت ہوگئی۔ مگر "علاول" تو ہم کھلنڈروں میں اول درجہ کا کھلنڈرا تھا، اگر کرکٹ اور فٹبال نصیب نہ تھی تو گلی ڈنڈا ہر وقت موجود تھا۔ میں نے کالج میں بہت سے کپڑے پھاڑنے والے دیکھے مگر سچ تو یہ ہے کہ "علاول" کی برابر کوئی کرتے نہیں

پھاڑ سکتا تھا۔ نیا کُرتہ ہو یا پُرانا، چٹا ہو یا میلا مگر ہر کُرتے کا شلنے پر سے پھٹا ہونا ضروری تھا۔ خدا معلوم کیا وجہ تھی،

پکّی بارگ تو ختم ہو گئی، مگر ہمارا ایک اڈا اور تھا جہاں میں پہلے ہی دن اپنے بھائی کے ساتھ گیا تھا۔ یہ تار والا بنگلہ تھا جس میں اب قبلہ وکعبہ نواب صاحب رہتے ہیں، اُس زمانہ میں اس میں سرسید کے یار اور دمساز مولوی زین العابدین خانصاحب رہتے تھے، سرے والے کمرے میں میرا عزیز دوست مسٹر سید زین الدین مع اپنے غ غ ض ض ظ ظ بھائی بہنوں اور بھانجوں کے رہتا تھا۔ اور جب کبھی ہم کالج میں بھوکے رہ جاتے تھے تو اس جگہ ضرور کھانے کو ملجاتا تھا۔

اے کھلنڈرو! تم کو زین الدین تو ضرور یاد ہوگا، اُس کی خوبصورت اور پیاری صورت تم سب کے سامنے ہوگی مگر مجھے کامل یقین ہے کہ اگر تم اب اسکو اتفاقاً کہیں دیکھ لو تو ہرگز نہ پہچانوگے، گھر میں بہت سی موتوں کی وجہ سے وہ تو بالکل شکستہ دل ہو گیا تھا، جوگیوں کی سی صورت بنالی تھی، ہاتھ بھر کی لمبی ڈاڑھی تھی جس میں ابابیل گھونسلا بنا سکتی تھی، کپڑے میلے ہیں تو کچھ فکر نہیں، جوتا پھٹا ہے تو بے پرواہ، غرض ہر بات میں دنیا سے بیزار نظر آتا تھا، جب اول مرتبہ میں نے برس سے غازی پور میں جاکر اُس سے ملا تو اس مردہ دل کو دیکھ کر مجھے صدمہ ہوا۔

خوبصورت، بانکا، ترچھا زین الدین، کھیلوں کا دھنی، تماشا کرنے میں مشاق۔ غل اور شرارت میں سب سے اول اور ایسا مُردہ دل! مگر میں ہمت نہ ہارا۔ دو تین گھنٹے تک برابر علی گڑھ کے پُرانے مضمون اور لطیفوں کی بھرمار کرتا رہا، برسوں کی کثافت اوپر سے کُھرچی، کالج کی زندہ دلی کے کھولتے ہوئے پانی میں غسل دیا۔ اور بفضلہ تعالیٰ چند گھنٹوں کے بعد وہی پُرانا ہنسنے اور ہنسانے والا زین الدین دکھائی دینے لگا اور رات گئے تک پُرانے اور نئے مزہ دار تذکرے ہوتے رہے،

کھلنڈروں کی داستان کچھ ایسی ویسی ہو، کیسا ہی مُردہ دل کیوں نہو، انشاءاللہ سُنتے ہی پھر کمربستہ ہوکر کالج اور قوم کی خدمت کرنے کے لیے کھڑا ہوجائیگا۔

نازک کلامیاں مری توڑیں عدُو کا دل میں وہ بلا ہوں شیشہ سے پتھر کو توڑ دوں

سُنا ہی کہ قبلہ و کعبہ حالی کے کلام کی نسبت بعض حضرات نے شکایت کی کہ اُس میں رونے رُلانے، چیخنے چلانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا، کچھ اور پُر لطف کلام لکھنا چاہیے تھا کہ دل خوش ہوتا، غالباً یہ خبر قبلہ و کعبہ کے کانوں تک بھی پہنچ گئی ہوگی، خیر! پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو، حکیم محمود خاں صاحب مرحوم کے لاجواب مرثیے کے دو آخری بند نکتہ چینوں کی زبان بندی کے لیے کافی ہیں۔

سنتے ہیں حالی! سخن میں تھی بہت وسعت کبھی تھیں سخنور کیلیے چاروں طرف راہیں کھلی
داستاں کوئی بیاں کرتا تھا حسن و عشق کی اور تصوف کا سخن میں رنگ بھرتا تھا کوئی
گاہ غزلیں لکھ کے دل مارِ رنگے گرماتے تھے لوگ
گہ قصیدہ پڑھ کے پرخلعت او صلے پاتے تھے لوگ

پر ملی ہم کو مجال نغمہ اس محفل میں کم راگنی نے وقت کی لینے دیا ہم کو نہ دم
نالۂ و فریاد کا ٹوٹا کہیں جاکر نہ سم کوئی یاں رنگیں ترانہ چھیڑنے پائے نہ ہم
سینہ کوبی میں رہے جبتک کہ دم میں دم رہا
ہم رہے اور قوم کے اقبال کا ماتم رہا

حالی کی یہ معذرت اپنے اُستاد حضرت غالب کی مشہور معذرت سے کم رتبہ کی نہیں ہے۔

اے کھلنڈرو! میری یہ مزہ دار خرافات پڑھ کر بہت سے سنجیدہ اصحاب کہتے ہونگے کہ "اس میں بجز کھانے، لڑنے اور غل کرنے کے کچھ اور بھی ذکر ہیں،" حضرت معترض! آپ خفا نہوں تو میں صاف عرض کردوں کہ یہ سلسلۂ خرافات

میں آپ کے خوش یا ناراض کرنے کے لیے نہیں لکھتا ہوں، آپ خوش ہوں یا ناراض، خدا آپ کا بھلا کرے۔ میں جو کچھ لکھتا ہوں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے لکھتا ہوں اور اس لیے کہ شاید اور کسی علیگڈھ کے محبت بھرے دل کو یہ "خرافات" شاداب کردے اور اُس میں بھی اپنے پیارے کالج کی خدمت کرنیکی اُمنگیں پیدا ہو جائیں۔ ہم تو علیگڈھ کے اندھے ہیں "علیگڈھ ہی علیگڈھ" ہم کو نظر آتا ہی، گانے کا شوق ہی مگر صرف ایک راگ آتا ہی"

فغاں میں، آہ میں، فریاد میں، شیون میں نالے میں
سُناؤں دردِ دل طاقت اگر ہو سُننے والے میں

شوکت علی
از پالن پور (گجرات)

محمڈن یونیورسٹی

گزشتہ پرچہ میں ہم نے اپنے ناظرین سے وعدہ کیا تھا کہ ہم ہز ہائنس سر آغاخاں بہادر کے دورہ کا حال اس پرچہ میں درج کرینگے اور اب ہم اس وعدہ کے ایک حصہ کو پورا کرتے ہیں۔

ہمارے ہمدرد اور اس جدید تحریک کے بانی کی دوربین نگاہ نے سب سے پہلے قلمرو ہند کے دارالسلطنت کو تاکا اور وہیں سے پہلے پہل کام شروع کیا گیا۔ مسٹر شوکت علی، مسٹر محمد اسحٰق اور مسٹر ظہیرالدین صاحبان وہاں نواب نصیر حسین خاں بہادر خیال اور مسٹر سلطان احمد کے ساتھ پہلے سے کام کررہے تھے، ہز ہائنس سر آغاخان بہادر ۲۳۔جنوری کو کلکتہ پہنچے۔ جہاں آپ کا شاندار استقبال ہوا اور مسٹر احسان کریم و مسٹر احمد موسیٰ جی صالح جی نے دس دس ہزار، حاجی احمد عبداللطیف نے پانچ ہزار، اور مسٹر عثمان جمال، نواب محی الدین میرزا و نواب معین الدین میرزا صاحبان نے ڈھائی ڈھائی ہزار مرحمت کیے اور اور جو وعدے اُس وقت تک ہوئے اُن کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ کی ہے جس میں ایک گمنام ہمدرد کے پچاس ہزار شامل ہیں۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ بجائے کسی جلسہ کرنے کے ہز ہائنس نے عمائد کے مکان پر تشریف لیجانے کو مناسب خیال کیا اور ۲۷ جنوری کو آپ معہ اپنے خدم وحشم کے انکے مکانوں پر تشریف لے گئے۔

۲۸ جنوری کو نواب بہادر ڈھاکہ کلکتہ پہنچے تاکہ ہز ہائنس سے مشرقی بنگال کے متعلق مشورہ فرمائیں، اسی طرح نواب ذوالفقار علی خاں بہادر نے پنجاب کے

متعلق اور مسٹر حسن امام نے بہار کی نسبت مشورہ فرمایا۔ مسٹر جمال تین روز تک اپنا عظیم الشان کاروبار چھوڑ کر ہز ہائنس کی خاطر کلکتہ میں ٹھہرے رہے۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ اودھ بوائز مقیم کلکتہ نے اپنی اپنی ایک ماہ کی آمدنی مرحمت فرما کر اس تحریک کو تقویت بخشی ہے۔

ہز ہائنس ۳۱ جنوری کو کلکتہ سے روانہ ہوئے، راہ میں سب سے پہلے مقام پر جہاں آپ کا خیر مقدم کیا گیا وہ مغل سرائے یا بنارس کا پھاٹک تھا۔ بنارس اور دوسرے مقامات سے ہمدردان قوم تشریف لائے تھے۔ اور خاص خاص لوگوں میں شہزادہ احسن اختر صاحب، شہزادہ اکبر بخت صاحب، مولوی مقبول عالم صاحب مولوی محمد عمر صاحب، مولوی محمد شریف صاحب، مسٹر سید احمد حسن صاحب، مسٹر رفیع القدر خاں صاحب اور اودھ بوائے کے اسٹاف میں، اڈیٹر، اسسٹنٹ اڈیٹر، اسسٹنٹ منیجر اور سعید برادرس تھے، شہزادہ احسن اختر صاحب کی طرف ہم سب نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا، ہز ہائنس کی زیارت کی اور موصوف اور اُن کی پارٹی کو ہار پہنائے۔ مسٹر شوکت علی دور سے نظر آتے تھے۔

اسی طرح مرزاپور اور الہ آباد میں بھی خوش آمدید کہا گیا، مرزاپور میں خان بہادر حاجی عبدالرشید خاں صاحب اور الہ آباد میں نواب عبدالمجید، مسٹر ظہور احمد مسٹر ابن احمد اور مسٹر غلام حسین صاحبان پیش پیش نظر آتے تھے،

مگر سب سے زیادہ (غالباً) فتحپور میں دلچسپی لی گئی جہاں ہندو مسلمانوں نے ملکر ہز ہائنس کا استقبال کیا۔ رائے ایشری پرشاد بہادر سے ہز ہائنس سے زیادہ دیر تک باتیں کیں۔ ہمارے دوست سید طفیل احمد صاحب مختار اور اُن کی پارٹی یہاں کی نگران حال تھی۔ یہاں مغل سرائے کی طرح چاء وغیرہ کا انتظام تھا۔

کانپور میں مسٹر اے اے حسن علیؓ، مسٹر محمد حلیم، مسٹر ہدایت حسینؒ، اور مسٹر فخرالدین نے استقبال کے لیے بڑی سرگرمی دکھائی، اسکے بعد اٹاوہ کا نمبر تھا جہاں ہمارے مخدوم بزرگ مولوی بشیرالدین صاحب معہ عمائد و روسای اٹاوہ اور اپنے بال بچوں کے اسٹیشن پر گاڑی کے منتظر تھے۔ اٹاوہ ایک چھوٹا سا مقام ہی مگر مولوی صاحب موصوف کی تنہا کوشش سے چھوٹے پیمانے کا علمی گڈھ معلوم دیتا ہی، مسٹر سید ابو محمد، مسٹر نیاز احمد، مسٹر سید لائق حسینؒ اور مسٹر عطا حسینؒ صاحبان کی موجودگی سے مجمع پر ایک نظر پڑتی تھی،

غرض ہز ہائنس جہاں ٹھہرے ہمدردان قوم سے یہی کہتے تھے کہ اب باتوں کی ضرورت نہیں کام کی ضرورت ہی،

کپورتھلہ سے واپسی میں کئی مقامات ایسے ملے جہاں بہی خواہان قوم کا عموماً اور اولڈ بوائز کا خصوصاً خاصا مجمع ہو جاتا تھا۔ اس سفر میں ذکر کے قابل سب سے پہلا مقام ہردوئی تھا۔ جہاں ہز ہائنس کی گاڑی کاٹ کر اسپیشل میں لگائی گئی۔ جسے مسلمانان ہردوئی نے پہلے سے دلہن بنا رکھا تھا، ہردوئی اسٹیشن پر مقامی مسلمانوں کا مجمع آنکھوں کو بھلا معلوم ہوتا تھا (خدا کرے نظر نہ لگے) مسٹر جوالا پرشاد ڈپٹی کمشنر، ڈاکٹر سید علی بلگرامی، مسٹر ہاشم، مسٹر سید واحد حسینؒ، مسٹر ظہور علیؓ، اور مسٹر اکبر عمر صاحبان بھی اس مجمع میں شریک تھے،

۵ فروری کو ہز ہائنس اور آپ کی پارٹی، صبح کے وقت اسپیشل کے ذریعے لکھنؤ پہنچی، جہاں کے مسلمانوں نے نہایت جوش کے ساتھ اپنے قومی مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ اسٹیشن سے آنریبل راجہ صاحب محمود آباد کی کوٹھی تک ہزاروں آدمی دو رویہ استادہ تھے اور سینکڑوں آدمی آپ کی گاڑی کھینچ رہے تھے،

کہتے ہیں کہ ایسا شاندار استقبال کسی شہزادہ کا بھی نہیں ہوا۔

اُسی روز شام کے وقت کام کرنے والوں کا ایک جلسہ ہوا جس میں آنریبل راجہ صاحب جہانگیرآباد پریسیڈنٹ، آنریبل راجہ صاحب محمودآباد سکرٹری، اور مسٹر سید نبی اللہ جوائنٹ سکرٹری مقرر کیے گئے اور ایک زبردست کمیشن قائم ہوئی۔

۶ فروری کو ہز ہائنس نے آنریبل راجہ صاحب جہانگیرآباد، راجہ سید ابوجعفر صاحب، مسٹر التفات رسول (جرمن سلور جوبلی علیگ) اور کئی اور سربرآوردگان قوم سے ملے، شب کو بارہ دری قیصر باغ میں آنریبل راجہ صاحب محمودآباد کی جانب سے ایک پُرتکلف دعوت دی گئی جس میں پایہ تخت اودھ کے اکابر کے سوائے مسلمانوں کے مجتہدین اور علما بھی تشریف فرما تھے، ہز ہائنس سر آغاخاں بہادر ایرانی لباس میں زیب مجلس ہوئے۔ آنریبل راجہ صاحب نے اس موقع پر ایک پُرجوش اور فصیح تقریر فرمائی اور اپنی اور آنریبل راجہ صاحب جہانگیرآباد کی طرف سے ایک ایک لاکھ کا اعلان فرمایا۔ ہز ہائنس آغاخان بہادر کی برجستہ تقریر فارسی میں تھی، اور مقررین میں سرکار شریعت مدار مولانا سید محمد حسین صاحب مولانا عبدالباری صاحب اور مولانا شاہ سلیمان صاحب مدظلہم العالی بھی تھے، جنھوں نے حاضرین کو امداد دینے کی ترغیب دی۔

ان سب تقریروں نے حاضرین میں ایک خاص قسم کا جوش پیدا کر دیا تھا، اور باوجودیکہ اُس وقت فنڈ کے لیے اپیل کرنے کا کوئی قصد نہ کیا گیا تھا مگر اصحاب ذیل نے اصرار کے ساتھ حسب ذیل عطیوں کا اعلان فرمایا۔

راجہ سید ابوجعفر صاحب ۲۰ ہزار، نواب صفی الدولہ حسام الملک مولوی سید علی حسن خاں بہادر ۱۵ ہزار، مسٹر سید التفات رسول صاحب ۱۰ ہزار،

سیر توکل حسین صاحب ۱ہزار، ایک معطی صاحب منجانب ندوۃ العلماء ۱ہزار
راجہ شعبان علی خان صاحب ۵ ہزار، راجہ صاحب حسن پور ۵ ہزار، اپریل
مسٹر محمد نسیم ساڑھے تین ہزار، مولوی محمد علیخاں صاحب رئیس فتح آباد ۳ ہزار،
مسٹر سید نبی اللہ صاحب ۲ ہزار، مسٹر شیخ شاہد حسین صاحب ۲ ہزار،
مسٹر میرزا فیض حسین صاحب ۲ ہزار، مسٹر وزیر حسین صاحب ایک ہزار، مسٹر
حمید اللہ بیگ صاحب ایک ہزار، مسٹر ممتاز حسین صاحب ایک ہزار، مسٹر
علی حیدر خاں صاحب ایک ہزار، ۔ ۲۰۰ ۵ عطیوں کے متعلق اور اعلان ہوا،
کُل رقم تین لاکھ سے متجاوز ہو گئی ہے، امید ہے کہ اودھ کے صوبہ کی کمیٹی ۲ لاکھ اور
جمع کرے گی،

۷۔ فروری کو ۱۲ بجے ہز ہائنس موٹر پر کانپور تشریف لے گئے، آپ کے
ہمراہ بزرگ قوم نواب وقار الملک بہادر (مدظلہ) مولوی محمد عزیز مرزا صاحب،
مسٹر سید نبی اللہ۔ ڈاکٹر ضیاء الدین، مسٹر شاہد حسین، مسٹر ولیم، مسٹر شوکت علی،
مسٹر اسحٰق اور مسٹر ظہیر تھے، اس مختصر قومی گروہ کا قیام حافظ عبد الحلیم صاحب
تاجر کی کوٹھی پر ہوا۔ یہیں ہز ہائنس کی خدمت میں بزبان فارسی ایک تبریک نامہ
پیش کیا گیا، آپ نے ایک مقامی کمیٹی قائم کی اور گارڈن پارٹی میں شریک
ہوئے۔

۵ بجے شام کو ہز ہائنس اور آپ کے ہمراہی لکھنؤ واپس ہوئے اور براہ راست
قیصر باغ کی بارہ دری میں تشریف لے گئے جہاں ہزاروں مسلمان آپ کے لیے
چشم براہ تھے، اس موقع پر ہز ہائنس سر آغا خاں نے نہایت زور دار تقریر کے
ذریعہ سے عام مسلمانوں کی خدمت میں مدد کی درخواست کی۔ اس تقریر کے بعد ہی
نواب سید شہنشاہ حسین صاحب کی غیر معمولی جوش سے بھری ہوئی تقریر تھی جسکا

یہ اثر ہوا کہ وہیں ۲۰ ہزار کا چندہ ہوگیا،

اسی شب کو چتر منزل میں آنریبل راجہ صاحب جہانگیر آباد کی طرف سے ہز ہائنس کے اعزاز میں ڈنر ہوا، جو لکھنؤ کے تکلفات کو لیے ہوئے تھا، ڈنر سے فارغ ہونے پر ہز ہائنس سر آغا خان، نواب وقار الملک بہادر، مولوی محمد عزیز مرزا صاحب، راجہ نوشاد علیخاں صاحب اور مسٹر شوکت علی صاحب معہ ہز ہائنس کی پارٹی کے گاڑی میں جاکر سو رہے اور صبح کو رامپور روانہ ہوئے۔

یہ آٹھ فروری کی صبح تھی اور ایسی مبارک صبح جس نے شام ہوتے ہوتے پونے دو لاکھ صرف رامپور سے دلا دیے۔ ہردوئی میں وہی لوگ پھر ملے جنکا ذکر ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں اور ان سب نے غیر معمولی جوش کا اظہار فرمایا، شاہجہانپور میں حافظ محمد اسمٰعیل صاحب معہ اکابر شہر کے موجود تھے، بریلی میں آنریبل اصغر علیخاں صاحب، مولوی سید قمر علی صاحب، مسٹر سید اکبر علی صاحب، مسٹر ابراہیم بیگ صاحب، مولوی طفیل احمد صاحب، مسٹر شرافت اللہ صاحب، اور دیگر عمائد و اولڈ بوائز موجود تھے۔

رامپور کے اسٹیشن پر ایک سوگوار شخص نہایت سادہ وضع میں معہ اپنے دو سکرٹریوں کے گاڑی کا منتظر کھڑا تھا، اور یہی ریاست رامپور کا والی، صوبے کا سب سے بڑا رئیس اور مسلمانان ہند کا فخر کہلاتا ہے، غرض گاڑی آئی اور مہمان میزبان ساتھ ساتھ قیام گاہ کو تشریف لے گئے۔ دس تاریخ تک کے قیام میں خدا معلوم ان دونوں شہزادوں میں کیا کیا راز و نیاز کی باتیں ہوگئیں، میزبان نے مہمان سے ڈیڑھ لاکھ خود ہی دینے کا وعدہ نہیں فرمایا بلکہ اپنے عمال اور جاگیرداروں سے بھی پچیس ہزار دلانے کے لیے ارشاد کیا ہے۔

رامپور سے کلکتہ جاتے ہوئے ہز ہائنس کی ملاقات کے لیے لکھنؤ اسٹیشن

آنریبل راجہ صاحب محمود آباد، مسٹر سید نبی اللہ اور مسٹر سمیع اللہ صاحبان تشریف لائے
رائے بریلی کا نظارہ دیکھنے والوں کی آنکھوں میں اب بھی تازہ ہی۔ یہاں ہمارے
کالج کے اولڈ بوائے آنریبل مسٹر محمد رفیق صاحب جج نے ہز ہائنس کی خدمت میں
اولڈ بوائز کی طرف سے آئینہ پر لکھے ہوئے چند دعائیہ اشعار جسکے گرداگرد آیۃ الکرسی
کا حلقہ بنا ہوا تھا اور مولوی سید محمد ضامن صاحب کنتوری (علیگ) اڈیٹر استبصار
کا تصنیف کردہ فارسی قصیدہ منجانب مسلمانان شہر پیش کیا، یہاں جو چھتری ہز ہائنس
کے سر پر لگائی گئی تھی وہ پھولوں سے بنی تھی، اس منظر کی تصویر ایک میم صاحبہ نے
اُتاری، اسٹیشن پر مسٹر رفیق کے علاوہ خاص لوگوں میں مسٹر سید محمد عابد، مسٹر فدا حسین،
کپتان علی محمد خانصاحب، سردار بہادر اور مسٹر سید محمد ضامن صاحب کنتوری تھے،
بدایوں کی پارٹی میں مسٹر ظفر عمر، مسٹر محفوظ علی اور دوسرے اولڈ بوائز شریک تھے
جس سے اسٹیشن پر ایک خاص کیفیت پیدا تھی،

پرتاب گڈھ پر مسٹر کفایت اللہ صاحب، مسٹر محمد وجیہ صاحب اور اور
اولڈ بوائز و مسلمان موجود تھے۔

بنارس اسٹیشن پر اپنے سیدھے سادے مگر پُرجوش قومی رہنما کے
دیکھنے کے لیے صرف اسسٹنٹ اڈیٹر چشم براہ تھا۔ اور مغل سرائے اسٹیشن پر مسٹر
سید احمد حسن صاحب اور مسٹر رفیع القدر خاں صاحب تشریف رکھتے تھے
اسی طرح بانکے پور اسٹیشن پر آنریبل مسٹر مظہر الحق، مسٹر سید علی امام اور مسٹر
معظم علیخاں تشریف فرما تھے،

غرض خدا کے فضل سے یہ دورہ نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہوا اور اب
ملک کے ہر حصہ میں یونیورسٹی یونیورسٹی کی پکار ہے۔

لکھنؤ میں سات تاریخ کے عظیم الشان جلسہ میں مسٹر شوکت علی نے اعلان کیا کہ مدرسۃ العلوم کے سابق طلبا، ایک لاکھ سے دو لاکھ تک دینے کا ارادہ رکھتے ہیں،

اسی طرح ہمارے چھوٹے بھائیوں اور مادر کالج کے موجودہ طلبا نے دس ہزار دینے کا قصد کیا ہے۔ خدا دونوں کی ہمتوں میں برکت دے۔

نواب سر ممتاز الدولہ بہادر رئیس پہاسو و وزیر اعظم ریاست جے پور جن کی فیاضیوں کی گواہی ہمارے کالج کے در و دیوار دے رہے ہیں حال ہی میں یونیورسٹی فنڈ کے لیے پچاس ہزار کا وعدہ فرماتے ہیں،

حضور نواب صاحبان پالن پور و رادھن پور نے بھی ہمارے بھائی مسٹر شوکت علی سے بیش قرار رقوم کے وعدہ فرمائے ہیں۔ اسی طرح ہز ہائنس آغا خان بہادر سے ایک عرب سردار نے ۱۵ ہزار کا اور ایک گمنام خوجہ سردار نے پچاس ہزار کا وعدہ کیا ہے۔

لاہور میں ہمارے ڈپوٹیشن کو بہت اچھی کامیابی ہوئی۔ سب سے بڑی رقم دربار بہاولپور کی دو لاکھ کے قریب ہے۔ باقی ایڈیٹر صاحب پیسہ اخبار کا خیال ہے کہ پنجاب سے مع متذکرہ بالا رقم کے چھ ساڑھے چھ لاکھ کی رقم وصول ہو جائے گی۔

یونیورسٹی کی آگ اب تمام ملک میں پھیل گئی ہے اور ہر طرف ہماری قوم کو اسی کی دُھن ہے جس میں ہمارے بھائی شریک غالب ہیں۔ خدا ان سب کی ہمتوں میں استقلال بخشے۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۲

اولڈ بوائے

نمبر ۔۔۔ بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۱ء ۔۔۔ جلد

ایڈیٹر

ابو حامد عترت حسین بی اے علیگ

فہرست مضامین

باہتمام خاکسار رشید احمد انصاری

مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہوا

باہتمام عبد العلیم خانصاحب میونسپل کمشنر دفتر اولڈ بوائے چھاونی بنارس سے شائع ہوا قیمت سالانہ ۱/

اولڈ بوائے

اس ماہواری رسالے کے خاص مقاصد یہ ہیں

(۱) جملہ سابق طلبار مدرستہ العلوم مسلمانان واقع علیگڈھ کے دلوں میں اُنکے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا اُسکے حالات سے اُن کو باخبر کرنا اور اس کی ترقی کے لیے ہر طرح کوشاں رہنا۔

(۲) اولڈ بوائز میں رشتہ اخوت قائم رکھنا، اور اُن کو ترقی دینا، اور اُنکے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

(۳) اُولڈ بوائز ایسوسی ایشن اوز کالج" کی مالی مدد کے لیے سابق طلبار کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادر مہربان کے خدمتگزاروں میں خود اسکے فرزندوں کی خدمات کافی اور تسلی بخش ہوں۔

(۴) جملہ اولڈ بوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا، تاکہ وہ قومی خدمات میں معتدبہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کر سکیں جو قوم نے اُنپر ہمارے کالج کے قائم کرنیسے کیا

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخوست کی جاتی ہے

(۱) جملہ خط وکتابت دربارۂ ترسیل زر و تبدیل پتہ "منیجر اولڈ بائے" بنارس سے ہونی چاہیے

(۲) مضامین و دیگر مراسلات بنام "اسسٹنٹ اڈیٹر" اولڈ بائے" بنارس آنا چاہیے۔ اسی طرح ریویو کے لیے کتابیں اور تبادلہ کے لیے اخبارات ورسائل بھی،

منتظمان اولڈ بوائے ہر وقت مفید مشورہ و رفع شکایات کے لیے تیار ہیں۔ اور شکرگزاری کے ساتھ اُن پر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر و منیجر

اولڈ بوائے

ڈنر پر ایک نظر

زمین آفتاب کے گرد تین سو ساڑھے باسٹھ دن چکر لگا لیتی ہے یا آفتاب زمین کے گرداگرد اتنی ہی سرگردانی کر چکتا ہے اُس وقت کہیں ایسا موقع آتا ہے کہ مدت کے بچھڑے ہوئے ڈہائی تین دن کے لیے مل بیٹھیں۔

مسلمانان ہند میں اس وقت خدا کے فضل سے متعدد مجلسیں قائم ہیں اور وہ ایسے بزرگوں کے ہاتھوں میں ہیں جن پر نہ صرف ہم بلکہ سارے مسلمانان ملک فخر کرتے ہیں اور جن کے کارنامے ہماری قوم کے سود و بہبود میں آب حیات کا کام دیتے ہیں۔ لیکن "اولڈ بوائز ایسوسی ایشن" ہی ایک ایسی مجلس ہے جسکا تعلق خصوصیت کے ساتھ مادر کالج کے فرزندوں کے ہاتھ میں ہے۔

ہم سال بھر کے بعد مجموعی حیثیت سے جمع ہوتے ہیں اور وہ بھی اس لیے کہ اپنے مدت کے بچھڑے ہوئے بھائیوں سے ملیں، اُن کی سُنیں، اپنی کہیں۔ اور اپنی جماعت کو رزولیوشنوں کے ذریعہ سے اُن کے اہم فرائض و ضرویات کی طرف توجہ دلائیں۔

ایک طرف ہمارے "جہل مرکب" کے جلسے اگر ہمیں آیندہ سال کے کام کے لیے تازہ دم کرتے ہیں تو دوسری جانب ہماری ایسوسی ایشن کی کارروائیاں اس بات کی بین شہادت ہیں کہ ہماری جماعت اپنے وزنی فرائض سے غافل نہیں ہے۔

ہر رزولیوشن اپنی نوعیت میں اہم ہوتا ہے لیکن انتخاب ٹرسٹیاں کا مسئلہ جس پر ہماری جماعت کے ایک بڑے حصہ کا خیال رجوع تھا ہمارے لیے ایک نہایت ضروری مسئلہ تھا

قانون قدرت کے سوا اگر قانون سرکاری پر نگاہ کی جائے تو یہ بات آسانی سے معلوم ہو سکتی ہے کہ اُس کے کسی صیغہ کا انتظام دوامی طور پر کسی ایک شخص کے ہاتھ میں نہیں دیا جاتا اور لوگوں کو نہ صرف اس خیال سے کہ وہ ہمیشہ کے لیے کسی چیز کے اجارہ دار ہو جائیں کوئی کام سپرد کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ دوسروں کو بھی اپنے قوائے دماغی کے استعمال کا موقع ملتا رہے ہر شخص کے لیے ایک خاص مدت مقرر کر دی جاتی ہے۔ پنج سالہ انتخاب ہمارے کالج کے ٹرسٹی ہونے کے لیے نہایت کافی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ انتخاب ٹرسٹیاں کا مسئلہ باحسن وجوہ طے ہو گیا اور بجز چند لوگوں کے اور کسی نے اس سے اختلاف رائے ظاہر نہیں کیا۔ ہم خوش ہیں کہ ہمارے بھائیوں کا اختلاف رائے بھی نیک نیتی پر محمول ہوتا ہے۔

یہ خیال کہ سو ٹرسٹی جن کی تعداد کو چار حصوں میں اس طرح تقسیم کیا گیا ہے منتخب ہوا کریں نہ صرف اولڈ بوائز کے لیے اہم ہے بلکہ جن جماعتوں کو حق انتخاب دیے جانے کا

ری اُن کے لیے بھی ہم سے کچھ کم ضروری نہیں۔

تفصیل یہ ہے

۱۔ ٹرسٹیان موجودہ (جو اولڈ بوائز نہیں ہیں) ۳۵

۲۔ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن ۳۵

۳۔ معاونین کالج ۱۵

۴۔ کانفرنس ۱۵

دوسرا ضروری اور اہم مسئلہ اُن اولڈ بوائز کی اولاد کی تعلیم اور عزیزان

زیب کی مدد کے متعلق طے ہوا ہے جو ہم سے ہمیشہ کے لیے جُدا ہو گئے ہوں

فی الحقیقت ہمارے بھائیوں کا یہ رزولیوشن کہ ہر چھوٹا یا بڑا اپنی جماعت کے

حاجتمند بچوں کی تعلیم کی خبر گیری کے لیے کم از کم چار آنے ماہوار اپنی ایک فیصدی

کے علاوہ دیتا رہے، نہایت درجہ قابل ستائش ہے۔

ہمارے بعض حاجتمند بھائیوں کے انتقال کے بعد اُنکے بچوں کی تعلیم

میں اب انشاء اللہ رُکاوٹ نہ پیدا ہو گی۔

یونیورسٹی کا مسئلہ زمانۂ موجودہ کے مسائل میں سب سے زیادہ

اہم اور ضروری ہے۔ ہمیں اس کے متعلق کوئی رزولیوشن پاس کرنا

منظور نہ تھا البتہ اس بات کا اظہار ضروری تھا کہ ہم میں سے کون کہاں

اس قومی خدمت کو انجام دے رہا ہے۔ یہ بات ہمارے اور تمام بہی خواہان قوم

کے لیے طمانیت بخش ہے کہ ہمارے بھائی دامے، درمے، قلمے، قدمے

ہر طرح اس کام میں عملی طور پر مدد دے رہے ہیں۔

آخر میں ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے بھائی مسٹر عبدالسلام صاحب
اور دوسری کارروائیوں کی باقاعدہ رپورٹ دفتر میں بھیج کر ہم
ممنون فرمائیں گے۔

کلام اکبر
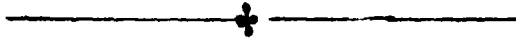
حضرت اکبر مدظلہ کے کلام کی شہرت مستغنی عن البیان ہی۔ ہم تعریف کرنا چاہتے ہیں
ا اپنے اس کہن سال اور دیرینہ مشق بزرگ کی تعریف کے لیے کافی الفاظ ہی نہیں ملتے
دلدبواسے" کی جانب حضرت اکبر کی نظر التفات کا شکریہ ضرور ادا کرتے ہیں اور اپنے ایک
شتاق میر احدی کی اس نغمہ سنجی میں اُنکے ہم زباں ہیں۔

ب ہر بشر کو جب سے کلام اکبر　　آفاق میں ہو روشن کیونکر نہ نام اکبر
ں میں اپنے اپنے سب خوشنما لکھا کر　　تصویر کی جگہ پر رکھیں کلام اکبر

میر احدی سے نے یہ اشعار "اودلدبواسے" میں کلام اکبر دیکھ کر ہمیں لکھ بھیجے تھے۔ اب ہمارے
نداصرار پر ہمارے قبلہ وکعبہ حضرت اکبر نے بھی ہمیں اپنے چند افکار تازہ سے ممنون
یا ہے۔

سب سے پہلے ہم اپنی تعریف کے دو شعر یہاں لکھتے ہیں، جو نہ صرف ہمارا دل بڑھانیوالے
ں بلکہ ہمارے ناظرین یقیناً اُسے دلچسپی سے پڑہیں گے۔

لا. آب دتاب بنارس سے" اودلدبواسے"　　اللہ اسکو گولڈ بھی دے اور پرل بھی
اہش ہی اب یہ بعض محبان قوم کی　　نکلے کسی طرف سے یونہی" اودلدگرل بھی

یونیورسٹی کی آگ اب تمام مسلمانوں اور خاصکر تعلیم یافتہ مسلمانوں کے دلوں میں روشن ہے
س کی زد سے ہمارے قبلہ وکعبہ بھی نہ بچ سکے۔ فرماتے ہیں۔

شہد کے واسطے ہر گاؤں بر ستی　　اکسیر ہی ہمارے لیے یونیورسٹی

ایک دوسری شاداب زمین میں آب یاری فرماتے ہیں۔

تجویز ہی یونیورسٹی کی، اس ملتِ بے ساماں کے لیے
اک روح بنائی جاتی ہی گویا کہ تنِ بے جاں کے لیے

ہو فیل جو اک سبجکٹ میں تو کُل کورس نہ پھر پڑھنا ہوگا
اب تک تو نہیں تھا حل کوئی اس مسئلہ آساں کے لیے

طاقت بھی بڑھے، دوست بھی بڑھے، سائنس بھی ہو اور آرٹ بھی ہو
ہو سکتی ہے نعمت دنیا میں کون اس سے سوا انساں کیلئے

جب اس کی تجلی ہوگی عیاں، جب اسکے اثر ہونگے ظاہر
اک اور نمائش جائے گی کھُل نظارگی حیراں کے لیے

باطن کے ترقی خواہ جو ہیں، اُن کو بھی اُمیدیں ہیں اس سے
"مسلم ہی کے ہاتھوں میں جو رہی" ہوئیگی مفید ایماں کے لیے

اس وقت مناسب برہیں دیے اس کام کے پورا کرنے کو
فطرت بھی دعائیں کرتی ہے، ہز ہائنس آغا خاں کے لیے

ہمارے قبلہ و کعبہ نے اسسٹنٹ اڈیٹر کے بے حد اصرار پر صرف اتنے ہی اشعا
مرحمت فرمائے تھے اور جواباً تحریر فرمایا تھا کہ اب پنشن دیدی جائے مگر ہم لڑکوں کی او
وہ بھی بقول ہمارے بھائی عنایت اللہ کے کودکان کہن سال کی نچلی نہ بیٹھنے والی طبیـ
کب مانتی ہے۔ ہم نے جھٹ سے اپنے مرد میداں کو الہ آباد بھیج کر حضرت موصوف کی
بیاض سے چند اشعار نقل کرا لیے جو آیندہ اشاعت میں درج رسالہ کرینگے۔

داستان

ڈیر مسٹر اولڈ بوائے۔ جس دن سے آپنے اس بازیگاہِ عالم میں قدم رنجہ فرمایا ہے اکثر کودکان کمن سال کے دماغ میں ایک طوفان بے تمیزی برپا ہوگیا ہی۔ منجملہ اُن کے ایک میں بھی ہوں۔ اکثر مضامین جن پر آپ خوش ہوں اور غیر موذہ دیکھیں جنکو ہر پہلو سے غور کرنے کے بعد یہی کہنا پڑے کہ گو اپنی کہانیاں ہیں لیکن مہمل اور بے سود ہیں۔ آپ کی صدا سنتے ہی قیامت کے مُردوں کی طرح قبروں سے اُٹھ اُٹھ کر سامنے آرہے ہیں۔ غنیمت سمجھیے کہ ان مضمونوں میں بہت سے ایسے ہیں جو کسی لباس تحریر کو پہننا اپنی بے تکلفی کی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور آپ کے اکثر نامہ نگار طبیعتوں کو روکے ہوئے متانت کا پہلو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ لیکن جس دن یہ دونوں قیدیں اُٹھ گئیں پھر دنیا کا وہ کونسا مہذب پاگل خانہ ہوگا جسکے ریڈنگ روم میں آپ رونق افروز نہونگے۔

مسٹر اولڈ بوائے۔ اپنا حال تو صرف اس قدر گزارش کرنا کافی ہوگا اور آپ سُن کر خوش ہونگے کہ ہماری وفات کو ایک عرصہ دراز گذرا ہی۔ مرنے کا جرم تسلیم ہی۔ لیکن مرکر غافل ہونا یا مرکر سو جانا اسکو نہیں مانتے۔ جس ایسوسی ایشن اور جس انجمن کی چاہے قسم لے لیجیے۔ دن روپی فنڈ پر حلف اُٹھوا لیجیے جو ایک پل کو ہماری آنکھ جھپکی ہو۔ وہ دن اور آج کا دن پلک سے پلک نہیں ملی۔ اور کیوں ملتی۔ چشمش نگرانست کہ گلگشن با دگرانست کل کی بات ہی کہ جب آپ کا شور قیامت ہمارے بالین پر پہنچا تو ہم بیدار تھے۔ آپکا ناقوس سُنکر بے اختیار پکار اُٹھے۔ ع ہاں برہمن بت کدہ عشق است خدا را۔ ہی تجھ سے بھی الفت۔ جی چاہا سنبھل بیٹھیں۔ رات بہت ہی کوئی قصہ شروع کریں پھر یہ بھی سوچا کہ کون اُٹھے۔ نام تو یاروں کا کہیں گیا نہیں۔ یہ بادل بھی گرجتا ہو تا سب تو

جل تھل کرتا نکل جائیگا - خدا کرے کڑک اور گرج کے سوا پانی ہو - اور پانی بھی باران رحمت ہو نہ کہ طوفان نوحؑ - غرض ہماری حالت ضرور یہی ہی جسپر ہر ایک کو افسوس کرنا چاہیے مگر آپ کی قومی قلابازیاں فی الحقیقت حیرت انگیز ہیں - لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ حیرت کم ہوجاتی ہی - کیونکہ کودک کا لفظ جو غالباً کودنے کے مصدر سے نکلتا ہی آپکے لقب کا ایک ایسا پر معنی جزو ہی جو آپ کو اسم بامسمیٰ کر دیتا ہی اور یہ قلابازیاں تصنع سے بری ہو کر محض مقتضائے طبیعت ہوجاتی ہیں - اور یاروں کا یہ بامزہ خوف کہ آج آپ اس کے شانوں پہ تُلے کھڑے ہیں اور کل بیک گردش چرخ کسی دوسرے کی گردن پر سوار نظر آئینگے خالی از لطف نہیں رہتا - بڑے بڑے پرانے مشتاق آپ کی طرف ٹکٹکی لگائے آپکے ہنر دیکھ رہے ہیں - بدگمانیوں کو عزیز رکھیے - یہ خوش گمانیوں سے کہیں بڑھکر عزت کے قابل ہیں - ان کی اصلاح آپ سے ہوگی اور آپ کی اصلاح ان سے - ملامت وہ دولت ہوگی جو آپ سے آپکے اصلی جوہر ظاہر کرائے گی - کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھائے گی - تعریف وہ دشمن ہوگی جو کھلے میدان آپسے ہتیار رکھوا دیگی -

کہنے کو بہت کچھ ہی - مگر سچ یہ ہی کہ اس وقت آپنے دل بے چین کر دیا ہی - اور بعض یاران ہمعصر نے تو مضمون لکھ کر اور بھی زخموں پر نمک چھڑکا ہی - آپ ہی بتائیے جہاں چمن بہار ہو - ہم صفیروں کا شور ہو - پھر وہ کونسا بُرا ناچیند(؟)[1] دل ہوگا جسکو فرصت ہوگی اور دُم دبائے گلبن پر خاموش بیٹھا رہیگا - مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہی کہ کس کس چیز پہ لکھیے - کیا کیا لکھیے - اور کیونکر لکھیے - اگر کبھی قلم خیال کا ساتھ دیتا اور خیال وارفتہ ہو کر قلم کو بے کار نہ کر دیتا تو ڈیرا اولڈ بوائے کالج کی زندگی سے بڑھکر کونسی داستان تھی جو آپکے اوراق کی نذر نہ کرتا - خیال میں سب کچھ ہی اور اسقدر ہی کہ ساغر ست مینا چھلک چھلک جاتا ہی مگر لکھنے کی قوت

---

[1] میں نے ڈکشنری سے بھی مدد لی - مگر مجھکو اس چڑیا کا کوئی دوسرا خوش آواز نام نہیں ملا - اگر کروہ معلوم ہوا ہو تو اس کی جگہ بلبل پڑھیں -

نہیں۔ خیال کسی سلسلہ کا پابند نہیں ہوتا۔ گُلفتیں۔ صعوبتیں۔ شکایتیں بہت کم یاد ہیں ہنسیاں۔ قہقہے۔ چہچہے۔ معصومیت کا عالم۔ رحمت کا آسماں۔ اُخوت کی زمین۔ علم سیکھنا اور اسکا نہ آنا۔ لایق بنایا جانا اور نالایق رہنا۔ مگر ایک دفعہ بھائی بنکر ہمیشہ بھائی بنے رہنے کی کوشش اور ان سب باتوں کے ساتھ ایک دائمی درد اور تعلقات کا بوجھ کندھے پر رکھ کر گھر سے سفر کو نکلنا۔ یہ سب کچھ یاد ہے۔ خط وخال چاہے کچھ مٹ گئے ہوں مگر تصویر کا رنگ نہیں مٹا۔ مٹنا کیسا پھیکا تک نہیں پڑا۔ اے بچپن کے باغ حیات!!! تیرے پھولوں کی بہار وہی ہے جو تھی۔ اور جو ہی وہی رہیگی۔ جب تک ایک شریف قوم کے پاک صورت نیک سیرت نونہال تیرے مکانوں کے مکیں اور تیرے بزم علم کی رونق تجھ میں آباد ہونگے تیرے پھولوں پر خزاں کی ہوا نہ چلے گی۔ لیکن یہ تو بتا۔ برسوں ہوئے ایک عمر گزری۔ مجھ خستہ حال کو کیوں تو نے اپنے سے جدا کر کے دنیا کے ان خشک ویران اور پُرخطر رستوں میں اکیلا چھوڑ دیا۔ جب ہی قصہ پاک کیا ہوتا۔ اپنے ہی پھولوں کے ڈھیر میں کہیں چُھپا دیا ہوتا۔ میرا خون تیرے گلوں کا رنگ ہوتا۔ میری روح تیرے چمن کی خوشبو ہوتی۔

مسٹر اولڈ بوائے۔ آپ کو ایک تخمینی اوسط جملہ کو دکانِ سابق کی خوبیوں اور بفکریوں کا از روئے حساب قرار دیکر خطاب کرتا ہوں کہ جب سے میرے کانوں نے بَنبوق کا لفظ سُنا ہی میری آنکھوں میں آپ ایک بہت بڑے موٹے پیپے نظر آتے ہیں جس میں صدہا گیلن انرجی (قوت) بھری ہے۔ اس فربہی میں آپ کا انکسار اور اس انکسار میں آپ کی روزافزوں فربہی جسکو قومی غمگساری نے بھی باوجود آپ کی محنت اور جفاکشی کے آپ سے دریغ نہیں رکھا امید دلاتے ہیں کہ بہت جلد نحیف اور لاغر طبیعتیں بھی رنگ پکڑ کر اس پیپے سے اپنے پیمانے بھرینگی۔ لیکن پیشتر اس سے کہ خشک طبیعتیں مرطوب ہو کر وزن میں ترقی کریں اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو وصف آپ میں سب سے بڑھکر ہے

وہ یہ ہی کہ آپ ایک خاص بزم سخن کے آراستہ کرنے والے اور ایک خاص وقت کے یاد دلانے والے ہیں۔

کونسا وقت؟ وہی وقت جسکو تصور نے زندگی کے خاتمہ کے لیے سب سے بہتر وقت سمجھا۔ وہ وقت جو دنیا کے مکروہات سے پاک تھا۔ جس میں ہمارا فکر دوسروں کو تھا ہم کو نہ تھا۔ جس میں آیندہ زندگی کی بنیاد پڑ رہی تھی۔ لکھتے تھے پڑھتے تھے۔ اور نئے نئے علمی مضامین دماغ کی نئی نئی قوتوں کو بیدار کر رہے تھے۔ تجربے اور مشاہدے کے نئے نئے راستے روز آنکھوں کے سامنے کھلتے جاتے تھے۔ اخلاق سیکھتے تھے اور بھائیوں کے ساتھ اسکو برتتے تھے۔ گو غیر تھے۔ غریب الوطن تھے۔ مگر اس گھر میں آتے ہی نہ غیر رہے نہ غریب الوطن رہے۔ صحت و توانائی رکھتے تھے۔ امیدیں تھیں۔ امنگیں تھیں۔ معصوم شوخیاں اور بے گناہ شرارتیں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔ کارخانۂ قدرت سے جو جو قوتیں اور نعمتیں لیکر آئے تھے ابھی تک سب تر و تازہ تھیں۔ حواس تیز۔ دماغ روشن ہاتھ پاؤں میں پھرتی۔ اعضا میں تناسب۔ بھولی بھولی پیاری پیاری بے گناہ صورتیں تھیں۔ دلکش تھے۔ دلفریب تھے۔ شریف تھے۔ شرمسار تھے۔ اور اس کی کچھ خبر نہ تھی کہ عدم سے زندگی کیسا دہوکا دیکر دنیا میں لائی ہے۔ فکر رکھتے تھے مگر ایسا نہیں جس سے جان تک گھل جائے۔ مایوسی ہوتی تھی مگر امید بالکل منقطع نہوتی تھی۔ تکلیفیں تھیں مگر تھوڑی دیر میں بھول جاتے تھے۔ چہرے سے غصہ کی سرخی کم نہ ہوتی تھی کہ اخلاص کی باتیں شروع کر دیتے تھے۔ آنکھوں میں آنسو خشک نہوتے تھے کہ ہنسی آجاتی تھی۔ کہانی ختم نہ ہوتی تھی کہ سو جاتے تھے۔ اور نیند بھی وہ گہری نیند جو اُچاٹ ہونا نہ جانتی تھی۔ اجکل کی سی نیند نہیں کہ مرنے پر بھی نہ آئے۔ مفلسی۔ موت۔ بیماری اور بدنامی کا خوف۔ معاش کی فکر۔ ان سب سے آزاد تھے۔ غرض ایک عجیب پُر فضا شادمانی و شادکامی کی منزل تھی جس میں ہم تھے اور ہمارے دوست۔ اور ہم سب کا

لڑکپن۔ یاروں کا یار ہمارا قافلہ سالار تھا۔

بے خودی و بے خبری کے باغوں اور پھلواریوں میں کھیلتے پھرتے تھے۔ ہمکا فکر نہ تھا کہ آج کیا ہی اور کل کیا ہوگا۔ مدرسے کے کمرے اور ہال ہماری کچہریاں۔ دفتر کاروبار کے مقامات تھے۔ پڑھنا ہمارا پیشہ اور کھیلنا ہمارا شیوہ تھا۔ کرکٹ اور فٹ بال ہماری امیدوں کی انتہا اور امتحان ہماری زندگی کی سخت آزمایش تھے۔ مگر ہر حال میں خوش تھے جسم میں جان تھی اور محض ہمارا جینا ہی اس بات کی دلیل تھا کہ ہم خوش ہیں۔ ہمارے محترم اور شفیق اُستاد اور ہمارے مہربان محافظ جو شبانہ روز ہماری تعلیم و تربیت۔ حفاظت و آسایش میں مصروف تھے گو ہمارے قاضی و مجسٹریٹ تھے لیکن سچ پوچھیے تو ہم سب کے بادشاہ تھے۔ جو کچھ تھا ہمارے ہی دم ست تھا۔ چند ایکڑ زمین ہماری مملکت تھی۔ تھوڑی دور پر بنگلے اور بارگیں ہماری قلمرو کے شہر اور قریے تھے۔ کرکٹ فیلڈ ہمارا میدان کارزار تھا جہاں چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں بھی ببول کے سایے میں ایک کالے تختے پر کھریا مٹی سے لکھ کر ہم اپنی فتح اور دشمن کی ہزیمت کو دنیا پر روشن کرتے تھے۔ ہماری پھوس کی مسجد وہ جگہ تھی جہاں خدائے واحد کے سامنے سر جھکانا ہم کو سکھایا جاتا تھا۔ جہاں خدا کے جلال کے سامنے اپنی ناسمجھ پیشانیاں زمین پر رکھ کر بجائے اسکے کہ اُسی خاک پر خاک ہوجاتے ہم اپنی بیگناہی پر کبھی ہنس دیا کرتے تھے۔ یونین کلب ہمارا پارلیمنٹ تھا۔ کالج کے باغ دشمن کی زمین تھے۔ جنکو ہماری رہزنی اور قزاقی ابتک یاد ہوگی۔ وہ حوض جن میں تعمیر کے صرف کے لیے پانی بھرا رہتا تھا۔ ہمارے ملک کی چھوٹی اور بڑی جھیلیں تھیں۔ بعض دو رافتادہ ببولوں کے جھنڈ۔ گھاس پھوس اور جھاڑیوں کے میدان ہمارے پُرخطر جنگل اور شکارگاہ تھے۔ کالج کی ناتمام عمارتیں اور اُنکے سامنے اینٹوں اور پتھروں کے ڈھیر ہماری نظر کے سامنے کسی پُرانے برباد شہر کے ویرانے اور شکستہ آثار تھے۔ کندہ

بنیادوں سے نکلی ہوئی مٹی کے اونچے اونچے ٹیلوں پر ہم اس انداز سے کھڑے ہوتے تھے
جیسے کوئی آثار قدیمہ کا ماہر پرانے مدفون شہروں کو پھر دنیا پر ظاہر کرنے کی فکر میں مصروف
ہو۔ وہ چھوٹا سا رجبہا جو کہیں دور سے ہمارے باغوں اور کیاریوں میں پانی دینے کو
لایا گیا تھا اور جس پر ایک جگہ شیشم کے درختوں کے جھرمٹ میں ایک بڑا انگریزی
پمپ لگا کر قریب ہی پانی کا پختہ خزانہ بنایا گیا تھا۔ ہم کو آبپاشی کے وہ عظیم الشان اسباب
نظر آتے تھے جن کی مثل شاید مصر کے بادشاہوں نے بھی نیل کے دریا پر نہ بنائے ہونگے
ہم سُنتے تھے کہ ہماری عمارتوں کے ستون اور محرابیں اندلس کی اسلامی تعمیرات کی
نقل ہیں۔ جب سے مسدس میں قرطبہ کے کھنڈر پڑھے تھے اور انگریزی کتابوں میں
بیت حمرا کی تصویریں دیکھی تھیں ہم سمجھتے تھے کہ بس ہمارے گھر بھی حجازی امیروں کے
گھروں سے کم نہیں ہیں۔ ہمارے باغوں میں جب کنووں پر رہٹ چلتے ہوتے تھے
تو تنہائی کا وقت گزارنے کے لیے وہ بڑی فضا کی جگہ سمجھتے جاتے تھے۔ اگر کہیں ان کے
پاس دو چار درختوں کی چھاؤں میں انگور کی بیلوں کی روش کے ٹوٹے ہوئے ستونوں
کے قریب نالی میں پانی بہتا اور گھاس جمی دکھائی دیتی تھی تو وہاں کتاب لیکر شاعر اور
عاشق کی نقل اُتارنے بیٹھ جاتے تھے اور یہ وہ ادا ہوتی تھی کہ اگر حافظ شیراز علیہ الرحمۃ
بھی ادھر سے گزرتے تو بے اختیار ہنس پڑتے اور اس گھاس پانی اور پھولوں کے جھوٹے
سے عاشق کو زندہ باش زندہ باش کہہ کر آگے بڑھتے۔ لیکن ہر وقت بھوک کا آزار
اس شاعر کی جان کو ایسا لگا رہتا تھا کہ کھانے کی گھنٹی سُنتے ہی سب ٹھاٹھ بگڑ جاتے تھے
اور دنیا کے سب کام چھوڑ کر ہم کھانے کے کمرے میں اس طرح گھُستے تھے جیسے شام
کو بسیرے کے لیے درختوں پر چڑیوں کے جھُنڈ آئیں۔ جب تک اندھیرا نہ ہو وہ چُپ
نہ ہوں اور جب تک ہمارے پیٹ میں روٹی نہ پڑے ہماری زبان بند نہ ہو۔ غرض
اسی طرح روز دن بھر کھیل کود کر کچھ پڑھ لکھ کر دنیا کو اپنے تماشے دکھاتے ہوئے شام

کو تھکے ہارے ہنستے بولتے اپنے اپنے کمروں میں پہونچکر تکیے پر سر رکھتے ہی سو جاتے تھے
ماں پاس نہ ہوتی تھی کہ ہم کو سُلاکر ہماری دن بھر کی شوخیوں۔ ذہانت کی باتوں اور
فرمایشوں کا محبت سے ذکر کرتی۔ لیکن کیا عجب ہی کہ نور کے فرشتے جو اس سنسان
رات میں بھی خدا کی ان پیاری جانوں کی حفاظت میں مصروف ہیں اس خواب ناز میں
ان معصوم صورتوں کو دیکھکر ان کی آیندہ خوشحالی کے لیے خدا کی جناب میں سفارش
کے لیے ہم سخن ہوں۔

مسٹر اولڈ بولے۔ مجکو باضابطہ کھیلوں کی سرگذشت سے مطلب نہیں۔ مجکو اسوقت
اپنی سلطنت کا حال لکھنا ہی۔ میں نے ابھی ابھی اپنے ملک کے جنگلوں، میدانوں اور جھیلوں کا
ذکر کیا ہی۔ ان مقامات میں جسقدر چرند و پرند آباد تھے وہ سب ہماری رعیت تھے۔
لیکن یہ رعیت ایسی نالایق تھی کہ جس قدر ہم ان سے نزدیکی چاہتے تھے اُسی قدر
وہ ہم سے وحشت اختیار کرتی تھی۔ گیدڑوں کو چھوڑکر جو بلا تنخواہ ہماری چوکیداری کرتے
تھے اور اُس بھیڑیے سے قطع نظر کرکے جس کے آنے کی خبر جاڑے کی راتوں میں گرم
ہوتی تھی۔ خرگوش ہماری جھاڑیوں میں خاص خاص موسموں میں مہمان ہوتے تھے۔
دوڑنے میں شاید ہم اُنکے برابر نہ ہوں لیکن غول بندی اور سراغ رسانی میں تو بڑے
بڑے تازی بھی ہمارے آگے زمین سونگھتے رہ جاتے تھے۔ درپے آزار ہونا ظاہر میں
ہمارا مسلک معلوم ہو۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہ تھا کسی کی آزادی میں خلل ڈالنے کو ہم
کچھ نہ سمجھتے تھے۔ ہم جو کچھ چاہتے تھے وہ یہ تھا کہ خدا کی یہ عجیب اور دلکش مخلوق کسی طرح
ہمارے گھر مہمان ہو۔ اور جب کبھی ایسا ہوتا تھا تو گھر کی وہ کونسی چیز تھی جسکو توڑ پھوڑ کر
ہم اپنے مہمان کی آسایش کے لیے گھر نہ بناتے ہوں۔ خرگوش جاہے نکلجائیں
مگر خرگوشنی کے بچے ہماری میزبانی قبول کرتے تھے۔ اور کیسا خوش نصیب تھا وہ
ہمارا دوست جسکے پاس خرگوش کا بچہ اپنی زندگی کے دو چار دن پورے کرتا ہو۔

جنگل کے ہرنوں کا کبھی کبھی چوکڑیاں بھول کر ہماری سرحد میں چلا آنا اکثر ایسا واقعہ ہوتا تھا جسکو ہمارا مشہور شاعر "نیما" دوستوں کا شوق بڑھانے کے لیے زیب داستان کر بنا تا تھا۔ لیکن وہ ہم سے کچھ بہت دور نہ بستے تھے۔ اکثر اپنی حدود سے ہم کو اُن کی قطاریں کھیتوں میں چرتی پھرتی نظر آیا کرتی تھیں۔ یہ ہماری رعایا نہ تھے۔ لیکن کبھی کبھی گاؤں والے انکے بچے ہمارے ہاتھ بیچ جایا کرتے تھے اور یہ بچے جوان ہو کر اور ہم میں تعلیم و تربیت پا کر آہوان حرم سے بھی زیادہ با وقعت ہوتے تھے۔ ہمارا سبق گو یہ یاد نہ کیا کرتے تھے لیکن مدرسے ہمارے ساتھ ضرور جاتے تھے۔ اور ہمارے انگریز اُستاد جب ہم کو سبق پڑھاتے ہوتے تھے تو انکے ساتھ کھیلتے بھی جاتے تھے۔

ہمارے نیم، پیپل اور شیشم کے درخت۔ سیب انار رنگتروں اور امرودوں کے پیڑ ہماری جاگیر کی وہ بستیاں تھیں جن میں ہماری رعایا سب سے زیادہ آباد تھی۔ نیم کے طوطوں کا اور ہمارا قصہ وہی ہے جو ہمیشہ سے صیاد اور بلبل کا چلا آتا ہے۔ ہماری نظر کا پہنچ جانا اور کسی کے آشیانے پر بجلی کا گرنا ایک بات تھی۔ جوتیاں نیچے پڑی ہیں اور ہمارا دوست درخت پر ہے۔ انڈے ملے تو خوب جائزہ لیکر ایک ایک کو گن کر دہیں رکھدیا بچے ملے تو پکڑ لایا۔ غرض کوؤں کو چھوڑ کر جن کی گردن میں ٹین کے ٹکڑے لٹکے ہوئے ظاہر کرتے تھے کہ باورچیخانے سے سزایاب ہونے ہیں اور اُلوؤں کو شامل کر کے جن کی دانائی اور سنجیدگی کا حال ہم اپنے ریڈر میں پڑھ چکے تھے ہماری قلمرو کے خرگوش گلہریاں۔ نیولے۔ طوطے۔ مینائیں۔ فاختائیں۔ نیل کنٹھ۔ ببول کے بیٹے۔ چنبیلی کے تختے اور انگور کی بیلوں والے خوش آواز پرند جو پتوں کو سی کر اپنا گھر بناتے تھے ان میں اور ان کی اولاد میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو ہمارے دام الفت سے آزاد ہو یا جسکے دام الفت کے ہم اسیر نہ ہوں۔ یہ ہمارے اس قدر اسیر نہ بنتے تھے جس قدر ہماری توجہ ان کی اسیر ہو جاتی تھی۔ خاصکر ہمارے بڑے پیپل کے روپوش رہنے والے

ی قسم کے اُلو تو ہم کو بالکل محو حیرت کر دیتے تھے ۔ گو ہم جانتے تھے کہ دن کو اتفاق سے
باہر ہو کر یہ سب پرندوں کے صدر انجمن ہو جاتے ہیں لیکن راتوں کو انکا وجود ہمیشہ
یک راز سربستہ رہا اور ان کی آواز جو ہر تیسویں سکنڈ کے بعد پیدا ہو کر فوراً بند ہو جاتی تھی
ہمیشہ غیب کی صدا معلوم ہوئی جسکے سرچشمہ کی تلاش میں بڑے بڑے قدر انداز داؤ کے
ھیلے اور پھر خطا گئے مگر آواز جہاں سے آتی تھی وہیں سے آیا کی ۔ چھوٹے اُلوؤں کا ذکر
چھوڑ دیتا ہوں جو ہماری طرح کسی دماغی تشنج کی وجہ سے یک لخت غل مچانے لگتے تھے
ور جن کی آنکھوں کو دیکھ کر سمجھا جاتا تھا کہ آپ کسی تاریک حجرے میں عینک لگائے
بیٹھے ہیں ۔

وہ پختہ حوض جس میں اینٹیں ترکی جاتی تھیں اور جو ہمارے ملک کی جھیلیں تھیں انکے
ساحل پر بعض شوقین فرصت کے اوقات میں مینڈک شکار کیا کرتے تھے ۔ یا اُن میں
ینٹیں پھینک کر پانی کے اُچھلنے ۔ پھٹنے ۔ قطروں میں بکھرنے اور چھینٹوں کے اُڑنے کا
تماشا دیکھا کرتے تھے ۔ کسی نووارد جنگلے کی مجال نہ تھی کہ ہمارے پتھروں کے خوف سے
ہمارے مینڈکوں کا قصد کر سکے ۔ اگر کسی صاحب کو کبھی یہ شبہ ہو گیا کہ ان حوضوں میں
مچھلیاں پیدا ہو گئی ہیں تو پھر ہماری کل نوآبادی ماہی گیروں کی بستی ہو جاتی تھی ۔ جسکو
دیکھیے تو لیئے کا جال کندھے پر ڈالے چلا آتا ہے ۔ اور پھر پانی کے کنارے مینڈکوں اور
مچھلیوں پر لڑائیاں ہو پڑتی تھیں اور نہایت شدت سے پانی پر سنگ باری شروع
ہوتی تھی ۔ غرض ہمارے جنگلوں کا وہ کونسا بسنے والا اور ہمارے درختوں پر وہ کونسا
بسیرا لینے والا اور ہمارے پانیوں کا وہ کونسا تیرنے والا تھا جو ہم کو نہ جانتا ہو یا جسکو ہم
نہ جانتے ہوں ۔ اگر کل شام کو دور سے دور درخت پر بھی کسی نے انڈے دیے ہیں
یا جھاڑی میں بچے نکالے ہیں تو صبح ہوتے ہوتے تمام چڑیماروں میں اس خبر کا غیر معمولی
گزٹ شائع ہو جاتا تھا ۔

مسٹر اولڈ بوائے۔ یہ داستان اُس وقت کی ہے جبکہ آپ کا جثہ موجودہ تن و توش
کے کیوب اوٹ (جذر الکعب) سے بھی کم تھا۔ اور جب آپ کسی قیدی پرند کے پنجرے
کی تیلیوں، کھڑکی۔ چٹخنی۔ دانے پانی کی پیالیوں کو اپنے کمرے اور کمرے کے فرنیچر
سے کہیں زیادہ دلچسپ سمجھا کرتے تھے۔ جب مئی اور جون کے مہینے میں موسم کی
خوشگواری کی وجہ سے آپ اپنے بڑے بھائی کی آنکھ بچا کر جلتے دوپہر میں ہوا خوری کو
نکلتے تھے اور کسی بنگلے کے غسل خانے سے نوگرفتار طوطے کے بچوں کی آہ و زاری
آپ کے کانوں میں پڑتی تھی تو ذرا یاد کیجیے کہ آپ کا دل کیسا گزوں اُچھلنے لگتا تھا۔
گو اِن بچوں کے مالک سے آج ہی صبح آپ سے کُشتی ہو کر بول چال بند ہو چکی ہے لیکن
آپ خوب سمجھتے ہیں کہ یہ وقت کہیں سے آٹا لا کر گولیاں بنانے کا ہے نہ کہ باہمی رنجش کا
ممکن ہے کہ آپ کا فیاض دوست ایک طوطے کا بچہ آپ کی نذر بھی کرے۔ جب چھٹی
کے دن چرند۔ پرند۔ پھل پھول۔ خشکی و تری پر حکومت جتانے کے لیے جیب میں
پُرانا ٹوٹا ہوا چاقو جسکے آج آپ اٹھارہویں مالک ہیں کنکر پتھر بسکٹ اور مٹر کی پھلیاں
بھر کر ہاتھ میں ربڑ کی غلیل لیکر گریبان چاک۔ ٹوٹی جوتی اور ٹخنوں سے محروم اچکن
پہنے مفصلات کے دورے کو آپ اُٹھتے تھے تو کیا کیا تمنائیں آپ کے دل میں ہوتی
تھیں۔ مسٹر اولڈ بوائے۔ یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے کہ آپ اس وقت لاولد تھے
کسی کُتیا کی عقل حیوانی گوارا نہ کرتی تھی کہ کالج کے احاطہ میں بچہ دے۔ لیکن اگر کبھی
کوئی موٹا تازہ گل دار پلا آپ کو کسی روند میں مل گیا ہے تو کیسے شوق اور دوستوں سے
اتفاق رائے سے آپ نے اسکو اپنی فرزندی میں لیا ہے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ بس اب
آپ کا نام نامی اسی عزیز پلے سے آگے چلے گا۔ مار پیٹ۔ بنچ پر کھڑے ہو کر درجے
میں ممتاز ہوئے۔ امپوزیشن لکھے۔ مگر اس غریب پلے کی محبت نے کبھی پورا
سبق یاد نہ ہونے دیا۔ گو آج اس عزیز کی چٹکی بھر خاک بھی دنیا میں دوا کو باقی نہ

لیکن یہ بتایئے جیسے اس غریب پتلے کی وجہ سے آپ اُس وقت اپنے دوستوں میں مرجع خاص و عام ہوئے تھے پھر بھی کبھی آپ کو ویسی عزت نصیب ہوئی؟ اگر آپ کو ایسا ہی اصرار ہی تو خیر میں اُس زمانہ کو مستثنےٰ کیے دیتا ہوں جب سے آپ نے ماہواری اشاعت اختیار کی ہے۔

مسٹر اولڈ بوائے۔ اگر آپ اس قدر زور زور سے لاحول پڑھیں گے تو میں ہی نہیں بلکہ آپ کے اکثر دوست بغیر رخصت طلب کیے اُٹھ جائینگے۔ بہرحال آیندہ رخصت ہوتا ہی اور سخت افسوس ظاہر کرتا ہی کہ نہایت ہی نامعقول موقع پر اس مضمون کو ختم کرسکا۔ اسکا سبب بجز اسکے کہ مہلات کی بھی انتہا ہونی چاہیے اور کیا ہو سکتا ہے ممکن ہی کہ اس میں یہ قوت بھی شامل ہو کہ ماضی بعید کا کوئی یار "نیما" اور ماضی قریب کا کوئی مقدس ببوق یہ باتیں سُنکر راقم کی اصلاح کی طرف توجہ کرلے۔

یہ جو کچھ اوپر لکھا ہی ایک مہمل اور ناتمام خلاصہ ہماری تاریخ کی اُس ضخیم جلد کے ایک حصہ کا ہی جس میں لڑکپن ہم بادشاہوں کا شہنشاہ اور ہماری فوجوں کا امیر تھا اس نے بہت دن ساتھ دیا۔ پھر جوانی کو اپنی سلطنت کا کاروبار سپرد کرکے ایسا مفقود الخبر ہوا کہ کہیں پتہ نہ چلا۔ گو لڑکپن کی فضا سے جوانی کی بہار کہیں زیادہ دلفریب تھی۔ لیکن جوں جوں آگے بڑھے ذمہ داریاں بڑھتی گئیں اور وہ خطرناک کہسار اور ہولناک منزلیں قریب آتی گئیں جن میں زندگی نے آخر لامر دنیا کا سفر ختم کرنے کے لیے ڈال دیا اور جن میں آج آبلہ پائی اور خستہ حالی پر روتے ہیں۔

اس وقت کالج کی زندگی کی تصویر اس طرح نظر کے سامنے ہی جیسے ریگستان کے تشنہ لب مسافر کے سامنے پانی اور چھاؤں کی حسرت میں سراب کے چشمے اور سایہ دار درخت آجائیں۔ جس طرح وہ خوش ہو کر ان کی طرف بڑھتا ہی اور سمجھتا ہی کہ

اب لب تر ہو جائینگے۔ اور کچھ نہیں پاتا اسی طرح میں اس زندگی کی تصویر سامنے لاکر سمجھتا ہوں کہ کاغذ پر اُتار لونگا لیکن تصویر نہیں اُترتی اور بجز سعی لاحاصل کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

خیر۔ یار زندہ صحبت باقی۔ بن پڑا تو پھر یوہیں کبھی ہنس بول لیں گے۔ فی الحال رخصت۔

سب کا خیر طلب
عنایت اللہ

دُرِ شاہوار یہ کتاب قبلہ وکعبہ مولانا اشہری صاحب مرحوم کے یادگاری سلسلہ کا عنوان ہی۔ اسسٹنٹ اڈیٹر کا کتاب کی نسبت کچھ لکھنا اپنے آپ میاں مٹھو بننا ہی، البتہ جن بزرگ کی یادگار میں کتاب شائع کی گئی ہی اُن کی اڑتالیس سالہ علمی خدمات اس قابل ضرور ہیں کہ کوئی یادگاری شان اختیار کریں اور چونکہ بہترین یادگار اپنی قومی زبان کا استحکام ہی اس لیے اشاعت کتب کے ذریعہ سے "مشہور دوراں اشہری" کی یاد تازہ رکھنا بھی ہمارا ایک قومی فرض ہوسکتا ہے۔

ہمیں اپنے بھائیوں سے امید ہی کہ اس کتاب کو ضرور اپنی الماریوں میں جگہ دینگے۔ قیمت معہ محصولڈاک وغیرہ صرف گیارہ آنے ہی۔ کتاب دفتر "اولڈ بوائے" سے شائع ہوگی۔

✻

ہز ہائنس آغا خاں لاہور میں

ہز ہائنس سر آغا خان بہادر بالقابہ اور علیگڈھ ڈپوٹیشن کی لاہور میں تشریف آوری اور وہاں کے جلسہ کا مفصل حال بہت سے انگریزی اور اُردو اخبارات میں شائع ہو چکا ہے اور اکثر بھائیوں کی نظر سے گزرا ہوگا لیکن مسٹر شوکت علی کے ارشاد کی تعمیل میں "اولڈ بوائے" کے لیے کچھ حال درج کرتا ہوں۔

ہز ہائنس اور علی گڈھ پارٹی کا خیر مقدم جس جوش اور دلی خلوص کے ساتھ زندہ دلان پنجاب نے کیا اس کی نظیر اسلام اور دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملیگی۔ یہ کہنا ہرگز داخل مبالغہ نہوگا کہ کسی ہر دلعزیز بادشاہ کو بھی ایسا استقبال نصیب نہوا ہوگا۔

۲۴۔ فروری کی صبح کو لاہور میں ریلوے اسٹیشن کے وسیع پلیٹ فارم کی یہ حالت تھی کہ واقعی اُسپر تل رکھنے کی گنجائش نہ تھی۔ پراونشل کمیٹی نے محکمہ ریلوے سے خاص انتظام کرکے داخلہ کے ٹکٹ تقسیم کیے تھے اور حتی الامکان احتیاط کی تھی کہ پلیٹ فارم پر زیادہ بھیڑ نہ ہونے پائے لیکن شائقین کا ہجوم اس قدر ہو گیا تھا کہ باہر جانے کا راستہ ایک گز چوڑا قائم رکھنا بھی محال ہو گیا۔ ہز ہائنس کی سپیشل ٹرین کے آنے پر سٹیشن چیرز اور خوشی کے نعروں سے گونج اُٹھا اور ہز ہائنس اور انکے ہمراہیوں پر پھولوں کی بارش ہو گئی۔ پھولوں کی اس موقع پر اس قدر مانگ تھی کہ لاہور اور امرتسر کے باغ خالی ہو گئے اور دہلی سے کثرت سے پھول منگوائے گئے تھے۔ سٹیشن کے احاطہ میں اسّی نوّے ہزار کے قریب مجمع تھا۔ ہز ہائنس کے گاڑی میں سوار ہونے پر گورے چٹے اور لوگوں نے "مرحبا" اور "جزاک اللہ" کا نعرہ بلند کیا۔ طلبا نے جوش میں آکر ہز ہائنس کی گاڑی میں سے گھوڑے نکالدیے اور اُسکو خود کھینچتے ہوئے لے چلے۔

جلوس کی ترتیب یہ تھی کہ سب سے آگے ستر اسی نوجوان مسلمان گھوڑوں پر سوار جنکی وردی ترکی ٹوپی۔ سیاہ کوٹ اور سفید برجس تھی۔ یہ سب کے سب پنجاب کے معزز خاندانوں کے رُکن تھے۔ سینکڑوں نوجوانوں نے اس ٹرپ میں شامل ہونے کی درخواست کی تھی لیکن کمیٹی استقبالیہ نے ان میں سے فقط وجیہہ اور قدآور جوانوں کو منتخب کیا۔ اس ٹرپ کی کمان کی عزت خان بہادر خدابخش صاحب کو حاصل تھی جو قدآور وجاہت میں سب سے ممتاز تھے۔ اس ٹرپ کے بعد لاہور کے مختلف کالجوں اور سکولوں کے طلبا کے پیدل دستے تھے اور ان کے پیچھے نواب فتح علی خانصاحب قزلباش کے خاص بارہ ولایتی سوار۔

ان کے بعد ہز ہائنس اور نواب فتح علی خانصاحب کی گاڑی اور اسکے بعد نواب وقار الملک بہادر اور آنریبل میاں محمد شفیع کی گاڑی اور اسکے بعد ایک لمبی قطار گاڑیوں کی تھی جن میں ممبران ڈپوٹیشن اور اکابر پنجاب تشریف فرما تھے۔

ہجوم کی یہ حالت تھی کہ رستہ بالکل رُکا ہوا تھا اور گاڑیاں مشکل سے قدم قدم چل سکتی تھیں۔ دہلی دروازہ کے باہر ہز ہائنس کے اصرار سے گاڑی میں گھوڑے لگائے گئے۔ بازاروں میں دو طرفہ جھنڈیاں نصب تھیں۔ دوکانوں پر تصویریں کتبے۔ آئینے اور آرائش کا سامان بکثرت تھا۔ جا بجا خوشنما محرابیں بنی ہوئی تھیں جنکی تعداد پچاس سے زیادہ تھی۔ جلوس پر پھولوں کی اس قدر بارش ہو رہی تھی کہ ہز ہائنس کی گاڑی جب نواب قزلباش کے محل میں پہونچی تو پھولوں سے بالکل بھری ہوئی تھی۔ راستے میں بیسیوں جگہ گلاب پاشوں سے خوشبو چھڑکی گئی۔ ہار گلے میں ڈالے گئے۔ پان۔ الائچی۔ شربت۔ دودھ پیش کیا گیا۔

لاہور کی کامیابی کا سہرا اگرچہ نواب فتح علی خانصاحب اور میاں محمد شفیع صاحب اور انکے احباب کے سر ہے لیکن یہ آرائش اور جوش خیر مقدم کسی خاص شخص یا گروہ کے

ایماسے نہ تھے ۔ عوام نے محض خلوص دل سے اپنے قومی سردار کے خیر مقدم میں اپنا روپیہ اور وقت صرف کیا ۔ بہت سے کام دھندے والے آدمی جنکو دن کو فرصت نہیں مل سکتی تھی ۲۳ اور ۲۴ فروری کی درمیانی رات کو بازاروں میں آرایش کے کام میں مصروف رہے ۔ نہ اُن کو ستایش کی پروا تھی اور نہ صلہ کی تمنا ۔ ۲۳ ۔ فروری کی شام کو مسٹر جسٹس شاہ دین بازاروں کی آرایش دیکھنے نکلے اور ایک شخص کو بہت سرگرم دیکھکر فرمایا کہ "شاباش تم کو کمیٹی کی طرف سے تمغہ ملیگا" ! اُس نے کہا کہ مجکو تمغے کی خواہش نہیں ہے ۔ چارٹر مل جائے تو اُسی کو تمغہ سمجھونگا ۔ ایک مصور نے رات کے ۱۲ بجے اپنے منصبی کام سے فرصت پاکر ہز ہائنس کی قد آدم تصویر بنانی شروع کی اور صبح کے چھ بجے اسکو مکمل کرکے ایک محراب پر لگایا ۔ میں نے وہ تصویر بغور دیکھی اسکی دستکاری ولایت کے نمونے سے کسی طرح کم نہ تھی ۔

یہ جوش اور خلوص محض اُن شخصوں پر محدود نہیں تھا جو تعلیم کے فوائد اور ضروریات کو سمجھتے ہیں ۔ لاہور کے گُنڈوں (شہدوں) کا سردار ہز ہائنس کی تشریف آوری سے دو دن پہلے نواب قزلباش کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اس تقریب سعید پر کوئی خدمت میرے بھی سپرد ہو ۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ انتظام سب ہو چکا ہے ۔ تمہاری فقط مہربانی درکار ہے ۔ اسپر اُس نے عرض کیا کہ لاہور امرتسر اور گرد و نواح کے جسقدر بینڈ باجے ہیں وہ سب حاضر ہو جائینگے ۔ مگر آرزو یہ ہے کہ اور بھی کوئی خدمت مجھ سے لیجاتی ۔ چنانچہ جلوس کے دن اس شخص نے ہر نکڑ پر بینڈ باجے تعینات کردیئے ۔ باجے والے بھی جوش میں ایسے بے طرح بھرے ہوئے تھے کہ تال اور سُر کی قید سے آزاد ہو کر گلے اور چھاتی کا پورا زور اور خیر مقدم میں صرف کر رہے تھے ۔ غالباً ہر ایک کو یہ تمنا تھی کہ میرے باجے کی آواز سب سے زیادہ بلند ہو ۔ ایک کوٹھے پر آدھی درجن بڑے بڑے نوبت رکھے تھے اور چند پنجابی ڈھگے ہاتھوں میں لاٹھیاں لیے اُن کی

مرمت کر رہے تھے۔ ایک بڈھا ان کا ہیڈ ماسٹر تھا۔ خود تو ضعیف العمری کی وجہ سے زور بازو دکھلانے سے معذور تھا لیکن زبان سے اور اشاروں سے ان کو اور ہمت دلاتا تھا۔ عام تماشائیوں کے جوش محبت کی یہ حالت تھی کہ خوشی سے انکے چہرے بشاش تھے۔ کوئی سلام علیک کہتا تھا کوئی "مرحبا" اور "جزاک اللہ" پکارتا تھا۔ کوئی دعا مانگ رہا تھا کہ خداوندا تو اس گروہ کے نیک کام میں مددگار ہو۔ کسی کی زبان پر شکر کا کلمہ جاری تھا۔ کسی کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہ رہے تھے۔ راستے میں ہزاروں کتبے آویزاں تھے جنکے مضمون سے عوام الناس کے جوش اور اخوت اسلامی کا اظہار ہو رہا تھا۔ ایک شعر اور ایک مصرعہ اکثر جگہ درج تھے۔ شعر یہ تھا۔

اُجرت دہد خدای کہ کردی تو یاوری   با آں کساں کہ ناصر یاور نداشتند

اور مصرعہ یہ تھا۔

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

اس مصرعہ میں سر سید علیہ الرحمۃ کے ایک فقرہ کی طرف اشارہ ہی جو انھوں نے کسی لکچر میں فرمایا تھا کہ میرے بعد ایک مرد خدا آئیگا جو میرے کام کو پورا کریگا۔

غرضیکہ جلوس بصد شان و شوکت نواب قزلباش کی کوٹھی موسومہ نواب پلیس تک پہونچا مسلمان نوجوانوں کا ٹرپ جو صبح کے تین بجے سے سوار تھا اُسی وقت راجہ صاحب محمود آباد کے استقبال کے لیے سٹیشن کو رخصت ہوا اور سب مہمان اپنے اپنے کمروں میں گئے۔

نواب قزلباش نے اپنے نامی خاندان کی رسم کے مطابق طریق میزبانی کو شاہانہ طور سے نباہا اور مہمانوں کی آسایش کا انتظام نہایت اعلیٰ پیمانہ پر کیا۔ نواب موصوف عموماً کھانے میں شریک نہیں ہوتے تھے بلکہ اپنے عزیزوں سمیت مہمانوں کی خدمت میں کھڑے رہتے تھے۔

اسلامیہ کالج کے تقسیم انعامات کے جلسہ ۲۴ فروری کی شام کی گارڈن پارٹی اور مسلمان طلباے پنجاب کے ایڈرس کا مفصل حال اکثر اخباروں میں درج ہو چکا ہے اسلیے اسکے تذکرے کی تو چنداں ضرورت نہیں اب اصلی جلسہ کا کچھ حال درج کرتا ہوں۔

ہز ہائنس۔ نواب وقارالملک بہادر۔ نواب قزلباش اور میاں محمد شفیع صاحب کی سپیچوں کے بعد نظم کا سلسلہ شروع ہوا۔ مولانا شبلی نے چند اشعار پڑھے۔ اور انکے بعد ایک اور بزرگ طیار تھے کہ ایک پیر جواں ہمت نے اُٹھ کر کہا کہ صاحبو ہم یہاں شعر سننے کے لیے جمع نہیں ہوئے چندہ دینے آئے ہیں۔ وقت کم ہی نظم اور نثر کو چھوڑ دو اور اصلی کام شروع کرو۔ اس وقت حاضرین کی تعداد پندرہ بیس ہزار کے قریب تھی سب نے یکزباں ہو کر اس رائے سے اتفاق کیا اور چندوں کا اعلان شروع ہوا۔ ہر ایک اعلان پر چیرز ہوتی تھیں اور جب کوئی رقم حاضرین جلسہ کے خیال میں معطی کی حیثیت سے کم معلوم ہوتی تھی تو اسپر "تھوڑا ہے" "تھوڑا ہے" کا غل مچ جاتا تھا اور جب تک چندہ کی رقم بڑھائی نہ جاتی لوگ خاموش نہیں ہوتے تھے۔

ہز ہائنس کو غالباً اس طرح کی کارروائی سے پہلے سابقہ نہ پڑا تھا۔ اُنھوں نے اشارے سے منع کیا اور پھر ان کی ہدایت کے مطابق شیخ عبدالقادر صاحب نے حاضرین جلسہ کو سمجھایا کہ چندوں کی رقم کے بڑھائے جانے پر اصرار نہ کریں لیکن اس جوش کو روکنا ممکن نہ تھا اور آخر کار خود ہز ہائنس اس سے متاثر ہو گئے اور یہ تماشا ہوا کہ جب کسی رقم کی کمی پر غل مچتا تو ہز ہائنس خود بھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ انکے کھڑے ہوتے ہی پکار ہوتی کہ معطی بھی کھڑے ہو جائیں۔ اس وقت عجب لطف ہوتا تھا۔ اس چیخ پکار میں کسی کی آواز تو کیا سُن سکتے تھے۔ ایک طرف ہز ہائنس کھڑے ہو کر انگلیوں کے اشارے سے بڑی رقم مانگتے تھے اور دوسری طرف معطی صاحب ایک ایک انگلی اُٹھا کر اپنی رقم بڑھاتے کبھی انکار میں سر ہلاتے تھے اور کبھی منت کرنے کو ہاتھ جوڑتے تھے۔ جب تک حاضرین

جلسہ کی رائے کے مطابق رقم پوری نہیں ہوتی تھی۔ لوگ خاموش نہیں ہوتے تھے۔ نواب فتح علی خانصاحب قزلباش نے ابتدا میں ۲۵ ہزار چندہ کا اعلان فرمایا تھا۔ جب چندہ کی تعداد دو لاکھ تک پہونچی تو وہ جوش مسرت میں کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ "شاباش اے میرے ہموطنو! مرحبا اے میرے ہم قوموں! تمہاری فیاضی نے آج پنجاب کی عزت رکھ لی" وہ اتنا کہنے ہی پائے تھے کہ لوگوں نے غل مچادیا کہ آپ کا چندہ تھوڑا ہے۔ نواب صاحب نے ایک ہزار بڑھایا۔ اسپر کسی نے کہا "قومی بولی تیس ہزار" اور جب تک قومی بولی پوری نہ ہوئی شور برابر جاری رہا۔ غرضیکہ غروب آفتاب تک یہ سلسلہ قایم رہا۔ ریاست بھاولپور کے چندے کے علاوہ (جس کی تعداد قریباً دو لاکھ ہوگی) ڈہائی لاکھ سے زیادہ چندے کا اعلان ہوا۔ اور ساڑھے تین ہزار روپیہ نقد وصول ہوا۔

مسلمانان ہند کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہی کہ عوام الناس نے بلا کسی خاص استدعا کے قومی کام میں خوشی سے شرکت کی ہی۔ خوشحال اور تعلیم یافتہ بزرگوں کی امداد اگرچہ قابل تحسین ہی لیکن قابل تعجب نہیں۔ انکے علاوہ طلبا نے اپنی جیب خرچ میں سے چندہ دیا۔ لاہور کے باغبانوں اور قصابوں نے اپنے اپنے چندے جمع کرکے تھیلیاں جلسہ میں پیش کیں۔ قصبہ قصور کی ایک بیوہ نے اپنی کل جائداد جس کی مالیت تین ہزار ہے یونیورسٹی فنڈ کی نذر کردی اور رجسٹری اس جلسہ میں پیش ہونے کو بھیج دی۔ قصور کے زندہ دلوں نے وہاں کے ہر ایک مسلمان سے چندہ لیا۔ ایک شخص نے چندہ دینے سے انکار کیا تو سب نے مل کر اسکا موںھ کالا کردیا اور عہد کرلیا کہ جب تک یہ شخص پچاس روپے چندہ نہ دے کوئی اس سے بات نہ کرے۔ سُنا ہی کہ اُس نے ایک روپیے سے بتدریج دس روپیے تک اپنا چندہ بڑھایا ہی لیکن ابھی تک برادری سے خارج ہی۔

تائید ایزدی کا ایک زبردست نشان یہ بھی ہی کہ اس جلسہ میں بعض ایسے بزرگ موجود تھے جنکو سرسید علیہ الرحمۃ کے زمانے میں ہمارے کالج سے قطعی سروکار نہ تھا

حاجی سید جماعت علی شاہ صاحب علاقہ سیالکوٹ کے ایک مشہور بزرگ ہیں جنکے پنجاب اور ہندوستان میں لاکھوں مرید ہیں۔ یہ مقدس بزرگ اس جلسہ میں شامل ہونے کے لیے لاہور از خود تشریف لائے۔ نواب وقار الملک بہادر قبلہ نے پیغام بھیجا کہ ہم حاضر خدمت ہونا چاہتے ہیں آپنے فرمایا کہ جو فرض آپ کو یہاں تک کھینچ کر لایا ہی اسی کی وجہ سے میں بھی لاہور آیا ہوں اسلیے آپ کو یہ تکلیف فرمانے کی ضرورت نہیں۔ جس وقت چندہ کا اعلان ہو رہا تھا تو اکثر اصحاب کے اصرار سے آپنے کھڑے ہو کر ایک مختصر تقریر فرمائی کہ فقیر کے پاس روپیہ نہیں ہوتا اور جسکے پاس روپیہ ہوتا ہی وہ فقیر نہیں۔ میں فقیر ہوں اسلیے میں تو آپ کو بجز دعا کے کچھ دے نہیں سکتا البتہ میں نے اپنے دوستوں (مریدوں) سے کہدیا ہی کہ وہ اس نیک کام میں آپ کی مدد کریں۔ نواب قزلباش نے فرمایا کہ حضرت ایک لاکھ روپیے کی امید ہی یا نہیں۔ آپنے فرمایا کہ ایک لاکھ نہیں کئی لاکھ ہو جائے گا۔ اس مقدس بزرگ نے ہزاروں اشتہار اپنے مریدوں میں تقسیم کیے ہیں اور ان کو دل کھول کر چندہ دینے کے لیے آمادہ کیا ہی اور چندہ جمع کرنے کے لیے اپنی طرف سے کئی سفیر مقرر کر دیئے ہیں انکے علاوہ شیر گڈھ کے سجادہ نشین صاحب شامل جلسہ ہوئے اور ایک ہزار چندہ کا وعدہ بھی فرمایا۔ پاک پٹن شریف کے سجادہ نشین صاحب بھی تشریف لائے لوگ ان کا بہت کچھ اعزاز کرنا چاہتے تھے لیکن انھوں نے فرمایا کہ یہ قومی کام ہے اس میں سب ایک برابر کے ہیں اسلیے ہمارا اعزاز نہ کرو۔ پنجاب کے مجتہد العصر مولوی سید علی صاحب شامل جلسہ بھی ہوئے اور پانچسو چندہ کا وعدہ بھی فرمایا۔

جلسہ کے اختتام کے بعد ہز ہائنس کی یہ حالت تھی کہ خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے تھے۔ چہرہ سے بشاشت ٹپک رہی تھی۔ بزرگان پنجاب سے ہاتھ ملاتے تھے کبھی فرماتے تھے ... God Bless you.

کبھی فرماتے تھے :—

Shabash zinda Dilan i Punjab you have given me a zinda dil.

ہز ہائنس نے اپنے حسن اخلاق سلیم الطبعی اور معاملہ فہمی سے ہر شخص کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ ان کے اس اظہار مسرت سے ہر ایک شخص کو خوشی تھی اور واقعی امر یہ ہے کہ ہز ہائنس کے اظہار خوشنودی پر اہل پنجاب جسقدر فخر کریں بجا ہے۔

احسان الحق

اسلام۔ ہمارے بھائی قاری سرفراز حسین صاحب کے نام سے اولڈ بوائز میں کون ایسا ہے جو واقف نہیں۔ قاری صاحب کے خاموش مگر مسلسل کوششوں کے برکات ہم پر ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ کتاب زیب عنوان بھی ہمارے بھائی کی دماغ سوزی کا نتیجہ ہے۔ اس موضوع پر عربی فارسی اُردو میں ہزاروں کتابیں ملیں گی۔ لیکن انگریزی میں شاذ ہی کوئی کتاب تصوف میں کسی مسلمان نے لکھی ہو گی۔ جو لوگ اسلام اور تصوف کے شیدا ہیں وہ نور لائبریری کلکتہ ضرور طلب فرمائیں۔

سلطانا ناز ڈریم۔ یہ چھوٹی سی کتاب زنانہ تعلیم اور پردے کے متعلق لکھی گئی ہے۔ کتاب دلچسپ اور اچھی ہے اور چونکہ ایک مسلمان خاتون نے اسے لکھا ہے اس لیے ہمیں اس کی ضرور سرپرستی کرنا چاہیے۔ قیمت بھی صرف چار آنے ہے۔ نور لائبریری کلکتہ سے ملے گی۔

میکے میں سہاگن بیٹیاں

یونیورسٹی کے سال میں امید تھی کہ ہمارے بھائیوں کی کافی تعداد ہر حصہ ملک سے آئے گی اور یہ امید ایک حد تک پوری بھی ہوئی۔ مادر کالج نے اپنے بچوں کی دلبستگی اور آسایش کے لیے پہلے سے زیادہ اس سال انتظام کیا تھا۔ ۱۴ ماہ حال سے لوگ آنا شروع ہوگئے اور اسی دن سے پارٹیاں ہونے لگیں۔

سب سے پہلے گارڈن پارٹی گریجوٹیس کی جانب سے اُن کے لان پر دی گئی جس میں ہماری ایک معقول تعداد شریک تھی۔ ابھی رات دنیا پر اپنا قبضہ اچھی طرح کرنے بھی نہ پائی تھی کہ ہم نے اپنے پُرانے ڈائننگ ہال کو جا گھیرا۔ یہاں ہمیں روکنے والا کون تھا، نہ تو ہم زمانۂ طالبعلمی کی طرح گھنٹی پر لگے ہوئے تھے اور نہ مانیٹر صاحب سے درخواست کی ضرورت تھی۔ خود مہمان اور خود میزبان تھے۔ غرض کھانے کے ساتھ پورا انصاف کرنے کے بعد اُن بارگوں پر نظر ڈالتے ہوئے جہاں ہم بے فکری کے ساتھ فروکش تھے اسٹریچی ہال میں وقت سے پہلے پہنچ گئے۔ یہاں یونین کی طرف سے ایک پینی ریڈنگ تھا۔

اس جلسہ کی صدارت پر فخر قوم آنریبل راجہ صاحب محمود آباد تھے جو یونیورسٹی کے معاملات کے متعلق بعض اور بزرگان قوم کی معیت میں علیگڈھ تشریف لائے ہوئے تھے پہلے اسکول کے چھوٹے طلبا نے انگریزی کی مختلف نظمیں پڑہیں۔ اور سکندر اعظم اور ڈاکو کا مکالمہ سُنایا اُس کے بعد ڈاکٹر اقبال کی غزل "مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا"، گائی گئی۔ اسکے بعد "سہاگن بیٹیوں" سے درخواست کی گئی کہ وہ بھی شرکت کریں۔ ہماری طرف سے مسٹر شوکت علی نے اپنے واقعات پُر اثر لہجہ

میں بیان کر کے ہمارے پیٹوں میں بل ڈال دیئے ۔ مسٹر شوکت علی ایم وائی ایس بی ہوئے تھے کہ مسٹر مسعود (ٹامی) اسٹیج پر آبراجے اور اپنے خداداد کرتبوں کی نمائش شروع کر دی ۔ جن لوگوں نے ٹامی کو دیکھا ہے وہ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ اُن کا پارٹ کیسا ہوا ہوگا ۔ سید غلام پنجتن (منا) اور مسٹر ضمیر الدین نے مسخروں کا پارٹ کیا اور منا کی اس غزل سے ہمیں کیا شاید حضرت غالب کی روح کو بھی قبر میں تڑپا دیا ہوگا ۔

ڈارون "صاحب" کی ہو جائے جو تھیوری اُلٹی — پھر تو ہونے لگیں انسان سے بندر پیدا

دل وحشی کی تڑپ مائدہ حسن ملیح — ناتوانی پئے تسخیر مکدر پیدا

تیرا انداز بلا کیش کمند کاکل — ہیچو نخچیر باجسام منادر پیدا

آں عزیز ہمارے ساتھ گذشتہ سال ایسوسی ایشن کا بہت کام کر چکے ہیں ۔ خدا کرے اگلے سال وہ ہم میں پھر آ ملیں ۔

دوسرے روز صبح کو ہم اور ہمارے چھوٹے بھائی معہ موجودہ وقت بزرگان ملت کے اسٹریچی ہال میں جمع ہوئے ۔ اس موقع پر بھی آنریبل راجہ صاحب محمود آباد زیب صدارت تھے ۔ قرآن کریم کی تلاوت کے بعد آنریبل مسٹر محمد رفیق نے سرسید کی زندگی اور اُن کے کاموں کا مختصر تذکرہ نہایت موزوں الفاظ میں فرمایا ۔ اسکے بعد آنریبل جسٹس سید شرف الدین نے اپنے بچپن میں سرسید کی ملاقات کا ذکر دلچسپی کے ساتھ کیا ۔ نواب محمد مزمل اللہ خاں بہادر کی تقریر کے بعد جلسہ ختم ہوا اور ہم سب سرسید کی قبر پر جہاں ایک طرف نواب محسن الملک بہادر اور دوسری طرف آنریبل سید محمود آرام کرتے ہیں ۔ دعا مغفرت کرنے کے لیے پہنچے ۔

یہاں سے فارغ ہونے کے بعد اولڈ بوائز میٹنگ میں ہمارے سب بھائی جمع ہوئے اور اپنے معاملات کو باحسن وجوہ طے کیا (ہمیں امید ہے کہ سکرٹری صاحب میٹنگوں کی رپورٹ جمع کر کے جلد روانہ فرما کر ممنون فرمائیں گے) اور کھانے کے بعد

تھوڑا وقت خوش گپیوں میں گزار کر پھر اولڈ بوائز میٹنگ میں شریک ہوئے۔ شام کو سرسید کورٹ میں جو کبھی پکی بارگ کے نام سے پکارا جاتا تھا گارڈن پارٹی کے لیے مہمانوں کا مجمع ہوا۔ یہ پارٹی منجانب اسٹاف وطلبا، حال ہمیں دی گئی تھی تصویر لینے کے بعد ہم سب مغرب کی نماز کے لیے نواب صاحب قبلہ کے ہمراہ مسجد گئے اور پھر وقت سے پہلے اسٹریچی ہال میں ڈنر سے پہلے جا پہونچے چشم بد دور صرف ہماری اور بزرگان قوم کی تعداد نصف سے زیادہ ہال کو گھیرے ہوئے تھی۔ ڈنر کے بعد حضور ملک معظم، کالج اور اولڈ بوائز کے جام تندرستی کے توسٹس پیے گئے۔ ولایت سے واپس آنے والے لوگوں میں مسٹر آزاد، مسٹر ظہور، ڈاکٹر ناظر الدین حسن اور مسٹر عبدالمجید خواجہ کا خاص طور پر نواب صاحب قبلہ نے ذکر کیا اور اس وقت کی تقریروں میں۔ مسٹر آزاد۔ ڈاکٹر حسن، مسٹر حسن امام، مسٹر نبی اللہ مسٹر محمد علی اور مسٹر ظہیر فاروقی کی تقریریں حسب موقع اور پر مغز تھیں۔ گیارہ بجے کے قریب ہم سب کھانے سے فارغ ہو کر اپنی قیام گاہ پر گئے جہاں جہل مرکب کا تیسرا جلسہ ہوا۔

تیسرے اور آخری روز کو اولڈ بوائز کی طرف سے مسٹر شفقت، مسٹر سلام الدین اور مسٹر سید حسن (بھوندو) کے اعزاز میں بریک فاسٹ دیا گیا۔ یہ تینوں حضرات ہمارے کالج کی طرف سے انڈیا ٹیم کے ہمراہ کرکٹ کھیلنے ولایت جارہے ہیں۔ اس موقع پر تمام اولڈ بوائز، بزرگان موجودہ، اور کرکٹ۔ فٹ بال وہاکی کی اول الیونوں کے کھیلنے والے شریک تھے۔ کالج کے اولین کپتان آنریبل مسٹر رفیق کی تقریر کے بعد مسٹر شوکت علی نے جانے والوں کو کالج کی عزت قائم رکھنے کا مشورہ دیا اور مسٹر احسان الحق نے جو ولایت میں مشہور کھلنڈرے رہ چکے ہیں، اپنے شاگردوں کو اپنا حق استادی جتا کر کھیل کے متعلق نصیحت کی۔ مسٹر احسان نے

ولایت میں خالص علیگڈھ ٹیم بناکر کھیلنے کی بھی ہدایت فرمائی ۔ اگر ایسا ہوا تو ہمارے برادران مسٹر سید محمود الحسن، سید علی رضا اور مسٹر حافظ محمد بخش کی موجودگی وہاں بہت کام دے گی۔

اس موقع پر جانے والوں کے علاوہ مسٹر وحید (کپتان) نے بھی تقریر کی۔ مسٹر قاری نے اپنی برجستہ نظم پڑھی۔ ہمارے نوجوانوں کو مسٹر ٹامی کی اس نصیحت سے سبق لینا چاہیے کہ ہر مسلمان پر نماز اور ارکان اسلام کی پابندی لازم ہی۔ ٹامی نے اس موقع پر اپنی الوداعی نظم بھی پڑھی تھی جو قید قوافی سے آزاد ہونے کے باوجود دلچسپی سے سُنی گئی۔

دوپہر کے جہل مرکب اور شام کی ہاکی میچ کے بعد جو "اولڈ بوائز" اور "پریزنٹ بوائز" کے درمیان برابر رہی ۔ ہمیں کالج کلب کی طرف سے ایک اور گارڈن پارٹی دی گئی جو لطف سے خالی نہ تھی۔ شب کو ڈائننگ ہال میں پیٹ بھر کر کھانا کھایا مگر افسوس ہم میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جو اگلے وقتوں کی سولہ ڈبل روٹیوں کے مقابلہ میں سولہ حبابی چپاتیاں کھا سکتا۔ اسکے بعد ہمارا پھر جہل مرکب کا آخری جلسہ ڈرائنگ روم میں ہوا اور ان جلسوں میں جیسا کچھ لطف آیا ہمارا ہی دل خوب جانتا ہی۔ اسے ہم اپنا ہی کرکے رکھیں گے۔ ہمارے بہت سے بھائی اپنے گھر بیٹھے رہے۔ یہ مانا کہ آپکو کام ہوگا اور ضروریات زمانہ نے مجبور کیا ہوگا ورنہ کالج کی محبت ایسی نہ تھی کہ آپ نہ آتے۔ ہم نے سب کام چھوڑے۔ بی بی بچوں کو طاعون کی چلتی ہوئی گولی میں خدا کے سپرد کیا اور راتوں رات علیگڈھ آ براجے۔ ایسی حالت میں ہمارا حق تھا کہ ہم ان جلسوں کا پورا لطف اُٹھاتے۔ ہاں! اُٹھائے اور خوب اُٹھائے۔ اسکا تذکرہ آپ ہم سے نہ پوچھیے اپنے کسی دوست سے دریافت کیجیے، اور قصد کریجیے کہ بشرط زندگی آیندہ سال ضرور آئیں گے۔ جہل مرکب کے جلسوں کے متعلق ہم مسٹر قاری، مسٹر غفار، مسٹر ٹامی

مسٹر خواجہ، مسٹر محمد علیؔ (دہلی والا) مسٹر رفیق، کنور صاحب بہاسو، مسٹر سلام اور مسٹر شفقت کی "سعی بلیغ" کے ممنون ہیں مگر امید کرتے ہیں کہ وہ اور قومی کاموں میں بھی اسی طرح حصہ لیتے رہیں گے۔ جیسا کہ اب تک لیتے رہے ہیں۔

سترہ تاریخ کے بعد شب کو راجہ صاحب محمود آباد نے "حامد رامپور ہال" کا افتتاح فرمایا۔ اس موقع پر آنریبل راجہ صاحب، آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نفضا نواب محمد فرمل اللہ خان بہادر کی تقریروں کے بعد مسٹر صدیق حسن، مسٹر نور محمد سندھی مسٹر حافظ محمد ابراہیم اور مسٹر سید محمد کامل حسینؔ (طلبا) کی تقریریں نہایت برجستہ رہیں اور افتتاح سے پہلے ایک بچے کی تلاوت کا سامعین کا خاص اثر پڑا۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

القول الاظہر۔ یہ کتاب علامہ ابن مسکویہ کی عربی کتاب الفوز الاصغر کا اُردو ترجمہ ہے۔ مولوی حکیم محمد محسن صاحب فاروقی پروفیسر عربی و فارسی کرسچین مشن کالج اندور نے نہایت دماغ سوزی سے ۴۴ صفحات پر ترجمہ کر کے اپنی اعلیٰ قابلیت کا ثبوت دیا ہے اور ڈیوٹی بک ڈپو نے اپنے علمی ذخیرہ میں اسے جگہ دے دی، فلسفہ و شریعت کو ایک جگہ رکھنے والے اس کتاب کو منگا کر لائق مترجم کی جانکاہیوں کی داد دیں۔ کتاب قبلہ و کعبہ مولوی شبلی صاحب کے نام نامی پر معنون کی گئی ہے قیمت غالباً ایک روپیہ ہے۔

ایم۔ اے۔ او۔ کالج اولڈ بوائز ایسوسی ایشن

مندرجہ بالا دلکش عنوان سے ماہ جنوری کے "اولڈ بوائے" میں بالآخرہ فیصلہ دستخطی مسٹر ممتاز حسین و مسٹر شیخ عبداللہ و مسٹر آفتاب احمد خاں و مسٹر عبدالسلام کا شائع ہوا جسکا کسی قدر بے چینی کے ساتھ انتظار تھا۔ اگرچہ کمیٹی منتخبہ کے اسمار گرامی کی فہرست دیکھ کر اُس کے فیصلہ کی قریب قریب صحیح پیشنگوئی کر لینا کوئی دشوار امر نہ تھا

رزولیوشن نمبر ۱ مندرجہ اجنڈا پیش کردہ مسٹر محمد علی کوئی نئی بات نہ تھی۔ اُس کی اطلاع پہلے ہی سے ہر اولڈ بوائے کو ہو چکی تھی اور ٹرسٹیان کے طریقہ انتخاب کی عام اور واجبی شکایت کو ایک عرصہ سے بذریعہ پریس کے روشنی ڈالی جا چکی تھی۔ یہ رزولیوشن باقاعدہ اجنڈا میں درج ہوا اور اُس پر ممبران اولڈ بوائز ایسوسی ایشن سے رائے طلب کی گئی۔ اور جہانتک مجھے علم ہے کثرت رائے مسٹر محمد علی کی طرف تھی

اسوقت غور طلب امر یہ ہے کہ کس وجہ سے اُن دور افتادگان کی رائے بیکار متصور ہوئی جو بیچارے کسی وجہ سے سالانہ جلسہ کی حاضری سے معذور رہے اور کیوں ایک منفصلہ رزولیوشن کو دوسرا جامہ پہنا کر "پکائی تھی کھیر ہو گیا دلیا" کا مصداق کہنا اس اہم مسئلہ کا جبکہ کل ضروری کارروائی مکمل ہو گئی تھی ایک سال کیلئے ملتوی کیا جانا کسقدر غیر معمولی تبدیلی ہے۔ کیا عجب ہے کہ وہ اسی طرح اب کے پھر نہ ملتوی کر دیا جائے اور مسلسل ملتوی ہوتا رہے۔

آوازِ خلق نقارۂ خدا کے کلیہ کو نذر انداز کر کے اگر گیارہ اشخاص کی رائے کو ایک ہزار رایوں پر فوقیت دی گئی تو وہ گیارہ ایسے اشخاص ہونے ضروری تھے کہ جنکو کل ممبران ایسوسی ایشن بطور اپنے نائب کے انتخاب کرتے نہ کہ صرف سو جن میں نصف سے

زیادہ مقامی اولڈ بوائز ہوں۔

اس قسم کی کمٹیاں قائم کر کے ایک "اپر ہاؤس" قائم کرنا ہمیشہ باعث دلشکنی ہوتا ہے بشرطیکہ کوئی راز یا کوئی نہایت پیچیدہ مسئلہ حل طلب نہ ہو۔ اور ایسی صورت میں بھی اُس "اپر ہاوس" کو باوقعت ہونے کے لیے اصلی نیابت کا درجہ حاصل ہونا لازمی ہے۔

لیکن مسٹر محمد علی کے سے صاف اور کھلے ہوئے رزولیوشن کے انفصال کے لیے کوئی ضرورت کسی "اپر ہاؤس" کی نہ تھی اور جو کمیٹی کہ سالانہ جلسہ کے وقت خلاف خواہش جملہ ممبران ایسوسی ایشن تجویز ہوگئی تو اسکے کسی ایک ممبر کی راے ایک غیر ممبر کمیٹی (ممبر اولڈ بوائز ایسوسی ایشن) کی راے سے کسی طرح ایک شمہ برابر بھی زیادہ قابل وقعت نہیں۔ صرف چھ رایوں کا جو یکم اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ع کے جلسہ میں رزولیوشن مذکور کے خلاف دی گئیں اُن ڈہائی سو یا تیں سو رایوں (زیادہ تر تحریری) سے تو جو اُس کے موافق سالانہ جلسہ کے موقع پر موصول ہو چکی تھیں کیا مقابلہ اور اُن پر کیوں ترجیح؟

یہی تکالیف ہیں جن سے سیکڑوں دور اُفتادگان آزردہ اور پیارے کالج سے دل برداشتہ ہو گئے ہیں اور جنکے سد راہ ہونے کے لیے اولڈ بوائز ریفارم لیگ قائم کرنے کی ضرورت ہوئی لیکن جبکہ ہمارے ہندو ہمسایہ شودروں کو برہمنوں سے بغلگیر کر رہے ہیں اور خود ہماری قوم بھی بیدار اور چوکنّی ہو چلی ہے وقت آگیا ہے کہ ہمارے مقامی ممبران اولڈ بوائز ایسوسی ایشن بھی "سگ حضور بہ از برادر دور" کے اصول پر لات مار کر اپنے دور اُفتادہ برادران کے لیے محبت کی آگ کو مشتعل کریں اور ان کی اُسیقدر وقعت اور اُن کی خواہشات کی اُسی قدر تعمیل کریں جسکے کہ وہ مستحق ہیں اور سیدھے معاملات میں اُن کی عدم موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر اوپیچیدہ کیا

ڈالکر اُن کو پریشان اور آزردہ نہ کریں جس سے ہماری اصلی قومی ترقی کی رفتار میں کمی آجانے کا احتمال ہے۔

اب مسٹر محمد علیؔ کے پیش کردہ رزولیوشن کی طرف بھی کسی قدر توجہ کی ضرورت ہے کچھ عرصہ سے بالخصوص علیگڈھ کے ناگوار واقعات کے بعد سے تعلیم یافتہ اور پرجوش مسلمان اس ضرورت کو محسوس کرنے لگے ہیں کہ کالج کے انتظام کی باگ لائق ترین اور کل قوم کے اصلی نائب ٹرسٹیاں کے ہاتھ میں دیجائے اور ٹرسٹیان کے انتخاب کے طریقہ میں معتدبہ اصلاح کی جائے۔ انکے انتخاب کنندگان کا دائرہ اتنا وسیع کیا جائے کہ ہر بچے بہی خواہ قوم کو اُس میں جگہ مل سکے اور ٹرسٹیان صرف اُسی وقت تک کالج کے سیاہ وسفید کے مالک رہیں جب تک کہ قوم کو اُن پر بھروسا اور اطمینان رہے نہ کہ اس سے ایک لمحہ زیادہ تک۔

علی گڈہ ایک شخص کی جائداد نہیں بلکہ کل مسلمانان ہندوستان کی مدد اور فیاضی کا نتیجہ ہی وہ اُن کا تعلیمی مرکز ہی اور اُسی پر کل قوم کی آیندہ ترقی کا دارومدار ہے۔ ایسی حالت میں قوم کے ہر فرد کو بذریعہ اپنے منتخبہ نائب کے اُس کے انتظام میں رائے زنی اور دخل کا حق ہی۔ اور اس حق کے حاصل کرنے کی کوشش کرنا جس سے ابتک وہ محروم ہیں بجا ہے۔

زمانہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا جس ضرورت سے کہ ہمارے یکتائے زمانہ سردار مرحوم سرسید نے اپنے سچے مددگاروں کو چُنا وہ سب پر روشن ہی۔ اُس وقت کالج کے انتظام کو جمہور کے ہاتھ میں دیدینا کالج کے دروازوں کو بند اور اسکو مسمار کرا دینا تھا جب کفر والحاد کے فتاویٰ کی بوچھار ہو رہی تھی وہی سترہ بزرگ اپنے رہنما کی ہمت افزائی اور دلدہی پر آمادہ رہے اور ٹرسٹی تجویز ہوئے اور وہ سب ہماری سچی عزت شکریہ اور تعریف کے مستحق ہیں۔

لیکن ایک تہائی صدی نے زمانہ کا رخ بدل کر جمہور کو کالج کا فریفتہ کر دیا ہے اور سیکڑوں نوجوانوں کو کالج کی خدمت پر کمربستہ اور اُن میں ایک عجیب جوش پیدا کر دیا ہی جسکو کہ ہز ہائنس آغاخان جیسے ہر دلعزیز لیڈر کی بے بہا کوشش اور روزافزوں قومی محبت نے اور بھی زیادہ مشتعل کر دیا ہی اور وہ پیارے کالج کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کے آرزومند ہیں - ایسی حالت میں اُس جوش اور محبت سے فائدہ نہ اُٹھانا نہ صرف اُنکے قابل قدر خواہشات اور ولولوں کا خون کرنا بلکہ قومی ترقی میں سدِ راہ ہونا ہی اور جس قدر جلد کہ مسٹر محمد علی کے رزولیوشن پر عملدرآمد کیا جاسے اُتنا ہی مفید اور مسرت بخش ہو -

سعید محمد خاں

ایڈیٹر

مجموعۂ دلپذیر - ہمارے بھائی مولوی ادریس احمد صاحب تحصیلدار مؤنٹہ ضلع جھانسی نے نہایت احتیاط سے کام لے کر میلاد مبارک کی روایتوں کو ایک جگہ جمع کر کے "اولڈ بوائز" کے مذہبی شغف کا ایک کافی ثبوت دیا ہی اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ کتب میلاد میں یہ سب سے اچھی کتاب ہی - ہمارے بھائی ضرور مولوی صاحب سے طلب فرمائیں -

---

اولڈ بوائز

ہمارے ہردل عزیز بھائی مولوی محمد عزیز مرزا صاحب نے مسلم یونیورسٹی کے متعلق ایک نہایت دلچسپ رسالہ لکھا ہی جو مسلم کلب لکھنؤ کی جانب سے شایع کیا گیا ہی۔ یہ رسالہ ایسا سریع الفہم ہی کہ معمولی سمجھ کا آدمی بھی اسے آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔ مسلم کلب سے درخواست کرنے پر شائقین اسے حاصل کر سکینگے۔ قیمت کچھ نہیں۔

اسی طرح ہمارے بھائی صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے کانفرنس کی جانب سے اسی موضوع پر جو رسالہ شائع کیا ہی۔ وہ بھی قابل دید ہے۔ یہ رسالہ کانفرنس سے مفت ملے گا۔

عزیزی سید اولاد حسین صاحب کی لڑکی کی پیدائش کی خبر ہم گزشتہ کسی رسالہ میں دے چکے ہیں، اب اُن کے احباب اس خبر کو افسوس کے ساتھ سنیں گے کہ بچّی نے پھپوند میں وفات پائی۔ بیچاری ماں کو زچگی کے زمانہ میں بہت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ہم اپنے بھائی کے اس غم میں شریک ہیں۔

مسٹر اظہر علی صاحب آزاد نے یونیورسٹی فنڈ کے لیے سو روپیے دیئے ہیں۔

خان بہادر سردار اشرف خاں صاحب اسسٹنٹ پولٹیکل افیسر کوہ سیاہ سے ڈیرہ دون آگئے ہیں۔ وہ ہمیں اطلاع دیتے ہیں کہ مسٹر سید سجاد حیدر صاحب سیر مصر و استنبول کے لیے جارہے ہیں اور تین مہینے میں واپس آئینگے۔ سردار صاحب رسالہ کے لیے مضامین لکھنے کا بھی وعدہ فرماتے ہیں۔

مولوی سید محمد ہاشم صاحب ڈپٹی کلکٹر کروی ضلع باندہ ہمارے پُرجوش بھائی

مسٹر شوکت علی صاحب کی خدمات یونیورسٹی سے متاثر ہو کر اپنے خط میں ہمیں ایک نثر مقفیٰ تحریر فرماتے ہیں جس کے چند فقرے یہ ہیں۔

محمڈن کالج کے ہونہار اور فرزندِ ممتاز شوکت
اولڈ بوائز کے باعث مباہات و مایۂ ناز شوکت
میدانِ اسلام کے دل چلے بہادر و جانباز شوکت
بانیانِ اسلامی یونیورسٹی کے ہمراز و دمساز شوکت
آفریں باد بریں ہمتِ مردانۂ تو

پولیس ٹریننگ اسکول مراد آباد سے ہمارے جو بھائی پاس ہوئے ہیں اُن کا تقرر مختلف مقامات پر ہوا ہے جسے ہم مبارکباد کے ساتھ یہاں درج کرتے ہیں۔

مسٹر نور اللہ گورکھپور میں، مسٹر بہاء الدین اوری میں، مسٹر عبد الماجد خاں آگرہ میں، خواجہ حمید اللہ خاں باندہ میں، مسٹر مسیح اللہ آگرہ میں، مسٹر عبد العلیم بدایوں میں، مسٹر عابد حسین خاں یوسف زئی ہمیرپور میں، مسٹر صغیر حسین جھانسی میں، مسٹر شفیع محمد خاں فیض آباد میں، اور مسٹر نعیم اللہ خاں بجنور میں، ہمیں امید ہے کہ ہمارے بھائی اپنے ابتدائی زمانے کو خصوصیت سے کامیابی اور تن دہی کے ساتھ گزار دیں گے۔

مسٹر محمد شفیع بی اے جنھوں نے عرصہ تک ہمارے کالج میں کئی ذمہ داری کی خدمات انجام دیں اب اپنی موجودہ خدمت انسپکٹری آبکاری کو بھی تن دہی کے ساتھ ادا کر رہے ہیں جو اُنکے احباب کے لیے موجب مسرت ہے۔

داؤد مرحوم کے پرانے دوست جانتے ہیں کہ اُنکے زمانے میں مرحوم کے پُر تاثیر اور ظرافت آمیز اشعار کالج کی زندگی کو کس قدر پُر لطف بناتے تھے۔ اپنی خوش طبعی اور شوخی کے حلقہ میں قابلِ احترام اُستادوں تک شریک کرنا

بورڈنگ ہاؤس کی زندگی کا پُر لطف جزو رہا ہی۔ اولڈ بوائز یہ سُن کر خوش ہونگے کہ ابھی تک لوگوں کے دلوں میں اُن کی یاد باقی ہی۔ ہمارے بھائی مسٹر حبیب اللہ خاں صاحب اور مسٹر حامد شبلی نے ہمیں وہ نظم روانہ کی ہی جس کے لیے ہم سے ہمارے عزیز بھائی "ناشاد" نے درخواست کی تھی۔ ہم اس نظم کو کسی اگلے رسالہ میں انشاء اللہ درج کریں گے۔

ڈاکٹر ضیاء الدین احمد کی ریاضی دانی پر نہ صرف علی گڈھ بلکہ تمام قوم کو فخر ہے ایک شوخ طبع طالب علم نے اُن کی اس قابلیت کا ان الفاظ میں اعتراف فرمایا ہی۔

دعویٰ بہت بڑا ہی ریاضی میں آپ کو طولِ شبِ فراق ذرا ناپ دیجیے

ایک اور صاحب اس طرح کہتے ہیں۔

اگرچہ لاغری میں تم میانِ اسپ تازی ہو ولیکن فیل بدستِ بیابان ریاضی ہو

اس سے بڑھکر اور کیا تعریف ہوگی۔

مسٹر سید محمد رضی صاحب سب رجسٹرار (متعلق بریلی) مسٹر شمشاد علی صاحب صدیقی تحصیلدار (سدھولی ضلع سیتاپور) مسٹر طفیل احمد صاحب اڈیشنل منصف (الہ آباد) مسٹر منیر عالم صاحب اڈیشنل منصف (بستی) مسٹر سعید اللہ خانصاحب ناظم (سوائی مجے پور) اور مسٹر سید نقی الحسن صاحب ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بلاسپور مقرر ہوئے ہیں۔ یہ تقرر نہ صرف برادران متذکرہ بالا کے لیے قابل مبارکباد ہے بلکہ ہم سب اپنی جماعت کے لیے ایک مبارک فال خیال کرتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ان لوگوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسے دنیا کا تجربہ نہ ہو اور نہ کوئی ایسا ہی جسے ہماری نصیحت درکار ہی۔ ہم ان تقرریوں سے بے حد خوش ہیں اور اپنے بھائیوں کو مبارکباد دیتے ہیں۔

مسٹر سعید اللہ صاحب کے برادر نسبتی نواب مقبول حسن خاں صاحب بھی

دیوان (علاقہ ریاست جے پور) مقرر ہوئے ہیں۔

مسٹر ظفر عمر صاحب نے حال ہی میں **مستقبل اسلام** نام سے پروفیسر ویمبری کی جس کتاب کا ترجمہ کیا ہے وہ عام طور پر مقبول ہو رہی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بھائی ضرور اسے ڈیوٹی بک ڈپو علیگڈھ سے منگا کر دیکھیں۔

ہمارے بھائی [illegible] مصباح العثمان صاحب ہمارے ایسوسی ایشن کی جانب سے کالج کے ٹرسٹی منتخب ہوئے ہیں۔ ہم انہیں مبارکباد کہنے سے پہلے یہ بتاتے ہیں کہ جس حصہ ملک میں اب وہ رہتے ہیں وہ ایسا ناقابل تسخیر ہے کہ وہاں علم کی روشنی نے اب تک اپنا پورا اثر نہیں کیا ہے۔ ایسی صورت میں انہیں قومی معاملات کے متعلق سخت کوشش کرنی ہوگی جسکا ہمیں ان سے یقین ہے۔ خدا ہمیں اور انہیں یہ قومی اعزاز مبارک کرے۔

مسلم یونیورسٹی

لاہور کے تفصیلی حالات ہمارے بھائی مسٹر احسان الحق صاحب نے لکھے ہیں جو کسی دوسری جگہ نظر آئیں گے لیکن ہم یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ زندہ دلان پنجاب نے حقیقتاً اپنی زندہ دلی کا ثبوت دیا۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ پنجاب پانچ لاکھ سے زیادہ دیگا۔

ہز ہائنس آغا خان بہادر نے آنریبل مسٹر قاضی بھائی، آنریبل مولوی رفیع الدین احمد قاضی کبیر الدین صاحب، مسٹر شوکت علی صاحب اور اور کئی ہمدرد بزرگوں کی معیت میں بمبئی کے کئی چکر لگائے اور چار لاکھ سے زیادہ کے وعدے حاصل کیے۔ مسٹر قاسم علی جیراج بھائی جنھوں نے ۰ ہزار کا وعدہ فرمایا تھا اب سوا لاکھ کا وعدہ کیا ہے۔

بمبئی کے کام کرنے والوں میں مولوی عبد اللہ احمد صاحب اور ڈاکٹر روشن علی صاحب کی ہمدردی کا ہمیں خود تجربہ ہے۔ بمبئی کا مفصل حال ہمارے نامہ نگار عنقریب لکھنے والے ہیں۔

سرکار عالیہ بھوپال ہی سب سے پہلی رئیسہ ہیں جنھوں نے یونیورسٹی کے متعلق ایک گراں قدر عطیہ کا وعدہ فرمایا تھا۔ اب ہمارے ناظرین یہ سُنکر خوش ہونگے کہ علیا حضرت کا ایک لاکھ روپیہ اس فنڈ کے سکرٹری صاحب کو وصول ہوگیا ہی۔

صاحبزادہ حاجی محمد حمید اللہ خاں بہادر نے جو ہمارے "ینگ پرنس آف بھوپال" ہیں یونیورسٹی فنڈ میں سات ہزار روپیہ عطا [illegible] حال ہی میں اسسٹنٹ اڈیٹر کے نام موصوف کا جو خط آیا ہی اُس سے معلوم ہوتا ہی کہ آپ اپنی والدہ محترمہ کے ہمراہ سیر یورپ کو تشریف لے گئے ہیں اور جشن تاج پوشی (لندن) میں شریک ہونگے۔

یونیورسٹی اسکیم کے متعلق ابتدائی معاملات علیگڈھ کی ایک میٹنگ میں طے ہوگئے ہیں اور جہانتک ہمیں علم ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تمام باتیں قابل اطمینان ہوئیں۔

حضور نواب صاحب بہادر والی رامپور اور اعلیٰ حضرت نظام عالی مقام کے درمیان یونیورسٹی کے متعلق جو رسل و رسائل ہوا اُس سے اندازہ ہوتا ہی کہ حیدرآباد سے بیش قرار رقم وصول ہوگی۔ گو ہم دیر آید درست آید کے قائل ہیں لیکن ہماری آنکھیں مادر کالج کے سب سے بڑے مربی، ہندوستان کے سب سے بڑے والی ملک اور زبان اُردو کے مشہور سخنگو کے شاہانہ عطیہ کی جانب لگی ہوئی ہیں۔

حضور نواب صاحب بہادر رامپور مئی میں ولایت تشریف لیے جارہے ہیں۔

اولڈ بوائے

کچھ اپنی نسبت

اِس نمبر کے ساتھ رسالہ کا پہلا سال ختم ہوا، اور یہ بات ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے لیے نہایت مسرت بخش ہے۔ رسالہ نے کیا کیا اور ترتیب کے لحاظ سے اِس کی حالت کیا رہی؟ اِسکا اندازہ پچھلے نمبروں سے ہمارے ناظرین بخوبی کر سکتے ہیں۔ البتہ ہم شرمندہ ہیں کہ وقت کی پابندی کو نہ نباہ سکے، اور یہ شکایت ملک کے تمام رسالوں کے لیے عام ہے۔ لیکن ہماری مجبوری اپنا پریس نہونے کے باعث تھی اور اب بھی پریس ہمارا نہیں۔

باوجود اِس کے ہمارے "پیامِ اُمید" کی جانب پہلے ہی مرتبہ قدر دانوں کی نگاہیں اُٹھیں، اور ہماری برادری نے جس محبت بھری آنکھ سے رسالہ کو دیکھا اُس کا کیف کوئی ہمارے دل سے پُوچھے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ جوش اب تک ہمارے ناظرین کے دِلوں میں عموماً اور ہمارے بھائیوں کے دلوں میں خصوصاً باقی ہے، اور ہماری دُعا ہے کہ خدا اس میں اور ترقی دے۔ تجربہ شاہد ہے کہ ملک میں بہت سے رسالے اور متعدد اخبار نکلے مگر ناقدری کی ہوائے تند نے اُنھیں چند قدم سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ لیکن مالکانِ رسالہ نے کچھ ایسی نیک ساعت میں اپنے اس ہر دل عزیز پرچہ کی بنیاد ڈالی

کہ رسالہ کو ہر طرح کامیابی ہی نظر آئی

اور سب سے بڑی کامیابی ہمارے لیے یہ ہے کہ "اودھ بوائے" نے اپنا خرچ خود ہی نکالا۔ ابتدا میں جب روپیوں کی جھنکار سے ہمیں کچھ اور نہ سُنائی دیتا تھا تو ہمارا خیال تھا کہ ہم اپنے حسابی سال کے ختم ہونے تک کم از کم ایک ہزار قدردان بہم پہونچا لینگے لیکن قدرت نے ابھی ہمیں چند روز کے لیے اور منتظر بنا دیا ہے۔ مگر ہم خداوند کریم سے یہ اُمید ضرور رکھتے ہیں کہ اپنے بھائیوں کی مدد سے رسالے کی مالی حالت جلد سے جلد اطمینان بخش دیکھ سکیں گے۔

ہم اپنے بھائیوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رسالے کی ترقی کی رفتار کے ساتھ ساتھ ہمارے پیش نظر اُسکا سُگھڑاپا بھی ہے، لیکن بغیر خداوند کریم کے فضل اور اپنے بھائیوں کی مدد کے بہت سی باتیں ایسی ہیں جنھیں تنہا کس طرح ادا کر سکتے ہیں۔ سب سے پہلے پریس کا انتظام ہے اچھی تصاویر کی افزایش اور اُس کے بعد حجم میں زیادتی۔ بانیانِ رسالہ کو اِن سب باتوں کا خیال ہے، لیکن ہر کام کے لیے ایک وقت ہوتا ہے، جو خدا کے فضل سے ہم سے دُور نہیں۔

ہمارے بھائیوں میں سے بعض کا خیال ہے کہ مسٹر شوکت علی صاحب مسلم یونیورسٹی کے لیے غریب الوطن ہیں۔ ہمیں اپنی روٹیوں سے فرصت نہیں اور صرف عزیزی سید منظور علی صاحب کے سر سارا بوجھ پڑا ہوا ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ مسٹر شوکت علی کے یہاں نہ ہونے سے رسالہ کی بہت سی ترقیاں رُکی ہوئی ہیں۔ اور بانیانِ رسالہ میں سب سے زیادہ دلچسپی انھیں کو ہے مگر یہ غلط ہے کہ ہمیں اپنے پیارے "پیام اتحاد" سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ہمیں خداوند کریم نے جو کچھ دے رکھا ہے، وہ ہماری قانع طبیعت کے لئے بہت ہے۔ البتہ ہم اپنے ناظرین کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ پچھلے دنوں ہمارا بہت سا وقت یونیورسٹی کے کام

کے لیے مفصلات میں صرف ہوا - اور اب بھی ہم اسی دھن میں ہیں - ہمارے براد
عزیز سید منظر علی صاحب نے رسالہ پر محنت کی ہے - اور وہ ضرور ہم سب کے شکریہ
کے مستحق ہیں -

آخر میں ہم اپنے قلمی معاونین کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں اور اُن سے
درخواست کرتے ہیں کہ اپنی برادری کی شان قائم رکھنے کے لیے بہتر سے بہتر مضامین
عنایت فرمائیں - کالج کی زندگی کا روشن پہلو نمایاں کرنا اور مُلک کو مادرِ کالج
کے بہترین نتائج سے خبر دینا ہمارا نہایت خوش گوار فرض ہے، اور اسی کی ہم اپنے
لکھنے والوں سے درخواست کرتے ہیں - لطائف و ظرائف اُسی حد تک اچھے
ہیں کہ بدمزگی پیدا نہ ہو -

ہم اپنے اُن بھائیوں کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے ہماری مالی معاونت
کی ہے اور بہت بہت سے خریدار دیے ہیں - لیکن کیا اُنھیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے
کہ اُن کا رسالہ ترقی نہ کرے اور اُسکی اشاعت ایک ہزار کے اندر ہی رہے ؟

مینیجر صاحب کا یہ کہنا کہ ہمارے خریدار قدرتی طور پر بونا فائڈ ہیں، ہمیں
بالکل درست معلوم ہوتا ہے، اور ہم اُن کی جانب سے اطلاع دیتے ہیں کہ آئندہ
رسالہ ہمارے ناظرین کو وی پی پہونچے گا -

آڈیٹر

ہم نہایت افسوس کیساتھ لکھتے ہیں کہ ہمارے عزیز بھائی مسٹر عبدالرحمٰن صاحب سندھی کی
والدہ ماجدہ نے وطن سے بہت دُور کلکتہ میں اپنے خویش مسٹر کمال الدین صاحب کے مکان پر
انتقال فرمایا - مرحومہ نہایت باخدا بی بی تھیں - ہم اپنے دونوں بھائیوں سے دلی
ہمدردی کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خداوند کریم مرحومہ کو باغ جنت میں جگہ دے -

سوہن لال

"سرکار! آج آپ کا تو کوئی خط نہیں" - طالب علم نے ایک ٹھنڈی سانس لی، اور چپ ہو رہا۔ کانوں میں اب تک "سوہن لال" کے بڑے بڑے جوتوں کے چلنے کی آواز آ رہی ہے - جوں جوں وہ دور نکل کر جا رہا ہے، طالب علم کو یقین ہو رہا ہے کہ آج واقعی گھر سے کوئی خط نہیں آیا ورنہ ضرور ملجاتا۔ پکی بارگ کا ایک کمرہ ہے جس میں ہمارا طالب علم اسوقت بیٹھا ہوا انتظار میں تھا کہ کب سوہن لال آئے، اور کب اُس سے ڈاک کے لیے پوچھے۔ یہی سماں کچی بارگ کے ایک کمرے میں بھی بندھا ہوا ہے، پانچ طلبا وہاں بیٹھے ہوئے انتظار کر رہے ہیں، کسی کو اپنے اعزہ کی عافیت معلوم کرنا ہے، کوئی اپنے احباب وطن کے خیال میں ہے، اور ایک دو ایسے بھی ہیں جنھیں اپنے اُس دوست کی یاد ہے جو اُن کا ہم جماعت یا "بارگ فیلو" ہے، اور یکایک کسی وجہ سے چھٹی لے کر گھر چلا گیا ہے۔ بعض اس فکر میں ہیں کہ گھر سے روپیہ آ تو مٹھائی والے کا حساب چکتا کریں۔ ایک ایسے بھی ہیں کہ آگرہ جانے کے لیے روپیہ کا انتظار کر رہے ہیں۔ کسی بارگ میں کوئی سوہن لال کے نعل دار جوتوں کی آواز سُن رہا ہے اور کمرے کی دونوں دیواروں کا فصل ناپتا جاتا ہے۔ کسی کی زندگی اسی اُمید پر ہے کہ آج تو "سوہن لال" ضرور ہی خط لے آئے گا اور شاید منی آڈر بھی آجائے۔ کیوں کہ آج مہینہ کی پانچویں تاریخ ہے۔ غرض جہاں دیکھو سوہن لال کا انتظار ہے۔ پکی بارگ میں جس کا میں ذکر کر رہا ہوں، چند حضرات ایسے بھی ہیں جنھیں بچے کی عافیت کی دھن سوار ہے اور حلقۂ احباب میں یہی کہہ کر اُڑایا جا رہا ہے آٹھ روز سے بچے کی کوئی خبر معلوم نہیں ہوئی اور گو بظاہر ذکر بچے کا ہی مگر دل میں کچھ اور ہی ماجرا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ذکر بچہ کا اور فکر بچہ کی ماں کی۔ سچی محبت بھی

شے ہے۔ ایک ہمارے دوست شفقت صاحب ہیں کہ انھیں فقرہ بازی سے
ہی فرصت نہیں۔ لیکن ادھر انھوں نے فقرہ کہا اور ادھر دوسرے صاحب
جھینپ کر احباب کے قہقہے میں شریک ہوگئے۔ ہاں تو کوئی درد بھرے دل سے
سوہن لال کی خیر منا رہا ہے، اور کوئی منتظر نگاہوں سے اُسکے جلوہ کا مشتاق۔
کان اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ ہر آواز اپنا پیام دماغی تاروں سے عقلی ڈاکخانہ
تک پہونچا کر دلی مکتوب الیہ کے پاس روانہ کر دیتی ہے۔ غرض ہمارا طالب علم
سارے وقت اسی خیال میں رہتا ہے کہ یہ آواز کہاں سے آئی۔ کیونکر آئی، اور
کیا ہے؟ مگر نہیں نہیں۔ بھلا "سوہن لال" کے قدموں کی آواز بھی کہیں چھپ سکتی ہے۔
کی بارگ کے تین نمبر کے کمرے تک (اب مجھے معلوم نہیں کہ اس کمرے میں کوئی رہتا
ہے کہ نہیں مگر میرے زمانہ میں وہاں "ایک ہندوستانی نما پنجابی" رہتے تھے) نہ
پہونچنے پایا اور بائیس نمبر کے کمرے میں میں نے کئی مرتبہ سوہن لال کے نعلوں کی
آواز بخوبی سن لی۔ گویا وہ اپنے چرمی رہوار پر تشریف لئے آرہے ہیں۔

آج جمعہ کا روز ہے، بارہ بج چکے ہیں، دھوپ شدت سے پڑ رہی ہے
اور ہر ایک نہا دھو کر مسجد جانے کے لئے اپنے کمرے کے دروازہ پر کھڑا ہوا ہے۔
کچھ اور نہیں۔ صرف اسی اُمید میں کہ آج تو سوہن لال ہمیں کھنا کھن روپے گن دے
اور نماز کے ساتھ ہی ساتھ ہم دو رکعت شکرانہ بھی گھر سے روپیہ آنے کا ادا کرلیں
اتنے میں بڑے کمرے سے آواز آئی کہ ہاں بھئی ہاں آج تو مٹھائی ضرور آئے گی۔
اور دو چار طلبا ر پانچ نمبر کے کمرے کی طرف لپکے، جہاں سے چاندی کی چڑیا کے
چہچہانے کی مرغوب آواز کانوں میں پہونچی تھی۔ کسی کے مُنہ میں پانی آگیا اور کسی کے
دل میں رشک پیدا ہوگیا، اور کسی کو اس خیال نے اور زیادہ تکلیف دی کہ آج اس
کی باری نہیں۔ ایک دن میں کئی طالبعلموں کا روپیہ آیا، اور کوئی پانچ جگہ تو ہم بھی اپنے

کانوں سے اِس سمیتن کی خوش گلو آواز سُننا کیے۔ ہائے! یہ زمانہ بھی کیسا پُر لطف ہوتا ہے کہ بیچارے طالب علم کی ایک ننھی مُنی جان پر سو طرح کی مصیبتیں (مگر خوشگوار مصیبتیں) ایک طرف گھرے ہوئے۔ وپیہ آنے کی فکر، دوسری جانب پروفیسر صاحب کی شکایتوں کا ملال۔ تیسری سمت جماعت میں کئی درجہ ترقی کرنے کا خیال۔ اور سب سے بڑی دُھن امتحان میں کامیاب ہونے اور اچھے نمبر لانے کی۔ مگر اس کے ساتھ ہی کرکٹ میں ترقی کا "سیکنڈ الیون" تک محدود ہونے کا رنج۔ اُسپر حلوے والے کے تقاضے کی پریشانی۔ غرض کوئی ایک بات ہو کہ بیان کی جائے ایک فکرِ معاش نہیں، باقی زندگی کے تمام عارضے جیسے خدا کے فضل سے موجود ہیں صاحبزادے بیٹھے پڑھ رہے ہیں مگر اُنھیں کیا خیال کہ والدین کو اُن کی تندرستی، اُن کی کامیابی، اور اُن کی اخلاقی ترقی کی کسقدر فکر ہے۔

ہم نے دیکھا کہ سوہن لال نے پندرہ نمبر کے کمرے میں دو خط ایک صاحب کو دیے، وہ اندر کے کمرے میں چارپائی پر جا کر لیٹ گئے، پھر خطوں کو جیب سے نکالا اور اُن میں سے ایک کو اُلٹ پلٹ کر سوہن لال کو خوب سی دُعائیں دیں۔ خط کھولا، پڑھا پھر پڑھا۔ اُٹھے اور ٹھنڈا پانی پی کر پھر لیٹ گئے۔ خدا جانے یہ صاحب کون تھے۔ اور خط کس کا تھا۔ اور لوگ شاید جانتے ہوں۔

اب ہم دیکھتے ہیں "سوہن لال" ایک کمرے کے سامنے دنادن چار آوازیں کس کے یہ کہہ گیا:۔ "عبدالرحمٰن صاحب! آپ کا کوئی خط نہیں ہے، نہ آپ کا سرکار سیف الدین صاحب۔ آپ کے تین خط ہیں کپتان صاحب۔ میں کمرے میں احمد صاحب کے پاس دے چکا ہوں۔ رشید محمد خاں صاحب! آپ کا بھی کوئی خط نہیں" ہم حیران ہیں کہ یہ آوازیں کس کے جواب میں اُس نے لگائیں۔ وہ جس کمرے کے سامنے تھا وہاں کوئی نظر بھی نہیں آتا۔ آخر لپکے اور کمرے میں پہونچے۔ دیکھا

چاروں صاحب وہاں موجود ہیں۔ دروازے پر چق پڑی ہوئی ہے۔ باہر سے اندر کا کچھ نظر نہیں آتا۔ کہ پھر بھی وہ اُنھیں ناموں کو بخوبی لے گیا۔ ایسی حالت میں صرف ایک صورت نظر آتی ہے اور وہ یہ کہ اندر سے اِن سب نے آواز دی ہوگی اور اُن کے جواب میں وہ یہ کہہ گیا۔ کس بلا کا دماغ ہوگا کہ اس قدر آواز شناس ہو۔ مجال ہے کہ کسی آواز کے پہچاننے میں "سوہن لال" غلطی کر جائے۔ اگر تہ خانے میں سے بھی کوئی آواز دیتا تو مجھے یقین ہے کہ وہ نام بتا دیتا۔

راستے سے آتے ہوئے "سوہن لال" نے ہم سے آہستہ سے یہ کہہ دیا کہ "سرکار! میں کمرہ میں آپکا انتظار کرونگا، جلد آئیے گا۔ میں اب تک ڈنٹن کورٹ میں نہیں گیا ہوں"۔ ہماری باچھیں کھل گئیں۔ فوراً احباب سے اِدھر اُدھر کی گپ شپ کر کے کمرے پر پہونچے، "سوہن لال" سے کچھ راز و نیاز کی باتیں ہوئیں، اور اُس نے کھنا کھن روپے گن دیئے۔ ہم نے دستخط کیے، وہ چل دیے۔ اب کیا ہے، ہم ہیں اور حلوائی کی دُکان۔ مگر کمبخت دوستوں سے بھی کوئی نجات دلائے، کہ ہم تو پاؤ سیر ہی کھائیں اور وہ پانچ سیر اُڑا جائیں۔ تھوڑی دیر تک بھی اس کی آواز برابر کے کمرے سے آرہی تھی۔ پانچ منٹ کے بعد وہ کہاں سے کہاں پہونچ گیا، غرض کس پھرتی سے وہ چھ سات سو طالبعلموں اور تمام اسٹاف کے خطوں کو تقسیم کر دیا کرتا ہے۔ کس خوبی سے اُنھیں چھانٹ کر اکٹھا کر لیا کرتا ہے کہ جہاں اُس نے بنڈل پر ہاتھ ڈالا وہیں آپ نے خط پایا۔ اور یہ نہیں کہ بنڈل میں دس پانچ خط ہوں۔ نہیں بلکہ سینکڑوں۔ اور لطف یہ ہو کہ راستے سے گذرتے ہوئے وہ خطوں کو تقسیم کرتا چلا جاتا ہے۔ جو طالب علم جہاں ملگیا وہاں اُسے خط دیدیا اور فوراً دماغی رجسٹر میں نوٹ کر لیا۔ یہاں کچی بارک کے کمروں کو اب تک ختم نہیں کیا اور وہاں سید ظہیر الحسن صاحب رضوی کی آواز نئی بارک سے کانوں میں پہونچی۔ مگر اِن سرکار کو سوہن لال نے محروم ہی رکھا

اُنھوں نے ایک آہ کی اور غالب کے دیوان کا مطالعہ کرنے لگے۔ اِتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ہمارے کمرے پر شور و غل کے ساتھ ایک گروہ نے دھاوا بول دیا اور مٹھائی کے لئے ہماری اجازت بغیر "ہمارے آقائے نامدار" کو سر رکابی کے روانہ کردیا کمبخت نوکر بھی کس بلا کے ہوتے ہیں!؟۔

اِس مرتبہ انگلستان سے واپس آنے پر میں نے سوہن لال کے انتقال کی افسوسناک خبر اپنے ایک دوست کی زبانی ڈنر کے زمانے میں سُنی، کالج میں جہاں سینکڑوں نئی نئی چیزیں نظر آئیں وہاں کی بارگ میں یہ بھی دیکھا کہ ایک ڈاکئی نہ "ڈٹا ہوا ہے"۔ چونکہ مجھے کالج چھوڑے ہوئے بہت زیادہ عرصہ نہیں ہوا اِس وجہ سے اپنے زمانے کے کئی طالب علموں کو مسرور نگاہوں سے دیکھا اور اُن سے یہ معلوم ہوا کہ اب سوہن لال کی جگہ پر کم و بیش چار آدمی کام کرتے ہیں اور پھر بھی وہ بات نہیں۔ بھلا کیوں کر ہو سکتی ہے۔ اِس شخص کے لیے کالج اس کا گھر تھا، وہ کالج کے خیر خواہوں میں سے تھا۔ کالج کی جو محبت اُس کے دل میں تھی اُسکا اظہار اُس نے ہر ایک سے کیا ہوگا۔ مجھے اس کی زندگی کے حالات اپنے زمانہ سے قبل کے نہیں معلوم۔ اِسلئے مجبور ہوں کہ جس قدر میرا جی چاہتا ہے اُس کی وفاداری اور کالج کی خدمتگزاری کو بیان نہیں کرسکتا۔ مگر مجھے یقین ہے کہ مختصر طور پر میرے اور بھائی اس کے کچھ نہ کچھ حالات ضرور تحریر فرمائیں گے۔ اور اڈیٹر صاحب! میری آپ سے یہ درخواست ہے کہ آپ ایک حکم ایسا نافذ فرمادیں کہ جن لوگوں کو اِس درد انگیز داستان سے دلچسپی ہو وہ سوہن لال کے حالات، جو کالج کی زندگی کا ایک جزو تھا اور جس کے نعل دار جوتوں سے کالج کی چہار دیواری گونج اُٹھتی تھی ضرور لکھیں۔

جہاں تک مجھے علم ہے اس متوفّٰی نے بیوی اور چند بچے چھوڑے ہیں، لہٰذا

میں اس بات کی تحریک کرتا ہوں کہ اگر انھیں کسی قسم کی مالی امداد کی ضرورت ہو
تو ہم اس کی خدمات کے صلے میں ایک معقول رقم کی پرس (PURSE) اس کی
بیوی کے نذر کریں۔ یا کالج میں دوامی طور پر متوفی کی یادگار قائم رکھنے کے لئے
کوئی اور تجویز سوچیں۔ میں اس چندے کی ابتدا حتی الوسع میں روپے کی قلیل رقم
سے کرتا ہوں۔ اور اڈیٹر صاحب! آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ خط و کتابت
کے ذریعے سے اس معاملہ کو دل سے انجام دیں گے۔

راقم۔ آزاد۔ از بمبئی۔

(ہمارے بھائی مسٹر محی الدین آزاد کی اس معقول تحریک کو یقین ہے کہ
اور بھائی بھی پسند کریں گے۔ کیا اچھا ہو کہ سوہن لال کا کوئی بچہ بڑا ہو کر ہمارے
ڈاکخانہ میں ملازم ہو جائے (اولڈ بوائے)

عام طور پر یہ بات نہایت مسرت کیساتھ سُنی جائیگی کہ مشرقی بنگال
میں "اولڈ بوائے" اور "پریزیڈنٹ بوائز" سرگرمی کیساتھ یونیورسٹی
کے کام میں مصروف ہیں۔ پراونشل جائنٹ سکرٹری ہمارے
بھائی مسٹر سلامت اللہ صاحب اور مسٹر تصدق احمد صاحب ہیں
اور ہمارے بھائیوں میں مسٹر عبد الحکیم، مسٹر مصباح الدین چودھری،
مسٹر محمود میمن سنگھ میں مدد دیتے ہیں۔ مسٹر الطاف چودھری بوگرہ
میں کوشاں ہیں۔

کلکتہ میں بھی یونیورسٹی کا کام نہایت زور سے چل رہا ہے اور ہمارے
بھائی مسٹر غلام مولیٰ صاحب اور مسٹر بشیر مرزا صاحب بڑی سرگرمی
سے اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں۔

فریاد

ماہ مئی کے اولڈ بوائے میں ایک مضمون میری نظر سے گزرا جس کی سرخی "فریاد" ہے، اور جس میں ایک اسکول کے طالب علم نے کالج کے منتظمین کی شکایت میں قلم اُٹھایا ہے۔ شکایت کی شرح حسبِ ذیل ہے: —

(۱) اسکول کے طلباء کو ڈاکٹر اقبال کے لکچر میں (جو اُنھوں نے اسلام پر دیا تھا) شرکت کی ممانعت۔

(۲) شہر اور اسٹیشن جانے کے واسطے پاس کی ضرورت۔

(۳) اسکول کے لڑکوں کو کالج بورڈنگ میں جانیکی سختیاں۔

نمبر (۱) یہ بات قابلِ تسلیم ہے کہ کالج کے افسروں کو نہ صرف کالج کے طلباء کی مذہبی بہبودی مدِنظر رکھنا واجب ہے بلکہ اسکول کے بچوں کی مذہبی اور اخلاقی نگاہداشت اُن کا اوّل فرض ہونا چاہیئے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی اُنھیں دیکھنا ضروری ہے کہ وہ کونسا طریقہ ہے جس سے یہ نگاہداشت اچھی طرح عمل میں آسکتی ہے اور اس طریقِ عمل کے انتخاب کرنے میں اُن کو یہ خیال رکھنا بھی ضرور ہوگا کہ جو کوئی طریقہ بھی اختیار کیا جائے، وہ اسکول کے بچوں کی عمر اور سمجھ کے موافق اور مناسب ہو بیشک لکچر اور وعظ ایک ایسا طریقہ ہے جس سے سامعین خواہ وہ بڑے ہوں خواہ بچے، پورے طور سے متاثر ہو سکتے ہیں بشرطیکہ لکچر اُن کی سمجھ کے موافق ہو۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ لکچر جو ڈاکٹر صاحب موصوف نے کالج میں دیا تھا ایسا تھا کہ جس کو اسکول کے لڑکے سمجھ سکتے تھے؟ اگر تھا تو بیشک لڑکوں کی شرکت میں کوئی نقصان نہ تھا اور اگر نہ تھا تو بجائے فائدے کے قطعی نقصان ہوتا کیونکہ اس سے زیادہ خطرناک کیفیت تحصیل علم کے واسطے نہیں ہو سکتی ہے۔ لکچرار یا واعظ تو مضمون کی تہ میں بیٹھا ہوا ور سامعین

اوپر غوطے لگارہے ہوں۔

نمبر(۲) اسپرٹ یا وبحث کی ضرورت نہیں ہے۔ اسکول یا کالج کے لڑکوں کا شہر میں آزادی کیساتھ بلا روک ٹوک جانا اصولاً ایک نامناسب امر ہے اور اس سے بہت سے اخلاقی نقصان واقع ہونیکا اندیشہ ہے۔ شہر ہو خواہ اسٹیشن، یا اور کوئی مقام اس میں ہر قسم کے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان میں برے بھی ہوتے ہیں، اور بھلے بھی۔ طالب علم اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے بدکار لوگوں کے پھندے میں آسانی کے ساتھ پھنس سکتے ہیں۔ لہذا اُن کا سوشل سیگریگیشن، شہر کی اخلاقی وبا سے بچانیکے واسطے ایک ضروری عملی کارروائی ہے۔ علاج سے بہتر مرض سے محفوظ رہنا ایک مسلم مقولہ ہے۔

نمبر(۳) جہاں تک مجھے علم ہے اسکول کے طلبار کو کالج کے طلبار سے جدا کرنا ایک جدید کارروائی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو طلبار نرالی ہوا کھائے ہوئے ہیں اُن کے واسطے یہ قید روک ٹوک بہت ہی تکلیف دہ ہوگی۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکول اور کالج کے درمیان یہ کوئی نئی تفریق اور امتیاز نہیں ہے۔ اسکول اور کالج کے لڑکوں کو ایک دوسرے سے ملا یا جائے۔ تو نمایاں فرق معلوم ہوگا۔ اِس فرق کی وجہ یہ ہے کہ انسانی ذہن درجہ بدرجہ ترقی کرتا ہے اور اسکے بتدریج ترقی کے واسطے ضروری ہے کہ نصاب تعلیم میں بھی تدریج ہو۔ جو صورت انسانی ذہن کی ہے وہی صورت انسانی کانشنس (ضمیر) کی ہے برے بھلے کی تمیز کی قدرت بھی انسان کو رفتہ رفتہ حاصل ہوتی ہے۔ چوں کہ چھوٹے بچوں کا نیچر اور اُن کی دُنیا نرالی ہوتی ہے، اُن کو بڑے لڑکوں میں بھاگی ڈال دینا اُن کو ہاتھیوں سے گنے کھلانا ہے۔ چھوٹے بچوں میں تقلید کا مادہ بے حد ہوتا ہے اور بڑے لڑکوں کا قول اور فعل اُن کے لیے "وحی"

ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اُن کے کچے اور نرم طبائع کو بڑے لڑکوں کے نسبتاً آزاد قول اور فعل کا قطعی شکار کرنا ہے۔ لہذا بہ تدریج تربیت بچوں کے واسطے لازم ہے کہ جتنا کھائیں ہضم کرلیں، اور جو سکھا جائے ذہن نشین کرلیں۔ اس سلسلے اور اخلاقی تربیت کے واسطے ان کو کالج کے طلبا سے، جو اُن سے عمر میں کہیں بڑے ہوتے ہیں علیحدگی ایک مناسب کارروائی ہے۔ اور اس میں کوئی موقع شکایت کا نہیں ہونا چاہیئے۔

کالج اسپرٹ۔ فریاد میں کالج اسپرٹ کا ذکر ہے اور یہ دکھلایا گیا ہے کہ کوئی بالا کارروائیوں سے اسپرٹ کے معدوم ہونیکا اندیشہ ہے۔ مگر ہمکو یہ بات نہ بھولنی چاہئے کہ "علیگڈہ بورڈنگ سسٹم" انگریزی یونیورسٹی کے نمونہ پر بنایا گیا ہے۔ ولایت میں اُصولاً اسکول کالج سے علیحدہ رکھے جاتے ہیں مگر باوجود اس علیحدگی کے "یونیورسٹی اسپرٹ" میں کوئی نقصان واقع نہیں ہوتا۔ اسکو تو محض ایک انتظامی تقسیم اور تفرق سمجھنا چاہیئے، اور اس پر زیادہ واویلا کرنا "بنگال پارٹیشن" کے جد وجہد سے اشابہ ہوگا۔ اسکول کو تو خوش ہونا چاہیئے کہ اسکا نان نفقہ الگ ہوگیا اب اسکو اسلامی دُنیا میں اپنا نام خود پیدا کرنا ہوگا۔ خدا کرے جلد وہ زمانہ آئے کہ "علیگڈہ اسکول" بذاتہٖ ایک قابل تحسین وتعریف انسٹیٹیوشن بنجائے۔ اور مثل "ایٹن" اور "ہیرو" کے تمام دنیا میں اسکا نام چمکے۔ گر ایسے کام کیلیے صرف اسکول کو اپنی "اسپرٹ" ایک علیحدہ پیمانہ پر بنانا ہوگی جسکا کالج اسپرٹ سے کوئی سروکار نہوگا اور جو "علیگڈہ اسکول اسپرٹ" کے نام سے ملقب ہوگی۔ آمین۔

عبدالواحد خاں۔ از اجمیر

(ہمارے عزیز دوست صاحبزادہ عبدالواحد خانصاحب ریکو مجسٹریٹ نے "فریاد" کا کیا خوب فیصلہ کیا ہے۔ ہم بھی اس سے متفق ہیں اور امید کرتے ہیں کہ دیگر مضامین پر آئندہ بھی اپنی رائے دیتے رہیں گے۔ (اولڈ بوائے)

کباب اور "اولڈ بوائے"

کم از کم چھ ماہ سے شوکت کی تاکید ہو کہ "اولڈ بوائے" کے لئے کچھ لکھا جائے ہر چند عذر کیا کہ میں نہ "ینگ بوائے" نہ "اولڈ بوائے" - پھر خواہ مخواہ پیرِ نابالغ بنانا چاہا۔ ارشاد ہوا کہ تم سب کچھ ہو۔ لکھو، اور خود لکھو۔ اس پر بھی گل محمد جنبش میں آنیوالا نہ تھا لیکن اتفاقاً چند ہفتہ قبل چند دن دو اولڈ بوائز کے ہمراہ گزارنا پڑے؛ جن میں سے ایک کے لیے تو میں "اولڈسٹ بوائے" کا خطاب تجویز کرتا ہوں کیونکہ وہ "السّابقون الاوّلین" میں داخل ہیں اور دوسرے حضرت کے لئے، خدا اُن کی عمر دراز کرے۔ "ینگ بوائے" لکھنا کافی ہوگا۔ یوں تو قسامِ ازل نے باوجود میرے علیگڈھ سے بیزار ہونے کے اولڈ بوائز اور کالج سے کچھ ایسا رشتہ جوڑا ہے کہ ان تعلقات کی آفت سے نجات ہی نہیں ملتی۔ چنانچہ اس کا بدیہی ثبوت یہ ہو کہ اس نئے پیرِ نابالغ (میگزین) نے بھی پیدا ہوتے ہی حاضری شروع کر دی، لیکن جو خاص دلچسپی ہمارے لیے ایک خاص پہلو زیرِ توجہ کا پیدا ہی وہ کسی دوسری جگہ ناممکن ہے۔ کالج لائف کے قصے "اولڈ بوائے" میں درج ہو چکے اور ہو رہے ہیں، کھلنڈرے مزے سے کھیل میں مشغول ہیں، بھوق کلب اور جبل مرکب خوب زوروں پر ہیں لیکن جس مرحوم زمانہ کا میں ذکر کر رہا ہوں وہ بالکل نرالا تھا۔

کوہِ ہمالیہ کی ایک چوٹی پر چند احباب کودتے پھاندتے نظر آتے ہیں۔ ان کے سروں پر عموماً ترکی ٹوپی دکھائی دیتی ہے۔ معلوم ہوتا ہو کہ یہ سب ایک ہی باغ کی بوٹی ہیں۔ چنانچہ سرِ شام کو ٹھنڈی سڑک پر سیر کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض حکام ان کی اس جسارت پر (کہ بلاناغہ اس طرح سیر کریں) ناراض ہوئے۔ یہ سب لوگ ایک انجمن کے ارکین تھے، لیکن اس انجمن کا کوئی نام نہ تھا۔ نہ اُس کے

قواعد و ضوابط تھے۔ اس کے اراکین خود بخود بلا تحریک و تائید اور بغیر کسی خاص
تعارف کے اس کے رکن سمجھے جاتے تھے۔ جس زمانہ کا میں ذکر کر رہا ہوں
اس "بے نام انجمن" کے اراکین گورنمنٹ کے اعلیٰ عہدہ داران "گریجوئٹس"
معمولی دل سے چلے، بھیک مانگنے والے فقیر، الغرض ہر ایک قسم کے لوگ شامل
تھے۔ ان میں بعض ایسے بھی تھے جنھیں اس کا علم بھی نہ تھا کہ وہ رکن ہیں۔
وہ تھے۔ اور بعض ایسے بھی تھے جو اپنے آپ کو اس کا رکن جانتے تھے لیکن
دراصل وہ کچھ بھی نہ تھے۔

پہاڑی مقام پر گرمیوں کے دن کس لطف سے گزرتے ہیں۔ اسے کچھ وہی
لوگ خوب سمجھتے ہیں جو ان دنوں دارجلنگ، نینی تال، یا شملہ وغیرہ پر جاکر
رہے ہوں۔ "بے نام انجمن" میں جو کام ہوتے تھے، اُن کا کوئی ریکارڈ تو ہوتا
نہ تھا، اور نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اس انجمن کی ہر ایک کارروائی ضابطہ کی پابندی
سے آزاد تھی۔ لیکن اس انجمن کا کام ہر ایک کام میں دخل دینا تھا۔ یہاں تک کہ
ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کے چھوٹے صاحبزادے کے انتقال کی خبر ملی تو نہایت رنج و
غم کیساتھ تعزیت کا ٹیلیگرام روانہ کیا گیا۔ اسی طرح جب انھیں دنوں میں
لارڈ و لیڈی کرزن اتفاقیہ طور پر تشریف لائے تو اُن کا خیر مقدم حسن خوش
سے کیا گیا۔ اراکین انجمن بخوبی جانتے ہیں۔ ایسے بڑے کاموں سے لے کر ادنے
سے ادنے کام بلکہ دریوزہ گری پر بھی جو توجہ انجمن کے اراکین کی رہتی تھی وہ بہ
بڈھا بیگ غلام قادر بخش عرف شیخ سید مغل پٹھان کے ساتھ اس سلوک سے
ظاہر ہوتا ہے جو اُس کی تمام مُرادیں بر لائے اور آخر میں اس کی شادی کے متعلق
کی گئیں۔ اور جس کی گواہی ہمالیہ کی اس چوٹی کے تمام برگ و بار دینے کو تیار ہیں۔
یہ تمام زمانہ دو سال میں ختم ہوتا ہے لیکن صرف گرمیوں کے چھ ماہ حساب میں

لانے سے کُل بارہ مہینے ہوتے ہیں۔ نومبر سے اپریل تک سب اپنے اپنے گھونسلوں میں تشریف لے جاتے تھے۔ اور جو کچھ گزرتی تھی، اور جس شائستگی سے گھروں میں رہنا پڑتا تھا جہنّم کے عذاب سے کچھ کم نہ تھا۔

اپریل کا مہینہ ہے، جس طرح مُرغانِ اسیر قفس سے آزاد کردیے جائیں، "بے نام انجمن" کے ارکین آسمان کی طرف صعود کرتے نظر آتے ہیں۔ ریل میں سفر کیا، تانگوں میں سوار ہوئے، گھوڑے کی سواری کی، رتھ پر چڑھے، پیدل راہ ناپی، پیچ دار راستے چھوڑ کر پگڈنڈی سے چڑھے، سانس پھول گئی، چہرہ سرخ، بدن چور چور، پسینہ سے شرابور ہوگیا۔ لیکن اپنے قد سے ایک لمبی لکڑی ہاتھ میں ہے، جو اسوقت عصائے مُوسے سے کم نظر نہیں آتی۔ خدا کی پناہ اگر ذرا پاؤں پھسلے تو ہڈّی پسلی تک کا پتہ نہ ملے۔ القصّہ اِن سختیوں کو برداشت کرکے منزلِ مقصود پر پُہونچے اور ایک ہفتے کے اندر ہی اندر تمام یارانِ طریقت موجود۔ ایک فوٹو کے خبط میں مُبتلا۔ دُوسرا تیتلیوں کے جمع کرنے کے شوق میں سرگردان، ایک حکّام کی ملاقاتوں میں پریشان، دُوسرا مقابلے کے امتحان کی تیاری میں کوشاں۔ لیکن باوجود ان تمام مصروفیتوں کے شام کے چار بجے اور سب کے سب کسی نہ کسی کے ہاں بلائے ناگہانی کی طرح موجود۔ دعوت میں مدعو کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن دلی توجہ درکار ہے، اور سب کے سب حاضر و ناظر۔

یہ معمولی بات تھی کہ اِس مجمع میں سے اکثر شاعر تھے، لیکن خاص طور پر ایک "اُولڈ بوائے" جو نیچرل شاعر واقع ہوئے تھے، اُن کو اِس معاملہ کے متعلق ایک لمبی نظم تصنیف کرنے کی ضرورت پڑی تھی جو اس وقت کے چند اخباروں کی زینت بھی ہو چکی ہے، مجھے اِسوقت اِس کا صرف مطلع یاد رہ گیا ہے:—

سُناؤں کیا کہ.... کیوں کر دن گزرتے ہیں
ہزاروں لیتا ہوں کمبل پہ دست پا ٹھٹھرتے ہیں

باوَلوں کی تعریف کے متعلق صرف ایک مصرع یاد ہے، فرماتے ہیں :—

جو اس گھاٹی پہ چڑھتے ہیں تو اُس گھاٹی اُترتے ہیں

اس مسرت آمیز زمانے میں ایک مسٹر مولوی صاحب کا گذر ہوا۔ مجھے مسٹر مولوی صاحب کے لکھنے کی اس وجہ سے ضرورت ہوئی کہ آپ میں یہ دونوں صفات پورے طور سے موجود تھے۔ آپ انٹرنس پاس تھے۔ انگریزی میں اچھی لیاقت رکھتے تھے، یہاں تک کہ انگریزوں کو پڑھاتے بھی تھے۔ اس لئے مسٹر کہا گیا۔ مولوی اس لیے تھے کہ ازار نصف ساق سے بھی ذرا اوپر ہی رہتی تھی۔ روزِ آفرینش سے نمازیں برابر درجِ رجسٹر ہوتی تھیں۔ اور ان میں سے ایک بھی قضا نہوئی تھی۔ وضو کرنے کے لیے پانچ وقت میں پانچ ٹن پانی ضرور صرف ہوتا ہوگا۔ چونکہ آپ غیر مقلد یعنی وہابی تھے۔ اس اندیشے سے کہ شاید پائجامہ ٹخنے کے اوپر رکھنے کے حکم سے شارع کی مراد یہی ہو کہ ٹخنہ ننگا رکھا جائے۔ بجز اشد ضرورت کے (کہ جسوقت خنزیر بھی جائز ہے) موزہ پہننے کو بھی مناسب نہ سمجھتے تھے۔ چوں کہ روزِ بلوغیت سے آج تک آپکی ریشِ مبارک کو کبھی کنگھی کرنے کی تکلیف نہ دی گئی تھی اسلیئے خودرو گھاس کی طرح چہرۂ مبارک پر خوب پراجمائے خیمہ زن تھی۔ مقراض کا تو ذکر ہی نہیں، شانہ سے اس لئے خفگی تھی کہ مبادا کوئی مبارک بال کم ہوجائے۔ ایک سیزن جس طرح ان کی خدمت میں اراکین انجمن کا گذرا اور ان کے ساتھ جو قابلِ قدر اور قابلِ یادگار وارداتیں ہوئیں وہ غالبًا کوتوال آج تک یاد کرتا ہوگا۔

ہماری اس انجمن کے اراکین کے نام بھی انجمن کے نام کی طرح مشخص نہوتے تھے لیکن جس نام سے جسکو چاہا پکار لیا۔ اور یہ ممکن نہیں کہ وہ نہ سمجھے۔ سمجھے اور خواہ مخواہ سمجھے۔ نہ سمجھے تو ممبری سے خارج۔ ایک سنیچر کی رات کہ جب ایک خاص چیز کا ذکر ہو رہا تھا۔ اور بوجھ والے کے ذمہ تھا کہ اس کام کا

انجام دے، اُس چلتے پُرزے نے کہا کہ میں اس وزن بازی میں شریک نہیں ہو سکتا
جب مجبوری ہوئی تو لاچار شریک ہو گیا۔ لیکن اسوقت لڑائی کا الٹیمیٹم دیدیا گیا
یعنی یہ کہ چوبیس گھنٹے کے اندر تم لوگوں کے ساتھ بُرا سلوک کیا جائیگا۔ خبردار رہو"
سب لوگ ہوشیار ہو گئے، لیکن ہمارا چلتا پرزہ خوب چال چلا۔ اِس انجمن کا
ایک رکن غار میں چلّہ کشی کر رہا تھا جو اس جگہ سے دو میل نیچے واقع تھی۔ چلتے پرزے
نے جھٹ ہوائی انتظام کر کے غار میں سے کچہ کاغذات مونوگرام والے منگائے،
اُن کو یارِ غار کی قلم سے لکھا، اور شاباش سے کچہ نام یہاں تک کہ خود چلتے پُرزے
کے نام بھی رقعہ پہونچا جس میں مضمون صرف اس قدر تھا کہ کل صبح کو غار میں دعوت
ہوگی۔ صبح کو چلتے پُرزے کے سوا سب خوش خوش پہونچے۔ یارِ غار متعجب کہ آج
بلا طلبی یار لوگ کس طرح آن موجود ہوئے۔ سمجھا کہ معمولی بات ہے۔ گیارہ بجے
تک خاموشی کے بعد قفلِ سکوت توڑا گیا۔ دریافت کیا کہ کیوں کر آنا ہوا؟ اس پر
اس طرف سے خطوط پیش ہوئے، خوب ہنسی ہوئی۔ جو دال چپاتی غار میں تیار
تھی ہضم کی گئی، لیکن فوراً چلتے پُرزے کے نام وارنٹ گرفتاری روانہ کیا گیا۔
وہ ایسے قلعہ میں پناہ گزیں تھا جسے فتح کرنے کی طاقت لارڈ رابرٹ میں بھی
نہ تھی لیکن اراکین کی خاطر اُسے آنا پڑا۔ ہاتھوں سے، گھونسوں سے، دانتوں
سے، لاتوں سے، باتوں سے، اُس کی خبر لی گئی۔ اُس نے دُوسرا نوٹس دیا کہ
شام ہونے تک دُوسرا انداق کیا جائیگا۔ اس سے سب کو فکر پیدا ہوگئی۔ مگر
تھوڑی ہی دیر میں چلتے پُرزے کو ایک ضروری کام کے باعث قبل از وقت رخصت
ہونا پڑا۔ اور ببک مینی دو گوش ہر ایک رکن کے گھر پہونچ کر اطلاع کر دی کہ:۔
"صاحب بہادر کے لیے شام کو کھانا نہ پکانا، وہ غار میں سے کھا کر آئیں گے"۔
چنانچہ اُس شام کو اکثر حضرات نے بازاری خوراک پر گذارہ کیا۔

میری پریشاں کلامی طول پکڑتی جاتی ہے، اور "نیگ بوائے" اور "اولڈ بوئے" کا قصہ رہا جاتا ہے۔ راستہ میں چلتے چلتے ایک کباب والے کی دکان پر نظر پڑی۔ بیساختہ زبان سے نکل گیا "کباب" وقت تھا کھانیکا، فوراً مہیّا کر دیے گئے اب تو وظیفہ ہو گیا۔ صبح ہوئی۔ کباب، دوپہر ہوئی۔ کباب، شام ہوئی۔ کباب، رات ہوئی۔ کباب، غرض عالم عالم کباب ہو گیا۔ میں سمجھا کہ "نیگ بوائے" ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ ایک وقت غرہ کر گیا، تو "اولڈ بوائے" فرمانے لگے "کباب" میں تو کباب سیخ ہو گیا کہ "ایں خانہ تمام آفتاب ست" پھر تو کباب کے ساتھ دل ہی کباب کر لیا۔ لیکن ناغہ نہ ہونے دیا۔ ہاں! یہ وعدہ اس وقت ہو گیا کہ کباب "اولڈ بوائے" میں ضرور نکلے گا جسکی تعمیل کی جا رہی ہے، امید ہے کہ اولڈ بوائے اور ینگ بوائے کو عند الضرورت طلب کباب میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ بندہ حاضر ہے۔

اگر ناظرین "اولڈ بوائے" نے اس پریشان تحریر سے دلچسپی ظاہر کی تو کسی وقت کچھ اور بھی لکھوں گا، اور کوتوال صاحب والے واقعات ہدیہ کر دیے جائینگے۔

راقم "کچھ نہیں"

حضرت! آپ ضرور لکھئے۔ ہمارے ناظرین آپ کی تحریر کو چٹخارے لے کر پڑھیں گے۔ نمک مرچ کچھ اس سے تیز ہی رہے۔ (اولڈ بوائے)

مشرقی بنگال میں طلبائے سابق وحال کے گروہ اضلاع میں دورہ کر رہے ہیں اور یقین ہے، کہ اس ذریعے سے چھوٹے چھوٹے چندے بہت ہوں گے۔

بحرین سے ایک خط

برادرم! تسلیم

سرورق پر پیارے کالج کی صورت دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا، اور حقیقت یہ ہے کہ اس تصویر نے سارے مضامین سے بڑھ کر مزہ دیا۔ اے وہ ہماری آرزوؤں کے مرکز تو جلد بڑھ کر اپنے علمی آفتاب کے نور سے چار دانگ عالم کو روشن کردے۔ آپ نے اور بانیانِ رسالہ نے خوب کام کیا۔ خدا آپ کے ان نیک ارادوں میں برکت دے۔ اور آپ جلد اپنے مقاصدِ حسنہ کو پورا کرنے میں کامیاب ہوں۔ خیال ہے کہ آپ لوگ اس بات کے لیے کوشاں ہیں کہ پرچہ کی حیثیت بلحاظ مضامین زیادہ عمدہ اور ارفع ہو۔ "لائیٹ لٹریچر" یا تفریحی گپ شپ ضرور مرغوب ہے، لیکن حضرت! اس پرچہ میں علیگڑھ کالج کی تعلیم کا پورا عکس پڑنا چاہیے تاکہ دنیا کو معلوم ہوجائے کہ وہ درسگاہ کوٹ پتلون اور نکٹائی کی مشین نہیں بلکہ اس دارالعلوم سے ہر علم و فن کے عالم و فاضل قومی اخلاق و احساس سے مصبوغ نکلتے ہیں تو ان کے دماغ اڑنگ، بڑنگ، ترنگ، کھڑنگ کی یاد سے پُر نہیں ہوتے، اور اسلامی تمدّن، قومی دُھن اور گورنمنٹ کی وفاداری ان کے پیش نظر رہتی ہے۔

یا حضرت! آپ ان کو ایسی باتیں پڑھائیے جس سے دُنیا اور دین میں سُرخروئی حاصل ہوسکے۔ ڈونگا، کیکڑا، گنجو بتانے سے کیا حاصل۔ اگر آپ پُرانی باتیں یاد دلاتے ہیں تو وہ عمر اور زمانہ بھی واپس دلائیے، ورنہ کیوں یاس اور نا امیدی سے پریشان کرتے ہیں۔

اس پرچے کے سرورق پر ایک درخت ہے، میرے خیال میں اگر آپ

اس کی جگہ کھجور نصب کروادیں تو بہتر و انسب ہو۔ موجودہ درخت تو ناریل کا معلوم ہوتا ہے۔

یہ پرچہ علیگڈھ میں طبع ہوا اور بنارس چھاونی سے شائع ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "بگڑے ہوئے مسلمانوں کا پرچہ" ابھی تک عارضی انتظام سے چل رہا ہے۔ اپنا پریس کیوں نہیں کیا جاتا، اور دوسروں کی محتاجی کیوں اُٹھائی جاتی ہے

عرب، عجم، اور ٹرکی سے دلچسپی ہو تو کچھ میں بھی لکھوں گا۔

آپ کو یہ سُن کر مسرت ہوگی کہ گو ہندوستان سے دُور غریب الوطن ہوں، لیکن مادرِ کالج کی یاد سے غافل نہیں۔ اور اسی یاد کے باعث ہم چند ہندوستانیوں نے چھ سو دیکروپیہ آٹھ آنہ چندہ کرکے یونیورسٹی کے سکریٹری صاحب کی خدمت میں بھیجدیا۔

آپکا بھائی۔ محمد علی صوفی۔ از بحرین۔

(ہمیں اپنے عزیز بھائی کا خط پاکر نہایت مسرت ہوئی۔ یونیورسٹی کے لئے اُنھوں نے جو کچھ کیا اس سے ہم خوش ہیں، اور بڑی خوشی اس امر کی ہے۔ کہ ہمارے غریب الوطن بھائی کو "مادرِ کالج" کی یاد ہے۔ ممالکِ اسلامیہ کے جن حالات کا وعدہ ہمارے بھائی فرماتے ہیں وہ ضرور روانہ کریں۔ (اولڈ بوائے)

خان بہادر مولسنا ایچ ایم ملک صاحب رئیس مہدی باغ کی دعوت پر مولسنا شاہ سلیمان صاحب اور مسٹر شوکت علیصاحب ناگپور جانے والے ہیں۔ جہاں سے وہ صوبہ متوسط میں کام کی ابتدا کریں گے۔

"اولڈ بوائے"

اولڈ بوائے کا اپنے وقت پر شائع نہ ہونا کس قدر تکلیف دہ ہے۔ پہلے نمبروں میں کتابت کی کثرت سے غلطیاں نکلتی تھیں۔ اور اب اپنا پریس نہونے کے باعث مئی کا نمبر وسطِ جولائی میں ملا ہے۔ جون اور جولائی کے نمبر کا پتہ نشان تک نہیں۔ عموماً یہ کہدینا نہایت آسان ہے کہ شوکت ہی نہیں، اڈیٹر کو اپنی روٹیوں کی فکر پڑی ہوئی ہے۔ رہا ایک بیچارہ منتظر جس طرح چاہیے اُسپر آوازے کسیئے، کاہل بتائیے۔ سُست کہیئے۔ یا اور جو کچھ اغیرہ وغیرہ مُنہ میں آجائے جھٹ ما ریئے مگر جناب پہلے آنکھیں کھول کر دیکھ تو لیجیئے۔ ڈھیلا لے کر "کوتے" کے پیچھے دوڑنا تو ہر وقت ممکن ہے، روکتا کون ہے۔

حضرت! اصل بات یہ ہے کہ جب تک اپنا پریس نہوان وبائی امراض سے پیچھا چھوڑانا محال ہی نہیں بلکہ غیر ممکن ہے۔ "اولڈ بوائے" کا آفس بنارس میں، پریس علیگڈھ میں۔ خانۂ ملّاح در چین ست وکشتی وے در فرنگ۔ اب وقت پر کام ہو تو کیونکر۔ آخر اس مرض کا علاج؟ لا علاج تو ہے نہیں۔ علاج آسان اور اس قدر آسان کہ سہل ترین۔ کسر ہے تو اتنی کہ۔؎

ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گِلہ دل کا
بس اِک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

سُنئے! مگر اس کان سُنئے، اور اُس کان اُڑانے کی سند نہیں۔ سُنئے اور گرہ میں باندھیے۔ سُنئے اور عمل کیجیے، ہاں اگر آپ کے خیال میں اس میں کچھ ردّ و قدح، بحث مباحثے کی ضرورت ہے تو یہ اور بات ہے۔ یوں ہی سہی۔

"اولڈ بوائے" اولڈ بوائز کا آرگن ہے۔ اولڈ بوائز کا آرگن اور اِس ردی حالت

میں! ایسی کس مپرسی میں! کیا ہم دنیا کو یہ کہنے دینا چاہتے ہیں کہ ہم لوگوں کے چلائے ایک چھوٹا موٹا اُردو رسالہ بھی نہیں چلتا۔ یہ تو ہم کبھی نہ ہونے دیں گے۔ خریداروں کے پیچھے ستو باندھ کر پڑیں گے، بے دُھن کی صدا بلند کرتے پھریں گے۔ یہ سب لغو سراسر لغو ہے۔

اب تجویز یہ ہے کہ آؤ ہم سب مِلکر "اولڈ بوائے" کے لیے ایک لمٹیڈ کمپنی کی صورت میں ایک پریس بنالیں۔ ہر خریدار سے درخواست کی جائے کہ وہ اس کمپنی کا ایک حصّہ خریدے۔ ایک حصّہ دس روپیہ کا قرار دیا جائے۔ اور اگر ممکن ہو تو یہ قاعدہ پاس کردیا جائے کہ ایک حصّے سے زیادہ ایک شخص خریدنے نہ پائے۔ تاکہ ہر خریدار اپنا مالی فائدہ اولڈ بوائے کے فائدے کے ساتھ شترک سمجھے، اور پریس کے لئے ہر چہار طرف سے کام کی بھرمار کردے۔ اور کام نہ ملنے کی شکایت کوسوں، منزلوں دُور نظر آئے۔ لمٹیڈ کمپنی ہم آج بنا سکتے ہیں۔ کون اولڈ بوائے ایسا ہے جو دس روپے کا ایک حصّہ لینا پسند نہ کرے گا۔ آپکو اختیار ہے کہ پھر اپنے پرچے کی ضخامت میں اضافہ کیجیے۔ آپ اس کو باتصویر بنائیے اسکا ٹائیٹل پیج رنگین، حسین اور دلکش ہو۔ پریس میں آپ ہر قسم کی ترقی کر سکتے ہیں اُردو کام کیجئے، ہندی کام کیجئے، انگریزی کام کیجئے۔ جلد سازی کا محکمہ قائم کیجئے۔ آگے چل کر لیتھو اور ہاف ٹون فوٹو گراف تک چھاپئے۔ کس نے منع کیا ہے۔

فی الحال ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس تحریک کو ہماری برادری کس حد تک قابلِ عمل اور قابلِ قبول خیال کرتی ہے۔ اگر یہ رائے عام طور پر پسند کرلی گئی تو انتظامی کمیٹی قائم کرنا اور عملی تدابیر اختیار کرنا کوئی دشوار بات نہیں

اظہر علی آزاد۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس (لندن)

شاید دو تین مہینے ہوئے جب میں نے اڈیٹر صاحب سے پرچہ وقت پر نہ پہونچنے کی شکایت کی تھی تو اُنھوں نے لکھا کہ پرچہ دیر سے چھپ کر آتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو کیا "اولڈ بوائے" کو اپنا پریس نصیب نہیں۔ اور اگر فنڈ میں گنجایش نہیں تو اچھا آئیے پنچایت کے روپے سے خرید لیں، اور اس طرح کہ دینے والے الگ خوش اور کام بھی خوب چلے۔ اندازہ کر کے اڈیٹر صاحب دس دس روپے کے حصے کمپنی کی صورت میں کریں اور اولڈ بوائز اور خریداران اولڈ بوائے اس طرح خریدیں کہ ہر حصے کے دو روپے پہلے اور باقی آٹھ روپے دو قسطوں میں ادا کریں۔ ادائگی کے لئے وقفہ کم از کم ایک ماہ کا ہو۔ کیوں اولڈ بوائز اور ہمدردان کیا رائے ہے؟

بشیر مرزا دہلوی۔ از کلکتہ۔

ہماری برادری میں یہ خبر نہایت مسرت کیساتھ سنی جائے گی کہ مسٹر غلام حسین صاحب ہوشیار پور سے دفتر کامرڈیہ میں آگئے ہیں۔ اور اُنھوں نے اپنے فرائض کا جائزہ لے لیا ہے۔ خوب گزرے گی جو مل بیٹھینگے دیوانے دو۔ مسٹر غلام حسین ہم میں اسقدر مشہور ہیں کہ ہمیں کسی مزید تعارف کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

حال ہی میں ہمارے عزیز بھائی مسٹر خواجہ محمد اسلم صاحب کی بیگم صاحبہ کے صاحبزادی پیدا ہوئی ہے۔ ہمیں اس سے خوشی ہے، اور مسٹر اسلم کے تمام ملنے والے یہ خبر معلوم کر کے خوش ہونگے، ہم اُنھیں کس بات کی مُبارکباد دیں۔ البتہ اُن کی بیگم صاحبہ کو مُبارکباد دیتے ہیں، جن کا یہ سارا کمال ہے۔ خدا کرے زچہ اور بچّی دونوں تندرست رہیں۔

ڈھینڈس

زمانے سے زیادہ فراموش کار شاید ہی کوئی ہوتا ہو۔ اپنے وقت میں خواہ کتنا ہی نام آور کیوں نہ ہو، مگر جہاں اُس کا وقت پورا ہوا اور وہ گمنامی کے تودۂ خاک میں دفن ہو جاتا ہے۔ اس فراموش کاری کا علاج اگر کچھ ہے تو مورخ کے ہاتھ میں ہے۔ کہ وہ نام رفتگاں کو گمنامی سے بچا لیتا ہے، اور ماضیِ فراموش مصیبت زدگان دہر کو "یاد ایام عشرت فانی" میں ایک ساعت کی ساعت محو کر کے زمانہ گذشتہ میں پہونچا دیتا ہے

ہمارا کالج دنیا کا ایک چھوٹا نمونہ ہے۔ اسکے بھی قرون اور زمانے ہیں یہی دنیائے دُوں کے سے اعمال کرنے لگتا ہے، یہاں بھی مشاہیر گمنام اور از یاد رفتگاں ہوتے ہیں۔ مشاہیر وہ جن کی شہرت کالج کی دنیا سے نکلکر بڑی دنیا تک اُن کے ساتھ جاتی ہے، اور اُن کا بڑا ساتھ دیے جاتی ہے۔ کالج میں اُن کی یاد ماضی کی دنیا حال کو اور حال کی دنیا مستقبل کو دست بدست دیتی چلی جاتی ہے۔ بعض مشاہیر ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگرچہ اُن کی شہرت لمعۂ برق کی طرح خیرہ کُن ہوتی ہے لیکن دیرپا نہیں ہوتی۔ زمانۂ کالج ہی میں اُن کی شہرت کا ستارہ نصف النہار پر پہونچ کر زوال پانے لگتا ہے، اور رفتہ رفتہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو جاتا ہے۔ گمنام اُن اصحاب کا فرقہ ہے جو کالج میں آئے، رہے اور چلے گئے۔ اور کالج ڈائرکٹری کو بھی اب تک معلوم نہیں کہ وہ کون تھے، کہاں گئے، اور اب کیا ہیں؟۔ از یاد رفتگاں وہ گمنام گروہ ہے جو زمانۂ کالج میں دوسری قسم کے مشاہیر میں سے تھا۔ اس کے ممبر جب تک کالج میں رہے خوش حال رہے۔ اچھا کھاتے رہے، اچھا پہنتے رہے، خود خوش رہے، دوسروں کو خوش رکھتے رہے۔ اور

اب تو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

کی مالا جپتے رہے لیکن اب آسیائے گردوں نے انھیں ایسا پیسا کہ اب پہچانے بھی نہیں جاتے۔ اب نہ وہ خوش حالی رہی، اور نہ وہ خوش لباسی، نہ وہ خوش مزاجی ہی باقی ہے، اور نہ وہ خوش گپیاں، غرضکہ "نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانیاں"، کیسی حالت میں ایک مایوسانہ، ناکام زندگی کے دن تیر کر رہے ہیں، اور دنیا میں زیادہ کامیاب نہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو زیادہ قعرِ گمنامی میں رکھنا پسند کرتے ہیں۔

سنہ ۱۸۹۸ء[1] تک کا زمانہ کالج کی تاریخ میں "عیاشی" کا زمانہ کہلاتا ہے۔ "عیاشی" کالج کی خاص اصطلاح ہے۔ کالج میں اشرف جیسے وقت کش لوگ تھے، جو ننگے سر، لوسی فیشن بالوں کا جھنڈا بتھے پر ڈالے ہوئے ایک بارگ سے دوسری بارگ میں چکر لگاتے پھرتے تھے، مگر سُور ما ایسے تھے کہ ایک دفعہ نینی تال میچ میں اسکورر ہوکر گئے، کپتان سے کسی بات پر خفگی ہوگئی، واپسی ٹکٹ روپیہ پیسہ سب کپتان کے پاس تھا۔ لیکن اشرف صاحب کی خفگی۔ نینی تال سے جو پیدل چلے تو کاٹ گودام پر دم لیا۔ وہاں خدا جانے اسٹیشن ماسٹر کو کیا پٹی پڑھائی کہ اُسنے اپنے حساب میں علیگڑھ تک کا ٹکٹ دیدیا۔ دوسرے دن میاں اشرف صاحب خواجہ محمود حسین صاحب کے کمرہ پر دندنا رہے ہیں اور نینی تال میں اُن کی تلاش ہو رہی ہے۔ اب وہی بے فکرے اشرف الحق صاحب ہیں کہ کالج کو چھوڑ کر گیارہ برس تک انگلستان میں آوارہ گردی کرتے رہے اور دنیا کی اونچ نیچ دیکھ بھال ڈاکٹر اشرف الحق بی۔ سی۔ ایچ بنکر حیدر آباد دکن

[1] اس سنہ میں سرسید کا انتقال ہوا اور کالج میں نیا دور شروع ہوا۔

میں کپتان بسا و رہیں۔ کالج میں تو اب بھی بہت سے لوگ انھیں بھولے ہوئے ہونگے۔ مگر اب وہ بڑے آدمی بننے والے ہیں۔ اب اُن کے لیے ایڈریس تیار ہوجائیں گے۔ اور اُن کے بیٹا ہوا تو مبارکباد کے تار اُنکے نام بھیجے جائیں گے۔

اُس زمانے میں ایک عبدالحمید جیسے طالب العلم ہوتے تھے، جو امتحان پاس کرنے کی بنسبت جنٹلمین بننے کو ضروری سمجھتے تھے۔ جس دن میں پہلی پہل علی گڑھ آیا تو یہ حضرت مجھے اسٹیشن پر ملے۔ آپ کا قد مشکل سے تین فیٹ چار انچ ہوگا مگر آپ کا قطر بلا مبالغہ شکسپیر کے جان فالشاف کے پیٹ کی گولائی سے کچھ بڑھا ہوا ہی ہوگا۔ شکل صورت پیاری، آنکھیں مسمریزم کے مطلب کی۔ بال اس قدر بل کھائے ہوئے کہ روستہ الکبرے کے مشہور جرنیل سسنسنیٹس کے بھی کیا ہونگے۔ سوٹ، بوٹ، کالر، ٹائی ہر ایک چیز فیشن سے کچھ آگے ہی نکلی ہوئی۔ میں اس شخص کے رعب میں آگیا۔ آپ نے مجھ سے نہایت مُربیانہ اور بزرگانہ طریقہ سے دریافت فرمایا "کیا آپ کالج میں داخل ہونے کے لیے آئے ہیں؟" اتنا کہہ کر سیٹی بجاتے، سگار کا دھواں اُڑاتے، ٹوپی کا پھندنا ہلاتے ہوئے یہ جا وہ جا۔ میں متحیر دیکھتا رہ گیا اور ایک نو وارد کی نادانی کے طریق پر عبدالحمید کو ایم۔ اے کلاس کا کوئی بہت بڑا سربرآوردہ طالب علم اور شاید کرکٹ کا کپتان سمجھا۔ مگر بعد کو کالج میں تھوڑے دن رہ کر مجھے جناب کی حقیقت معلوم ہوئی کہ آپ اسکول کی کسی نیچی جماعت میں پڑھتے ہیں اور "ڈھینڈس" کے نام نامی سے مشہور خاص و عام ہیں یہ خطاب کب ملا، کس نے دیا، اور اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ اس کا پتہ چلنا تو بہت مشکل ہے مگر ظاہرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرت کے جسم کی گولائی پر کسی نے بیساختہ اِن کو "ڈھینڈس" کا خطاب دے دیا ہوگا۔ جو اُس دن سے مقبولِ خلائق ہوگیا۔ لیکن صرف جسم ہی ایسی چیز نہ تھا جو ان کو خطاب کا مستحق

بناتا بلکہ اصل چیز آپکے حرکات تھے۔ آپ کو جنٹلین بننے کا بہت شوق تھا، لیکن جنٹلین سے آپ کی مُراد انگریزی خوش پوشی تھی۔ جسے انگریزی میں "ڈینڈی" کہتے ہیں۔ اُس زمانہ کے فیشن کے مطابق آپ جس قسم کا لباس پہنتے تھے اچھے سے اچھا ہوتا تھا۔ کبھی ریشمی اچکن، آڑا پائجامہ اور کامدار ٹوپی ہے تو کبھی ایک معقول ٹرکش کوٹ، پتلون اور ترکی ٹوپی۔ کبھی از سرتا پا بالکل انگریزی لباس ہوتا تھا سُنا ہے کہ ایک دفعہ سولیس صاحب نے آپکے والد کو لکھ دیا تھا کہ تمہارا بیٹا تو "ٹیلر میڈ جنٹلمین" یعنی خیاط کا بنایا ہوا جنٹلمین ہے۔ مدتوں لوگ بیچارے کو یوں دق کرتے رہے۔

آپ کو نہ صرف انگریزی لباس کی تفریط ہی سے شوق تھا بلکہ آپ جب چلتے تھے تو اکثر سیٹی بھی بجاتے تھے۔ اور گردن کو خاص طور پر کچھ ایسا جھٹکا دیتے تھے جس سے ٹوپی کا پھندنا اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر ہلتا رہے۔ اور جس چیز کا شوق ہوجاتا تھا بس اُس شوق کو انتہا تک پہونچا دیتے تھے۔ چنانچہ کچھ دنوں کے لیئے آپ رائڈنگ اسکول میں شامل ہوئے تو برجیز اور رائڈنگ کوٹ وغیرہ سب تیار کرایا گیا۔ کسی نے پُوچھا تم کو فوج یا پولس میں نوکری کرنی ہے جو اس زور شور سے سواری سیکھ رہے ہو۔ تو آپنے جواب دیا "آئی ایم جسٹ ٹیکنگ انٹرسٹ اِن رائڈنگ"۔ اس دن سے جو کام "ڈھینڈس" صاحب کرتے تھے اس کا نام "ٹیکنگ انٹرسٹ" ہوجاتا تھا۔ چنانچہ کالج کے مصور نواب زماں بہادر آف باندا نے حضرت ڈھینڈس کی بہت ہی قلمی تصاویر بنائیں کسی میں آپ بڑے زور سے ٹینس کا بلّا ہاتھ میں لئے ہوئے چلے جارہے ہیں۔ اور نیچے لکھا ہے "مسٹر ڈھینڈس ٹیکنگ انٹرسٹ اِن ٹینس"۔ کسی میں آپ اسٹیشن پر اسباب تلنے کے کانٹے کے پاس بڑے غیظ وغضب کی

کی حالت میں کھڑے ہیں اور گنج بابو اسباب تول رہا ہے۔ اسباب نہایت انگیزیت کا ہے، بستر ے پر ایک ٹینس کا بلّا بھی بندھا ہے۔ کسی میں آپ فٹ بال سے اس طرح شوق فرما رہے ہیں کہ خود ہی فٹ بال بنے جا رہے ہیں۔ غرض کہ ایک زمانہ میں اُن کی تصاویر کا بہت زور تھا۔

ٹینس کا شوق ایک دفعہ اس قدر ہوا کہ کچّی بارگ کے سامنے پاخانوں کے قریب آپنے دو ٹینس کورٹ بنوا کر صبح و شام برابر ٹینس کھیلنا شروع کر دیا اور اس قدر ٹینس کھیلا جاتا تھا کہ جال کو اُترنے کی مہلت نہ ملتی تھی، یہاں تک کہ رات کو بھی جال یوں ہی لگا رہتا تھا۔ چنانچہ کسی صاحب نے مسٹر ڈھینڈس کو دق کرنے کے لیے جال غائب کر دیا۔ ڈھینڈس کو ٹینس کی ہڑک اُٹھی اور جال غائب!!! بہت پریشان ہوئے، سارے میں تلاش کرایا پتہ نہ چلا۔ آخر نوکر کو بہت کچھ مارا پیٹا، دوستوں سے بگڑے، اور غصّہ میں آکر بلیٹ زمین پر مار کر توڑ دیا، گیندیں پھاڑ ڈالیں۔ اس غیظ و غضب کی تصویر ایک شاعر نے بہ تتبعِ نسیم لکھنوی یوں کھینچی ہے

ہے ہے مرا جال لے گیا کون	ہے ہے مجھے چال دے گیا کون
بارگ کے سوا چرانے والا	باہر کا تھا کون آنے والا

افسوس اب مجھے اور اشعار یاد نہیں مگر تھے نہایت مزیدار۔

اِسی طرح ایک دفعہ شب برات کے موقعہ پر آپ کو آتشبازی کا شوق ہوا۔ بصد منت و زاری مارلین صاحب سے آتشبازی چھوڑنے کی اجازت لی۔ مگر اجازت کیساتھ یہ شرط تھی کہ کرکٹ لان پر یہ شوق پورا کیا جائے۔ چنانچہ جناب ڈھینڈس صاحب، مسٹر عظمت اللہ صاحب کرکٹر کے ہمراہ بازار گئے، اور آتشبازی لا لائے۔ شام کو بہت سے طلبا کا کالج لان پر مجمع ہوا، اور آتشبازی چھُٹنی شروع ہوئی۔ انار اُچھالے گئے

اور ایسے زور زور سے پھینکے جانے لگے کہ کئی انار سامنے کی نئی بارگ پر جا پڑے اور بورڈ کمروں میں آگ لگ گئی پھر کیا تھا۔ آتشبازی بند ہوئی، اور سب لڑکے آگ بجھانے میں مشغول ہوگئے۔ اور بڑی پھرتی سے دو محاذ کے کمروں کی چھت اُتار ڈالی۔ اُس دن سے ایک محاورہ "چھت پکی" کالج میں رائج ہوگیا جسکے معنی یہ لیے جاتے تھے کہ "شوق پورا ہوچکا"!

اِس آگ لگنے پر بھی ایک نظم لکھی گئی تھی۔ مجھے صرف ایک بند یاد ہے جو ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں ؎

وہ کیا انار شہر سے منگائے ڈھینڈس نے | اور اُس کا لڑکوں میں شہرہ مچایا ڈھینڈس نے
اُدھر تو ہاتھ سے اُسکو چھڑایا ڈھینڈس نے | اور اس طرف نئی بارگ کے تن میں آگ لگی

آگیا لاگی نئی بارگ جل گئی رے

مدتوں کالج کی "سنگنگ پارٹی" میں یہ نظم گائی گئی۔ اور بہت ہی مقبول ہوئی۔

افسوس ہے کہ اُنھوں نے تعلیم میں کوئی ترقی نہ کی۔ اور ماریسن گردی میں کالج چھوڑا۔ کالج سے جانے کے بعد مجھ سے کئی بار دہلی اور میرٹھ میں ملتے رہے اب کوئی چار پانچ سال سے اُن کا پتہ نہیں۔ خدا کرے زندہ ہوں، اور خوش ہوں کالج والے اب اُن کے نام سے بھی واقف نہیں، حالانکہ اپنے زمانے میں ڈھینڈس صاحب کا طوطی بول رہا تھا، اور کون تھا جو اُنھیں نہ جانتا ہو۔ یہ بھی اُنھیں اشخاص میں ہیں، جن کو از یاد رفتگاں کہنا چاہئے۔

زاہدی۔ از بہاول پور۔

شکایت

نہ کسی کا جوشِ شباب ہوں، نہ کسی کا نام و خطاب ہوں
میں وہ پچھلی رات کا خواب ہوں کہ جو یاد وقتِ سحر نہیں

برادرم!

میں کون ہوں؟ آپ خوب جانتے ہیں، مگر کالج کے اولڈ بوائز شاید بالکل ہی نہ جانتے ہوں۔ ابھی حال ہی میں ایک پوسٹ کارڈ مولٰنا طفیل احمد صاحب کا بدایوں سے آیا تھا، جس میں ٹونک کے موجودہ اولڈ بوائز کی فہرست بھیجنے کی فرمائش تھی، اور ایک مطبوعہ فارم مع چند ناموں کے بھی ہمراہ تھا، اُس میں میرے نام کے آگے "انتقال ہوگیا" لکھا ہوا تھا۔ مجھے بے ساختہ غالب کا یہ شعر یاد آیا ؎

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ

ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

مگر مولٰنا کے اعجازِ سچائی کے قربان کہ مُردے کو جلاتے بھی نہیں اور جواب بھی مانگتے ہیں۔ خیر میں نے پیارے کالج کی خاطر تھوڑی دیر کے لیے زندہ ہو کر خدمت انجام دیدی، اور پھر دم سادہ کر پڑ رہا۔ کیوں نہ پڑ رہتا؟ جب کہ دیکھ رہا ہوں کہ ہر اولڈ بوائے اپنے زمانہ کی یاد تازہ کر رہا ہے اور کوئی اُس زمانے کو نہیں ... آتا جب کہ میں وہاں رہتا تھا۔ کیا ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۲ء تک کوئی واقعات کالج میں نہیں ہوئے؟۔ وہ کچی بارک جس کا نام میرے بعد "پوپنے فتح آباد" ہوا ... کم مشہور تھا؟ کیا کالج کے کسی اور حصہ نے سعید حسین جیسے ظریف پیدا کئے ہیں جس کے باغِ طبع کا ایک خوشہ چین مسعود ٹامی ہے؟۔

سیّد علی حسن کپتان نے شملہ پر جو میچ جیتا ہے اُس کی خوشیا...

میں سُنائی گئیں اور توقیر حسین (انگلش پوئٹ) کی انگریزی رباعی بورڈ پر لکھی گئی، اور سعید حسین نے اپنی شاندار پنجابی نظم پڑھی۔ چند شعر ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں ۔

شملہ پہ جو ٹیم جائیاں ہیں — اینٹنگ سے انھیں ہرائیاں ہیں
کپتان علی حسن کی ہم کو۔ — یہ ساری ادائیں بھائیاں ہیں

اِس کے ساتھ ہی ایک کلاس فیلو پیارے لال پہ پھبتی ہوئی ہے :۔

ہے فلٹ کی پیارے لال ٹوپی — کالی ڈوری لگائیاں ہیں
انگریزی وضع جو بھائیاں ہیں — لنگے کی بنائی ٹائیاں ہیں۔

غرض یہ کہ اِن واقعات کا یاد رکھنے والا جب ایک بھی نہ رہا تو میرا مرجانا کیا تعجبات سے ہے۔ جب ہم صفیروں سے دنیا خالی ہو جائے تو کس کے آگے خوش الحانی کے جوہر دکھائے جائیں۔

علاوہ بریں میرے مرجانے کی ایک بڑی وجہ ہے۔ وہ یہ کہ مجھے اپنے پیارے بھائیوں سے بہت سی اور بڑی لمبی شکایتیں ہیں۔ سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ میرا کوئی نام ایسا نہ رکھا گیا جس سے مجھے یاد کیا جاتا چونکہ میں بھی ٹونک والا تھا اس لئے ساتویں نمبر کے کمرے میں رہتا تھا۔ جس میں سعید الدین (ٹھنڈائی) کا مسکن تھا، اِس لیے بعض اصحاب تفنّنِ طبع کے طور پر عبد الٹھنڈائی کہتے تھے۔ مگر سوئے اتفاق سے میں ایسا جامہ زیب نہ تھا کہ یہ ڈھیلا ڈھالا لباس ٹھیک بیٹھتا۔ نام وہ جس میں سُننے والے کو مزہ آجائے اس خلعت سے مجھے بے بہرہ رکھا گیا۔

پیارے منظر! تم اس بے انصافی اور ظلم کو تو دیکھو کہ آج تک مجھے اولڈ بوائز ڈنر میں بھی نہیں بلایا گیا۔

جب میں جاورہ میں تھا تو دو عزیزوں سے ملاقات ہوئی تھی

ایک تھے مسٹر ظہور احمد (گھبراؤ) جو شاید اب بالسٹر صاحب ہوآئے ہیں۔ اور دُوسرے مسٹر غلام حسین برادر و ہم خطاب مسٹر سید مصطفےٰ حسین اِن کے برادرانہ برتاؤ سے دل باغ باغ ہوگیا اور اِن سے بھی یہی شکایت کیگئی۔ مگر

کون سُنتا ہی فغانِ درویش
قہرِ درویش بجانِ درویش

ایسی حالت میں تم ہی بتاؤ کہ جیوں یا مروں۔

تم نے پرچہ وی پی بھیجا تھا مگر نہ اس طرح جس طرح ایک بھائی پر حق جتا کر زور جما کر بھائی بھیجتا ہے بلکہ کارڈ میں یہ لکھدیا تھا کہ مسٹر... کے کہنے سے بھیجا جاتا ہے بس یہی غیرت تو مجھے چوٹ ہے۔ میں نے جھلا کر واپس کردیا۔ اللہ اکبر! اب میں ایسا بے حس اور بے اس قرار دیا گیا کہ پیارے کالج کے بیوفا دوستوں کی یاد تازہ کرنے والے کی قدر اگر کروں گا تو مسٹر... کی سفارش سے۔ یہ میرے اخلاق کا انسلٹ ہوا جس کے لیے تم مجھ سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگو۔ اور یہ تین روپے جو بھیجتا ہوں اِنھیں سے پرطو اور چوم کر اپنے خزانے میں رکھدو۔ یہ فقیر کی تین کوڑیاں ہیں جو تین کھونٹ کا حاکم بنائیں گی، اور خاص حلال عین المال میں سے ہیں۔ اچھا اب شکوے شکایت بند ہم تم تو ہمیشہ کے دوست ہی ہیں۔ اوروں سے اتنا عرض کرنا ہے ؎

قطع کیجے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی۔

نہ کبھی کسی کام کرنے میں میری ضرورت پڑتی ہے، نہ کبھی وی حکم مجھے دیا جاتا ہے، نہ یاد کیا جاتا ہے۔ ؎

یوں وفا اُٹھ گئی زمانے سے   کبھی گویا کسی میں تھی ہی نہیں

مسٹر شوکت علی صاحب کہاں ہیں، مجھے ایک خاص معاملہ میں صلاح کرنے کے لیے اُن سے ملنا ہے۔ مسٹر علی سجاد کا پتہ نہیں۔ سُنا ہے کہ کہیں ملازم ہو گئے ہیں۔ اڈیٹر صاحب کی خدمت میں تسلیم۔

سیّد عبد السّلام ٹونک

(ہم نے اپنے بھائی مسٹر سیّد عبد السلام صاحب کا وہ زمانہ دیکھا ہے، جب وہ پڑھتے تھے، وہ زمانہ بھی دیکھا ہے جب وہ پڑھاتے تھے۔ اور اُس زمانے کی بھی ہمیں یاد ہے جب اُنھوں نے ترکِ دنیا کیا تھا۔ اور کیا عجب ہے کہ اُن کی اس حالت کو دیکھ کر کسی نے "انتقال ہوگیا" لکھدیا۔ اس سے صاحب تحریر کی مُراد تغیّرِ حالات ہوگی۔ اب ہمیں یہ معلوم کرکے نہایت مسرّت ہوئی کہ ہمارے بھائی نے پھر جنم لیا ہے۔ اور اب اُنھوں نے اپنے خدمات برادری کی خدمت میں پیش کیے ہیں۔ ہم اپنے بھائی سے معافی مانگتے ہیں کہ اُن کی خدمت میں ہم نے سفارشی وی۔ پی بھیجی۔ اور اُن سے کہتے ہیں کہ ؎

وہ جینا جی کہ مر تا رہ طلب میں
وہ مرنا مر کہ جیتا جا وداں رہ

اخی مسٹر شوکت علی صاحب مشرقی بنگال میں ہیں۔ اور اُن کا موجودہ پتہ "احسن منزل۔ ڈھاکہ" ہے۔ مسٹر علی سجاد صاحب کانپور میں نائب تحصیلدار ہیں۔

(اولڈ بوائے)

مسٹر عبد السلام صاحب فیضی نے وسطِ جولائی میں میمو کا دورہ کرکے بہت سا زرِ تو وصول کیا۔ اُنکے معاونین میں سیٹھ سلیمان جی چینی والا۔ مسٹر عبد الحمید صاحب مسٹر رشید محمد صاحب اور مسٹر اسحاق بیگ صاحب (علیگ) بھی شامل تھے

دُور افتادگاں

ہمارے بھائی مسٹر خواجہ غلام الثقلین صاحب اِن دِنوں حج کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔ اُن کا ارادہ ہو کہ مقدس مقامات کی زیارت بھی فرمائیں۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ اپنے اِس سفر سے واپس آنے پر اُس مقدس سرزمین کے متعلق معلومات کا ذخیرہ بھی خواجہ صاحب اپنے ساتھ لائیں گے، اور اپنے سفرنامہ کے ذریعے سے دُول اسلام کے تازہ حالات سے اسلامی ہند کو عموماً اور ہماری برادری کو خصوصاً ممنون فرمائیں گے۔

دیدۂ سعدی و دل ہمراہِ تست
تا نہ پنداری کہ تنہا مے روی

طبِ جدیدہ کے حاصل کرنے کی جانب ہماری برادری نے پہلے بہت کم توجہ کی تھی۔ مگر چند سال سے ہمارے بھائی اِس طرف مائل ہوئے ہیں۔ چنانچہ اولڈ بوائز میں یہ خبر مسرت کیساتھ سُنی جائیگی کہ ہمارے بھائی مسٹر حافظ حفیظ اللہ صاحب (متوطن بکھرا ضلع اعظم گڈہ) نے لاہور میڈیکل کالج کی ایم۔ بی۔ الین کا گزشتہ آخری امتحان نہایت کامیابی کے ساتھ پاس کیا ہے۔ یہ کلاس ہندوستان میں چند ہی سال سے شروع ہوئی ہے اور امسال جو اُمیدوار کامیاب ہوئے ہیں وہ اِس ملک میں اعلےٰ طبی ڈگری حاصل کرینگے۔ اپنے اس درجے میں ہمارے بھائی تنہا کامیاب مسلمان ہیں۔

پچھلے دِنوں گورنمنٹ پنجاب نے مشاہیر السنہ ہند کو چند انعام تقسیم فرمائے تھے، منجملہ اُن کے شمس العلما مولنا شبلی صاحب، مولوی ظفر علیخاں صاحب اور خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب ایسے مشاہیر ہیں جن کے خدمات اُردو دنیا میں مقبولِ عام ہیں۔ ہمارے بھائی مولوی ظفر علیصاحب نے دوسرا انعام حاصل

کیا جس کی تعداد پانچ سو ہے۔ ہم متذکرۂ بالا دونوں صاحبوں کو عموماً اور اپنے ظفر بھائی کو خصوصاً مبارکباد دیتے ہیں۔ اور خدا سے اُمید کرتے ہیں کہ ہمارے بھائی کو علمی خدمات کی اور زیادہ توفیق عطا فرماوے

ہمارے بھائی یہ سُنکر ضرور خوش ہونگے کہ مسٹر سید محمد ماسب (ڈاکٹر) کے کارخانہ نے خاص ترقی کری ہے اور اب اُن کی ایک شاخ مانگرول دکاٹھیاواڑ میں بھی قائم ہو گئی ہے۔ یہ ہمارے بھائی کے استقلال اور دیانت کا نتیجہ ہے۔ خدا کرے اُنھیں اس سے زیادہ کامیابی نصیب ہو۔

ہمارے پیارے بھائی مسٹر سید سجّاد حیدر صاحب قسطنطنیہ سے جولائی میں "نوشاہ" بن کر آگئے اور اب پھر تین ماہ کی رخصت کی درخواست دی ہے، ہمارے نئے دُولھا کو منصوری پر کئی دعوتیں دی گئیں۔ مسٹر قاری سرفراز حسین صاحب (طبیب النسواں) نے جو دعوت دی تھی وہ اپنی وضع میں نرالی تھی۔ مسٹر سجاد کی "شان" میں جو اشعار پڑھے گئے تھے اُن میں سے چند یہاں درج کیے جاتے ہیں جو دلچسپی سے خالی نہیں :—

آگئے سجّاد حیدر آگئے	آگئے قندِ مکرّر آگئے
چھوڑ آئے اپنی ٹرکن کو وہاں	رکھ کے یاں چھاتی پہ پتھر آگئے
....	....
یہ کریں گے وہ کریں گے دُھوم تھی	کھو کے یاں نوسو چھپتر آگئے
نے بنے حاجی، نہ حاجی جی بنے	ہو کے یہ لُولُو جھندر آگئے

یہ اشعار حضرت میزبان کے تھے جنھیں حاضرین نے بڑے لطف کیساتھ سُنا۔ اخی مسٹر امیرالدین صاحب انسپکٹر پولیس کے یہاں جو دعوت ہوئی اُس میں بھی قاری صاحب نے نغمہ سنجی فرمائی تھی۔ ایک شعر یہ ہے۔ —

گوپیوں کے یہ کنہیّا آ گئے
آ گئے۔۔۔ کے بھیّا آ گئے

یہ بات لطف سے خالی نہیں کہ گوپیوں میں ایک گوپی ہمارے قاری صاحب بھی تھے۔ ہم اپنے بھائی مسٹر سید سجاد حیدر کو اُن کی شادی کی مبارکباد دیتے ہیں۔ اور اپنی نئی بھاوج کا خوشی کے ساتھ خیر مقدم کرتے ہیں۔

ہمارے بھائی سردار اشرف خان بہادر بہت مدت کے بعد اور بڑی اُمیدوں سے ہندوستان آئے تھے، اور اُنھیں مسٹر سید سجاد حیدر صاحب کا کام یہاں دیا گیا تھا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ وہ دوبارہ ایران بھیجے جانے والے ہیں۔ غالباً ۲۵۔ ستمبر کو اپنی جگہ کا چارج دیدیں۔ اگرچہ ہمیں اُن کے یہاں سے جانے کا قلق ہے لیکن اسکے ساتھ ہی ہم اُمید کرتے ہیں کہ وہ اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے ادا فرمائیں گے اور ایران میں جہاں وہ پہلے بھی رہ چکے ہیں، خوش رہیں گے۔

ہمیں یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی ہے کہ ہمارے بھائی مسٹر سید زین العابدین صاحب اوّل تعلقدار ایلچپور (دکن) سے وہاں کی رعایا عام طور پر خوش ہے اور اُنھوں نے جدید اُصول پر اپنے ضلع کا جو انتظام فرمایا ہے اُسے حکّامِ بالادست پسند فرماتے ہیں۔ ہمیں اپنے بھائی سے ایسی ہی اُمید تھی۔

آنجی مسٹر سید محمد حسن صاحب بلگرامی جن کے نام سے ہمارے ناظرین بخوبی واقف ہیں اپنی صاحبزادی کی شادی کرنے وطن تشریف لائے تھے اور اب مراجعت فرمائے حیدرآباد ہونے پر صدر محاسبی میں مددگاری کی خدمت پر سرفراز ہوں گے ہمارے بھائی نے ہم سے سلسلۂ مضامین کا وعدہ فرمایا ہے۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اِمی مسٹر عبدالحق صاحب کا تبادلہ مدد گار نظامت تعلیمات اورنگ آباد پر ہوا ہے۔ اور ہم خوش ہیں کہ سرکار نظام نے اس عہدہ کے لئے ہمارے بھائی کو منتخب فرمایا۔ ہمیں یقین ہے کہ مسٹر عبدالحق صاحب اپنے فرائض کو ایسی ہی خوش انتظامی کے ساتھ ادا فرمائیں گے جیسی کہ اُن کی شہرت ہے۔ نیز ہمیں یہ بھی اُمید ہے کہ ہمارے بھائی علمی مشاغل میں اور زیادہ منہمک رہ کر ملک سے اپنی قابلیت کے داد طلب ہونگے۔

ولایت کی پچھلی ڈاک سے جو خبریں وصول ہوئی ہیں اُن سے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے کالج کے اولڈ بوائے مسٹر محمد احمد مرزا صاحب (خلف اکبر جناب مولوی عزیز مرزا صاحب) نے اس سال کنگز کالج (لندن) سے نو مضامین میں امتحان پاس کیا ہے اور اُن کو سول انجنیری کا ڈپلوما مل گیا ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ آخر اگست تک لکھنؤ پہونچ جائیں گے۔ ہم دونوں باپ بیٹوں کو (جو ہماری برادری میں شامل ہیں) سچے دل سے مبارکباد دیتے ہیں، اور اپنے چھوٹے بھائی کے خیر مقدم کے لیے تیار ہیں۔

مسٹر سید راس مسعود صاحب نے حال ہی میں قانون کے متعلق ایک امتحان پاس کیا ہے۔ اِسی طرح مسٹر سید محمود صاحب (قوم) بھی پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ مسٹر شمشاد احمد خانصاحب نے بھی آکسفورڈ سے بی اے کی ڈگری لے لی ہے، اور اب بیرسٹری کے لیے کوشاں ہوں گے۔

ہم اپنے تینوں بھائیوں کو مبارکباد دیتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ وہ اپنے آئندہ مساعی میں کامیاب ہوں گے۔

اولڈ بوائز

ہمارے بھائی مسٹر سیّد علی ضامن صاحب پیلی بھیت سے نہایت خوشی کے ساتھ اطلاع دیتے ہیں کہ اخی "مسٹر" مولوی میرزا اعظم علی بیگ صاحب جو پہلے پیلی بھیت میں نائب تحصیلدار تھے، اب بہیڑی ضلع بریلی کے قائم مقام تحصیلدار مقرر ہوئے ہیں۔ ہمیں اس سے مسرت ہے اور ہم اپنے عزیز بھائی کو اُن کی جدید ترقی پر مبارکباد دیتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے بھائی برادری کی مشہور مستعدی اور دیانت کیساتھ اپنے فرائض کو انجام دیں گے۔

اشفاق، مصطفیٰ، نادر، لائق، فائق، شفیق، منظر، اور اٹاوہ کے تمام اولڈ بوائز اور اُن کے احباب اس خبر کے سننے سے خوش ہیں کہ اُن کے شفیق بزرگ اور محسن سرپرست عالیجناب خان بہادر مولوی سید علی حسن صاحب وزارت جاورہ سے اب دوبارہ ریاستِ اندور کی ریجنسی کونسل کی ممبری پر تشریف لے آئے ہیں، آپ جاورہ تشریف لے جانے سے پہلے بھی اندور میں اسی عہدے پر حیدرآباد سے وظیفہ حاصل کرنے کے بعد مقرر ہوئے تھے۔ ہم اپنے بھائیوں کو اُن کے بزرگ کے اس تقرر پر مبارکباد دیتے ہیں۔

عزیزی مسٹر سیّد مصطفیٰ حسین صاحب انسپکٹر آبکاری اندور پہلے چند روز سے علیل تھے، اور یہ خبر اُن کے احباب کے لیے نہایت رنج دہ ہوگی۔ خدا ہمارے بھائی کو جلد صحت دے۔

مسٹر عبد الحمید خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر جو پہلے دنوں گاڑی سے گرنے کے باعث صاحب فراش ہوگئے تھے اب بفضلہ اچھی طرح ہیں۔ مگر ابھی غسلِ صحت کی مٹھائی اُن پر باقی ہے جسکے لیے یہاں کے اولڈ بوائز تقاضہ کر رہے ہیں۔

ہمارے کالج کے قابلِ فخر اولڈ بوائے مسٹر عبدالواحد خاں صاحب نائب تحصیلدار میرٹھ سے بہ عہدۂ تحصیلداری جانسٹھ ضلع مظفر نگر تشریف لے گئے ہمارے بھائی پانچ سال سے زیادہ حضور تحصیل میرٹھ میں نائب تحصیلدار رہے اور اپنی کارگزاری اور لیاقت سے ہر شخص کو خوش رکھا۔ مسٹر واحد کے تشریف لے جانے کا سب کو افسوس ہے۔ میرٹھ سے روانہ ہونے کے قبل ان کے دوستوں نے کئی دعوتیں اُن کے اعزاز میں دیں اور کئی صاحبوں کو افسوس رہا کہ وقت کی تنگی کے سبب وہ دعوتیں نہ دے سکے۔ روانگی کے وقت بھی اسٹیشن پر اچھا مجمع تھا۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہمارے بھائی اپنے اہم خدمات کو ایسی ہی لیاقت اور دانشمندی سے انجام دیں گے جیسی اُن سے توقع ہے۔ مسٹر سید حامد علی صاحب تحصیلدار، اور مسٹر عبدالوہاب صاحب زبیری کی جانب سے جو دعوت دی گئی تھی اُس کے بعد ایک نہایت دلچسپ اور بامذاق نظم پڑھی گئی تھی جس میں چند اشعار مسٹر ڈسینڈس کی شان میں قابلِ تعریف تھے۔

اسی سلسلے میں ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اخی مسٹر سید ضیاء الدین صاحب نائب تحصیلدار دیرہ دُون کا تبادلہ میرٹھ کو ہوا ہے، جہاں سے وہ دہلی دربار میں کارِ خاص پر تعینات کیے جائیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ اپنے فرائض کو ہر طرح اچھی طرح ادا کریں گے اور دہلی میں، جہاں اعلیحضرت ملک معظم تشریف فرما ہونے والے ہیں ہمارے بھائی اپنی کارکردگی کو اپنے حکام کے سامنے پیش کریں گے۔

بیگم صاحبہ مسٹر مسعود الحسن صاحب (مراد آباد) جو اپنے والد کے رشتے سے ہماری بھتیجی اور اپنے خاوند کے رشتے سے بھاوج ہیں یونیورسٹی کے متعلق ہمارا ہاتھ بٹانے میں مصروف ہیں اور ہم خوش ہیں کہ اُن کے مساعی ہماری

خواتین میں بار آور ثابت ہوئے ہیں۔ خدا کرے اُن کے ذریعے سے یونیورسٹی کو بہت سا روپیہ وصول ہو۔ ہم یہاں بنت نذر الباقر صاحبہ کی بھی تعریف کرنا چاہتے ہیں جو زنانہ کام کی سکرٹری ہیں۔ بنت نذر الباقر صاحبہ ہمارے بھائی مسٹر سید ظہور حسنین صاحب کی بھتیجی ہیں۔

مشرقی بنگال میں بیس ہزار روپیہ صرف چند شہروں سے ہو گیا ہے اس صوبہ سے ہمیں ڈیڑھ لاکھ کی امید ہے۔ نواب بہادر ڈھاکہ اور آنریبل سید نواب علی صاحب چودھری بڑی سرگرمی سے اس کام میں مصروف ہیں۔ آنریبل سید نواب علی صاحب چودھری ہمارے صوبہ کا دورہ کریں گے علی الخصوص اُن مقامات کا جہاں مسٹر شوکت علی صاحب نہیں جا سکے تھے۔

ہمارا رسالہ پریس میں جا چکا تھا کہ ہمیں ایک خوش کن خبر معلوم ہوئی اور وہ یہ کہ عنقریب ہی بانیان رسالہ خود ولڈ ہوائے کا پریس قائم کرنے والے ہیں اور رسالہ چونکہ خدا کے فضل اور ہمارے بھائیوں کی مدد سے اپنا خرچ خود نکال رہا ہے اس لئے پریس کے لیے ہمارے کسی بھائی کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ خریداروں سے ہمارا پیٹ کبھی نہ بھرے گا

خوشی کے ساتھ رنج کا تعلق قدرتی طور پر ہوتا ہے اور ہماری برادری بھی اس سے خالی نہیں۔ افسوس کہ مسٹر حمید اللہ صاحب کی اہلیہ نے غازیپور میں، مسٹر محبوب علی خاں صاحب کے نوجوان صاحبزادے نے نانپور میں، مسٹر محمد جنید صاحب نعمانی کے بچے نے پھپوند میں، اور مسٹر سید محمد ہاشم صاحب کی صاحبزادی نے باندہ میں، انتقال کیا اور اپنے اپنے عزیزوں کو مرنے والوں نے ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دیا۔ ہم خداوند عالم سے دعا کرتے ہیں کہ انھیں جنت میں جگہ دے اور پس ماندوں کو صبر جمیل عطا فرمائے ہمیں اپنے بھائیوں سے دلی ہمدردی ہے۔

اولڈ بوائے

علی گڑھ

رجسٹرڈ نمبر اے (۵۲۲)

اولڈ بوائے

نمبر (۴) بابت ماہ دسمبر سنہ ۱۹۱۱ع جلد (۲)

اڈیٹر

ابو حامد عترت حسین بی اے علیگ

فہرست مضامین

مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہوا ۱۹۱۱

حسب ایماء عبدالعلیم خاں صاحب میونسپل کمشنر دفتر اولڈ بوائے چھاؤنی بنارس سے شائع ہوا - قیمت سالانہ (۳ عہ)

اولڈبوائے

اس ماہواری رسالہ کے خاص مقاصد یہ ہیں

۱۔ جملہ سابق طلباء مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علیگڈھ کے دلوں میں اُنکے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا اُسکے حالات سے اُنکو باخبر کرنا اور اُسکی ترقی کے لیے ہر طرح کوشاں رہنا۔

۲۔ اولڈبوائز میں رشتۂ اخوت قائم رکھنا، اور اُنکو ترقی دینا، اور اُنکے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

۳۔ "اولڈبوائز ایسوسی ایشن" اور "کالج" کی مالی مدد کے لیے سابق طلباء کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادر مہربان کے خدمتگذاروں میں خود اُسکے فرزندوں کی خدمات کافی و تسلی بخش ہوں۔

۴۔ جملہ اولڈبوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا، تاکہ وہ قومی خدمات میں معتدبہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کرسکیں جو قوم نے اُنپر ہمارے کالج کے قائم کرنیسے کیا۔

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست کیجاتی ہے

۱۔ جملہ خط و کتابت دربارۂ ترسیل زر و تبدیل پتہ "مینجر اولڈبائے" بنارس کو ہونی چاہئے

۲۔ مضامین و دیگر مراسلات بنام "اسسٹنٹ اڈیٹر" "اولڈبائے" بنارس آنا چاہئے۔

اسی طرح ریویو کے لیے کتابیں اور تبادلہ کے لیے اخبارات درست کی ہیں۔

منتظمانِ "اولڈبائے" ہر وقت مفید مشورہ و رفع شکایات کے لیے تیار ہیں اور شکرگذاری کے ساتھ اُنپر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر و مینجر

۶۸۶

اولڈ بوائے

ہمارا "اسٹوریج"

"اسٹوریج" کی تحریک جسقدر ہماری برادری کے لیے ضروری ہی اُس سے زیادہ جمہور قوم کے لیے سبق آموز۔ ہمارے پاس اب تک مضامین آئے ہمنے درج رسالہ کیے، بعض پر کچھ لکھا بھی جو نہ لکھنے کے برابر ہی خدا کے فضل سے ہماری برادری کے ارکان کشمیر سے لیکر راس کماری اور کلکتہ سے لیکر پشاور ہی تک نہیں پھیلے ہوئے ہیں بلکہ دنیا کے اور حصہ بھی بفضلہ ہم سے خالی نہیں، ایسی صورت میں ایک کیا درجنوں اسٹور بھی ہماری ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتے۔ یہ ممکن کیا یقینی ہی کہ اگر کوشش کی گئی تو دس بیس، سو پچاس کے سیکڑوں حصے حسب قرارداد فروخت ہو سکتے ہیں مگر ہم اپنے بھائیوں سے پوچھتے ہیں کہ آپ اپنے اسٹوریج میں کام کرنیوالے کہاں سے لائینگے؟ کسی کام کو شروع کر دینا نہایت آسان ہی مگر اسکو استقلال سے چلانے کے لیے ایک مضبوط دل اور روشن دماغ کی ضرورت ہی۔ ہماری برادری میں اگرچہ

تجارت پیشہ لوگوں کا کال نہیں لیکن جب کہ وہ اپنے اپنے کاموں کو سنبھالے ہوئے ہیں کتنے ایسے ہیں جو اپنا قیمتی وقت "اولڈ بوائز اسٹور ینج" کے نذر کر سکتے ہیں؟ ہم یہ مشورہ کبھی نہ دینگے کہ ہمارے بھائیوں کے چلتے چلاتے کاموںکو معطل کرکے اُنہیں ایک بالکل جدید کام میں لگایا جاے اور ضروری ایثار سے زیادہ اُن سے کام لیا جاوے۔

البستہ یہ ایک مناسب بات ہوگی کہ ہم اپنے بیکار بھائیوں میں سے ایک یا چند کو بمبئی کلکتہ، یا اور کسی مقام کو وظیفہ دے کر روانہ کریں وہاں وہ ہمارے دوسرے بھائیوں اور قوم کے دوسرے سربرآوردہ مسلمانوں کے مشورہ سے کسی بڑے کارخانہ میں کام سیکھیں اور پھر اسٹوریج کی ابتدا کریں ورنہ ہمیں بہت کم امید ہے کہ کسی ناتجربہ کار شخص کے ہاتھ میں کام دینے پر کامیابی ہو۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

اڈیٹر

قصیدہ

در مدح اعلیحضرت قدر قدرت نظام الملک آصفجاہ ہفتم میر عثمان علیخان

بہادر خلد اللہ ملکہ و سلطانہ فرمانروائے ملک دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عالم خیال میں اک سمت ہوا میرا گذر
قوت واہمہ نے پیش کیا اک منظر

دیکھتا کیا ہوں کہ چھوٹا سا مکان ہے کوئی
زیب و زینت میں مگر رشک قصر قیصر

میز و کرسی ہیں کہیں اور کہیں فرش و قالیں
کوچ مخمل کے کہیں اور کہیں مسند زر

چھت کی زینت کے لیے جہاڑ تہے اور ہانگنگ لیمپ
زیب دیوار کہیں آئینہ اسکندر

ریشمی پردے در و در پہ سر تسلیم جہکائے
اور چوکھٹ پہ کہیں چلمنیں ڈالے ہوئے سر

تاب خورشید فلک کا تہا محافظ کوئی
نور چھن چھن کے نکلتا تہا کسی سے باہر

قمقمے روشنی برق کے تہے آویزاں
شمع کا نور سے روشن تہا مکاں سرتاسر

نور کا برق تجلے کے بہلا کیا کہنا
دہوپ نکلی ہوئی تہی رات کو اللہ رے ہنر

جابجا عود قماری کی انگیٹھی روشن
اور گلدستہ بلور سجے میزوں پر

روشنی کا تہا یہ عالم کہ گماں طور کا تہا
اور خوشبو سے بنا طبلۂ عطار وہ گہر

نقرئی کرسیاں تہیں ہال میں بے حد و حساب
صدر میں میز تہی ایک اور تہیں دو کرسی زر

جمع تہے لوگ وہاں بہر تماشہ صدہا
ایک دلچسپ ڈبیٹ ہوگی یہ تہی گرم خبر

میں بھی اک گوشۂ تنہا میں وہاں جا بیٹھا
ٹکٹکی باندھ کے دیکھا کیا میں جانبِ در

یک بیک شور اٹھا یہ کہ مناظر آئے
اہلِ محفل اٹھے تعظیم کو انکے یکسر

جانبِ صدر بڑھے دونوں متانت کیساتھ
بیٹھے وہ میز کے پاس ایک ادھر ایک ادھر

پہلے سن لیجیے کچھ نام و نشاں بھی انکا
اور چہروں پہ بھی پڑ جائے بس ایک ایک نظر

ایک تھے سرو قد و سیم تن و خوش اندام
دوسرے پستہ قد و فیل تن و بد پیکر

ایک کے عضو بدن نور کے سانچے میں ڈھلے
دوسرے صرف سیہ فام کریہ المنظر

ایک تھے مہرِ درخشان صباح اقبال
دوسرے تھے شبِ ادبار کے اک بد اختر

ایک میں جمع تھے سارے ملکوتی اوصاف
دوسرے میں تھیں شیاطیں کی صفت سب مضمر

علم کے نام سے تھا ایک تو مقبولِ انام
دوسرا تھا لقبِ جہل سے مردودِ بشر

خامشی بزم میں چھائی جو ہوئی بحث آغاز
دونوں دکھلانے لگے تیغ زباں کے جوہر

بحث یہ تھی کہ فضیلت سے کسے دنیا میں
علم افضل ہے کہ ہے جہل کا رتبہ برتر

لایا ہر شخص فضیلت پہ دلیل و برہاں
تاکہ دعوے کو مسلم رکھیں اربابِ ہنر

زور ہر شخص نے گو حسبِ لیاقت مارا
دست بردار نہ دعوے سے ہوا پر منکر

سو جوابوں کا جواب ایک تھا بس لا نسلم
اسطرح ٹوٹتی جاتی تھی دلیلوں کی کمر

دیر تک گرم رہا معرکۂ بحث و نزاع
دو فریقوں میں سے قائل نہوا ایک مگر

جوش بڑھتا گیا اور عقل گھٹی دونوں کی
ہاتھ سے رشتۂ تہذیب چھٹا بالآخر

علم نے غیظ میں آکر یہ کہا سن ناداں
تیرا یہ منھ ہے کہ تو بنتا ہے میرا ہمسر

اپنی صورت کو ذرا آئینہ میں دیکھ لے تو
منہ کی کھاتا ہی عبث منہ پہ مرے تو چڑھکر

عقلِ انساں کی ترقی کا میں دیتا ہوں پتہ
صنعتِ صانعِ مطلق کی میں رکھتا ہوں خبر

میں ہی ہوں جسنے چلائے ہیں سمندر میں جہاز
میں نے جاری کیا ریلوں کو زمیں کے سر پر

میرے ہی نور سے بجلی نے جلائے ہیں چراغ
میرے ہی دم سے ہوا باندھے ہے خدمت پہ کمر

آبیاری سے مری باغِ جہاں ہے شاداب ۔۔۔ نخلبندی سے مری ہو گئے سرسبز شجر

قلبہ رانی سے مری غلّہ کا دیتی ہیں خراج ۔۔۔ وہ زمینیں کہ جو مدت سے پڑی تھیں بنجر

میری ہی وجہ سے شیرازۂ لشکر ہے بندھا ۔۔۔ میری ہی ذات سے قائم ہے نظامِ دفتر

اشرفِ خلق ہوا میرے سبب انساں ۔۔۔ ورنہ خلقت میں بہائم سے نہیں تھا بڑھ کر

میں ہوں روشن کنِ کاشانۂ تاریکِ دماغ ۔۔۔ میں ہوں صیقل کنِ آئینۂ اخلاقِ بشر

میرے ہی خوانِ کرم کے ہیں یہ سب زلّہ رُبا ۔۔۔ حکمۃ و فلسفہ و شعر و تواریخ و سِیَر

میں ہوں تعلیم کنِ معنیِ قرآن و حدیث ۔۔۔ میں ہوں تفہیم کنِ مطلبِ تفسیر و خبر

میری ہی وجہ سے آدم ہوئے مسجودِ ملک ۔۔۔ اور خلیفہ ہوئے خالق کی زمیں کے اوپر

الغرض معرفتِ حق بھی نہ حاصل ہوتی ۔۔۔ میں نہ ہوتا اگر ابنائے زماں کا رہبر

اہلِ مجلس نے سنی علم کی جب یہ تقریر ۔۔۔ گونج اُٹھے نعرۂ تکبیر سے دیوار اور در

دل میں کچھ جہل بھی شرمایا سنا جب یہ کلام ۔۔۔ بات کے پاس سے لیکن یہ کہا جھنجھلا کر

ماحصل آپ کی تقریر کا بس میں سمجھا ۔۔۔ خودستائی کا ہے حضرت میں بڑا اک جوہر

گو فضیلت پہ ہے حضرت کو بہت اپنی ناز ۔۔۔ ایک ہی رخ ہمیں تصویر کا دکھلایا مگر

جو فضائل کہ ہیں وابستۂ دامانِ حضور ۔۔۔ خوب بتلایا انہیں آپ نے اک اک گن کر

مجھکو بھی اب ہو اجازت کہ کروں کچھ تقریر ۔۔۔ میں بھی کچھ عرض کروں آپ خفا ہوں نہ اگر

گو شرف حضرتِ آدم کو ملا حضرت سے ۔۔۔ عقلِ ابلیس پہ ڈالے ہیں تمہیں نے پتھر

حق پرستی کی ہی تعلیم کو دیتے ہیں حضور ۔۔۔ خود پرستی کے بھی کھلتے ہیں تمہیں سے جوہر

اب بھلا معرفتِ حق کا تو ہے ذکر ہی کیا ۔۔۔ ذاتِ حق کا بھی بنا دیتے ہو اکثر منکر

زاہد و متقی و نیک بنائے تم نے ۔۔۔ ملحد و دہری و بے دین بنائے اکثر

مرتفع آنکھوں سے کر دیتے ہو پردے کو ضرور ۔۔۔ اسپہ کہلاتے ہو العلم حجاب الاکبر

جی میں آیا تھا کہ تقلید کروں حضرت کی ۔۔۔ اور بتلاؤں جو ہیں ذات میں میرے جوہر

کچھ مگر سوچ کے خاموش میں بیٹھا ہوں ابھی
یہ بھی اسواسطے تاعجز پہ محمول نہو
میں ہی ہوں بار امانت کو اٹھایا جسنے
میرے دعوے کی سند میں ہیں دلیل و برہاں
فیض میرا ہی کہ انساں نہیں ہوتا خودبیں
بس فضیلت پہ مری کافی ہیں یہ دونوں گواہ
یہ جو تقریریں جہل کی سب بول اُٹھے
فیصلہ ہو گیا دشوار بہ نزدِ عقلاء
آخر الامر یہ آپس میں ہوا پھر اقرار
یعنی ... ...
ہو اشاعت پہ اگر علم کی دل سے مائل
تاکہ اطفال مسلمان میں ہو ترویج علوم
فعل سے شاہ کے ہوگا شرفِ علم ثبوت
ورنہ جھگڑا نہ چکیگا کسی پہلو ہرگز
جلسہ برخاست ہوا لوگ سدھارے گھر کو
تاکہ اخبار کرے شاہ کے یہ گوش گذار
شہ نے فرمایا کہ ناحق ہی کشش و پیچ میں تو
شرط ہے قابلیت نفع اُٹھانے کے لیے
اہرِ نیساں کی طبیعت میں نہیں گو کہ خلاف
فیصلہ شاہ کا سُنکر یہ کیا دل میں خیال
اہل دربار سے لوں داد سخن کی اپنی

ختم کرتا ہوں میں تقریر کو دو باتوں پر
ورنہ اس کی بھی ضرورت نہ تھی بندہ پرور
ورنہ طاقت تھی اُٹھا لیتا کبھی اُسکو بشر
اور موجود ہیں تصدیق کو قرآن و خبر
نہیں موتی ہی کمالات پہ کچھ اپنے نظر
یوں تو بکنے کو بکے جاتا ہی انساں فرفر
اس کی تقریر نہیں علم سے ہرگز کمتر
اور فریقین نہ راضی ہوئے باہمدیگر
فعل سے شاہ زماں کے ہو سکے دعوی پر
... ... دلاور کا سر
اور دے جامع اسلام کو لعل و گوہر
اور اقران و اماثل سے بنیں وہ ہمسر
جس میں گنجایش انکار نہو گی تل بھر
فضل کو اپنے کریگا کوئی ثابت کیونکر
حیدرآباد رسا پہونچا بصد زینت و فر
اور سنے فیصلہ وارث علم حیدر
فضل سے علم کے ہوگا کوئی کیونکر منکر
علم کی فیض رسانی میں نہیں شک تل بھر
پر بنا کرتے ہیں بس بطن صدف میں گوہر
مدح حاضر میں عقیدت کے دکھاؤں جوہر
وجد میں لاؤں رقیبوں کو یہ مطلع پڑھکر

ذاتِ اقدس ہی تری سایۂ ذاتِ حق اور
سینۂ صاف ترا آئینۂ روئے رسول
تو ہی ایوانِ خلافت کا ہی رکنِ اعظم
معدلت کا سرِ کسریٰ کی ہی تجھ سے روشن
نام کے ہیں ترے دو جزو علی اور عثمان
تری طینت میں نہاں حلم و حیاءِ عثمان
خاک قدمونکی ترے غازۂ روئے خورشید
لنگر انداز تری وجہ سے دنیا کا جہاز
پائے اقدس سے ترے تخت شہی کی رونق
ذاتِ اقدس ہی تری رونقِ گلزارِ جہاں
زور بازو سے تو ہی پشتِ ضعیفانِ زمان
تیری ایوانِ قضا کا ہے سکندر دربان
فتح و فیروزی و نصرت ہیں ترے گھر کی کنیز
عدل و انصاف کا قانون ہی تجھ سے مشتق
بزم میں تو ہے حنابندِ عروسِ شادی
تو ہے شیرازۂ سیپارۂ قومِ اسلام
تفرقے قومِ مسلماناں کے مٹا ڈالے تو نے
خیر و برکت کا سبب کیوں نہو ماہِ رمضان
آیۂ رحمتِ حق ذات ہی تیری شاہا
تیری تعریف ہی اس بندۂ عاجز سے محال
عرضِ مطلب کے لیے اور پڑھوں اک مطلع

مطلع

تو ہے شانِ احدیت کا جہاں میں مظہر
دلِ پرنور ترا طورِ خدائے اکبر
مبتدا جسکے تھے صدیق تو ہی اسکی خبر
سطوتِ حضرتِ فاروق کا تو ہے مظہر
مالِ عثماں کا ملا ہے تجھے علمِ حیدر
تیری صورت سے عیاں رعب و جلالِ حیدر
گردِ دامن ہی تری سرمۂ چشمِ اختر
تیرے باعث سے رواں زورقِ چرخِ اخضر
فرقِ اقدس سے ترے زینتِ تاج و افسر
نامِ نامی ہی ترا باعثِ نظمِ کشور
دستِ جواد کے شاہانِ زمین دستنگر
تیرے ایوانِ قدر کا ہے محافظ قیصر
بخت و اقبال و حشم ہیں ترے در کے چاکر
علم و اخلاق کے آئین کا تو ہے مصدر
رزم میں نام ترا قلعہ کشائے خیبر
تو ہے آوازۂ تعلیمِ کتابِ اطہر
سلک واحد میں کیے جمع بہتر گوہر
چتر افگن ہو المخلوق پہ فضلِ داور
لبِ جاں بخش کی جنبش ہی کہ موجِ کوثر
تیری توصیف ہی امکانِ بشر سے باہر
اور کردوں ختم قصیدے کو دعا کے اوپر

مطلع

قوم کے عقدہ کشا آئے ہیں تیرے در پر
انکی کشکول گدائی پہ بھی للہ نظر

بھیک لینے کو وہ آئے ہیں خدا کی قدرت
جنکے اسلاف لٹاتے تھے زر و لعل و گہر

حاضر خدمت والا ہیں جو جھولی ڈالے
ہیں صنادید عرب اور عجم سے اکثر

انکے اسلاف بھی تھے مالک تخت و دیہیم
انکے اجداد بھی تھے صاحب تاج و افسر

قوم کے درد سے بے چین ہیں یہ بھی ورنہ
اب بھی اللہ نے بخشا ہے انہیں منصب و زر

اہل اسلام کی حالت نہیں دیکھی جاتی
در بدر پھرتے ہیں اسواسطے جھولی لیکر

آئے ہیں در پہ ترے قبلۂ حاجات ہے تو
"چشم رحمت بکشا سوئے من انداز نظر"

لاکھ دو لاکھ سے کچھ کام نہیں چلنے کا
بھر دے چھپل کو فقیروں کے برائے اور

تیرے ہوتے ہوئے اب جائیں بتا کسکے حضور
ابر نیساں ہی سے ملتے ہیں صدف کو گوہر

گوشۂ چشم کا ہو جائے اشارہ شاہا
تا بنے جامع اسلام ز دست قیصر

تیری فیاضی کا ہنر نہیں اس سے مضر
دست جواد گہر ریز کے دکھلا جوہر

علم کا بول ہو بالا ترے قدموں سے نظام
جہل کمبخت کی اک ضرب سے بس ٹوٹے کمر

جد اعلیٰ نے ترے قوم کی خاطر آفت
یاد ہوگا کہ لٹا ڈالا تھا سب گھر کا گھر

جبکہ اولاد سے تصدیق معظم کی ہے تو
کیا عجب تجھ سے رکھے قوم تمنا یہ اگر

گل مقصود سے بھر دامن اہل اسلام
اسکا بدلہ تجھے بخشیگا خدائے اکبر

ہاں دعا وقت دعا کا ہے نواب خاموش
بہر آمین ہیں جمع سب ملک جن و بشر

یا الٰہی ہے جب تک کہ نظام عالم
اور گردش میں رہیں شمس و قمر شام و سحر

لاجوردی ہو سقف چرخ بریں کی جبتک
اور ہو فرش زمرد کا زمیں کے اوپر

علم جبتک ہے سرمایۂ فخر انساں
عقل جب تک کہ رہے باعث تکلیف بشر

نور اسلام رہے دہر میں جب تک باقی
تیری توحید ہو اسلام کا جزو اکبر

اسم اعظم ہو محمد کا اذاں میں داخل
اور رہے کلمۂ طیب کا وہ جبتک زیور

صدق میں نام ابوبکر ہو جب تک مشہور
پردہ پوشی کرے جب تک کہ حیا عثمان
میر عثمان علیخان رہیں زندہ یا رب
سینۂ حضرت اقدس کا ہو تمغہ العلم
ان کا دربار معلیٰ رہے مسجود ملک
اہل اسلام کی ہے ایک تمنا یہ بھی

اور ہو شہرۂ آفاق جہاں عدل عمر
اور ہو عقدہ کشا علم جناب حیدر
وارو نیا میں بصد عیش و طرب زینت فر
ناخن پائے مبارک سے کھلے گا اس
ان کی سرکار معظم رہے محسود بشر
ھز مجسٹی انہیں فرمائیں زباں سے قیصر

اور دہلی میں ہو جس وقت نزول اجلال
نیر آواب سلامی کے کتیس ہوں سر

از سید محمد حسین رضوی بی اے (علیگ)
متخلص بہ رسا۔

از اجمیر

ایروپلین پر سفر

(۱)

کبھی یہ دل تماشا گاہ تھا عیش و مسرت کا
اب اس میں حسرت و شوق و تمنا بستے رہتے ہیں

—— (۲) ——

خوش قسمت ہیں وہ، جو اس سر زمین میں ایسے گیلے پھرتے ہیں جس کی یاد سینکڑوں ہم جلیسوں کو کسی پہلو کسی کروٹ آرام نہیں لینے دیتی! اور قابل رشک ہے انکی زندگی، جو ایک ناممکن الاظہار جوش کے ساتھ یونین کلب کی چار دیواری

میں ہنس بول رہے ہیں! انکا اُٹھنا، اُنکا بیٹھنا، اُنکا چلنا، اُنکا پھرنا! غرض ان کی ایک ایک حرکت۔ محبت اور بیفکری سے بھری ہوئی حرکت۔ ایسی چیزیں جسکے مقابلہ میں کسی اور دنیاوی اعزاز کی ہزار زندگیاں بھی کوئی چیز نہیں!!

اے اس مبارک زمین کے رہنے بسنے والو! قسم ہے تم کو اپنے اُسی میکدہ کی سرشار کر دینے والی شرابِ تعلیم کی، جسکے نشۂ تربیت میں تم چور ہو اور خمارِ فراق میں ہم مبتلا ہیں کبھی بھولکر چوبیس گھنٹوں میں کسی وقت بھی۔ تمہیں یہ خیال آتا ہی کہ تمہاری زندگی، تمہارا وقت، اور تمہارا بیفکری کا زمانہ، کیسے انمول موتی ہیں جنکو کھوکر آج اکثر دور اُفتادہ دل شکستہ، غمزدہ لوگ آٹھ آٹھ آنسو روتے ہیں!! ممکن ہی کہ تم بعض اوقات اپنی علمی لیاقت، اپنے لکھ دینے کی قابلیت، اور اپنی اعلیٰ سوسائٹی پر دل ہی دل میں غور کرتے ہوئے، فخر کے ساتھ اونچیز مونچھونکو مروڑنے لگتے ہو! لیکن سچ کہنا! ایسا اتفاق بھی کبھی ہوا ہے کہ اسیوقت ان ہی فخریہ لمحوں میں۔ تمہیں کسی دور افتادہ، بسمل صمصام جدائی کا خیال بھی آگیا ہو؟ ناممکن، قطعی ناممکن!! وصال بیفکری سے محظوظ، نشۂ شباب میں سرشار، کالج کے احاطہ میں اٹھلائے اٹھلائے پھرنے والے۔ مہجوران فراق کا، حریفانِ بادیہ کا حال کیا جانیں؟ تمکو کیوں یاد رہنے لگا کہ اسی سرزمین میں۔ اسی احاطہ میں۔ کچھ عرصہ ہوا کہ ایک گروہ آزاد منش اپنی جمہوری طاقت کیساتھ حکمراں تھا جو مدبّغ ہونے کے لحاظ سے، سوشیلائزڈ اور کلچرڈ ہونیکی حیثیت سے، تمہارے برابر نہ سہی۔ لیکن اُس ناقابل بیان جوش یگانگت اور جنونِ محبت کے اعتبار سے بُرا نہ ہانتا۔ تم سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا تھا! وہ محبت کے سودائیوں کی جماعت، وہ گرفتارانِ وحشت کا گروہ، اپنے نہ رُکنے والے جوش اور اپنے نہ بجھنے والے شعلہ کا اظہار۔ بیحد دوڑکر، بے انتہا سوکر، ضرورت سے زیادہ کھاکر، حد سے زیادہ قہقہے لگاکر۔ غرض نئے نئے رنگ میں کیا کرتا تھا

اُس جماعت کا ادنیٰ سے ادنیٰ وحشی، اپنے شعلۂ جنون سے از خود رفتہ ہو کر، بغیر کسی اسٹیم یا الکٹرک مشین کی امداد کے، ہوا میں اُڑنا چاہتا تھا!! مگر آہ! اُس وحشی جماعت کا شیرازہ پراگندہ ہوئے ایک عرصہ ہوا! فراق کے کاٹے نہ کٹنے والی گھڑیوں کے لحاظ سے لکھو کھا برس کا عرصہ دراز ہوا!!! — سہ

مدت ہوئی کہ داغؔ کو سُنتے تھے سوئے دیر
کیا جانئے وہ خدائی کا مارا کہاں ہے اب؟

مگر اب؟ آہ، اب تو زمانہ کے انقلاب کا مارا ہوا، ناکامیوں کے جال میں پھنسا ہوا، جب تنہائی میں تمام دن کی گردش اور افکار کے بعد۔ تھوڑی دیر کے لیے اپنے تھکے ہوئے دل و دماغ کو تر و تازہ کرنے آنکھیں بند کرکے آرام کرسی پر دراز ہو جاتا ہے تو کچھ نہ پوچھیے کہ اسکی قوت تخیل، حافظہ اور اشتراک کے ایرو پلین پر سوار ہو کر اُس بیل صمصام جدائی کو کہاں سے کہاں لیجاتی ہے۔!!

"گلابی موسم ہے، گرمی آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی ہے، رات کو بہ نسبت دن کے ابھی تک اچھی خاصی خنکی ہوتی ہے! صبح کا وقت ہے اور آفتاب تھرتھراتا نکل آیا ہے! دھوپ کیسی دور سے جلوہ دکھانیوالے معشوق کی طرح اسٹریچی ہال کی چھت اور مسجد کے میناروں پر ایک عجیب دُھندلی مگر زرنگار روشنی پھیلا رہی ہے! ٹھنڈی ہوا اپنی آہستہ خرامی کے ساتھ جاگنے والوں کے بدن کو محسوس ہوتے ہی کچھ غیر معمولی خنکی پہنچاتی ہے، اور کچی بارک کے رہنے بسنے والے بعض تو کمروں کے سامنے کسی نہ کسی گفتگو میں مشغول ہیں اور بعض طرح طرح کے لوٹے۔ جنمیں علی گڈہ ہیڈ میڈ مین کے تالوٹ بھی شامل ہیں۔ ہاتھ میں لٹکائے بیت الخلا کے مختلف دروازوں پر صبر و استقلال کے ساتھ اپنے نمبر کے لیے امیدواری کر رہے ہیں! جس طرح صبح بنارس میں گنگا مائی کے کنارے کا نظارہ ہی وہ چیز ہے جسکی یاد میں سیوں

شاعر اور سینکڑوں مستیاح ہونٹ چاٹتے ہیں۔ اسیطرح صبح کالج کا یہ خاص سین اس لائق نہیں کہ چی پارک کا واقعہ نگار کسیطرح بھی اُسکو قلم انداز کر سکے، ممکن ہے کہ بعض لفاست کے پتلے نزاکت کے پوٹ، اس سین پر ناک بھوں چڑہانے لگیں لیکن اُنکو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ یہی وہ خاص چیز ہے جو روزانہ الٹرنوجوانوں صبر اور استقلال کے ساتھ انتظار کرنا سکھاتی ہے تاکہ وہ اپنی آیندہ زندگی میں۔ خصوصاً گورنمنٹ سروس کی تلاش کے زمانہ میں امیدواری کا جیل، منظوری اور نمبر کی قید صبر کے ساتھ کاٹ سکیں!!

آفتاب کسیقدر اونچا ہو جاتا ہے اور امیدواریکے بعد دیگرے مارننگ ڈیوٹی سے فارغ ہوکر یا گذشتہ رات کے ڈائننگ ہال کے اکل و شرب کا حساب دیکر اپنے اپنے کمروں پر واپس پہونچ جاتے ہیں! مسٹر جہانگ مسٹر محبرے کے ساتھ اوپلے فتح آباد سے للا نگر جارہے ہیں جو غالباً ان دونو صاحبان کا مسکن ہے۔ بلکہ انکے وطن اصلی سے ایک خاص نسبت رکہتا ہے! دراز قد ہاؤس مانیٹر۔ بستہ بردار دولت پونشیہ اپنے روم فیلو کے ساتھ گپ شپ میں مشغول ہیں! شروع والے کمروں کے سامنے مسٹر ہنڈرائی کے کمرے سے ملے ہوئے۔ مسٹر احمد شفیع ڈاکٹر اور مسٹر پاکٹ گریجوئٹ انسپریشل ایکسیڈنٹ۔ ادہر اُدہر کی فضول باتوں میں وقت گنوا رہے ہیں اسمر وہوبی اپنے چھوٹے سے قد کے ساتھ مسٹر قلمی بڑے کے ساتھ جو لفضلہ رائیڈنگ کے بڑے شوقین ہیں چہل قدمی میں مصروف ہیں! مسٹر قلمی بڑے کے چھوٹے بھائی مسٹر ٹوٹیٹو۔ جنکو یہ خطاب مسٹر ٹول سے جو فی زمانتاً پرنسپل ہیں حاصل ہونیکا فخر تھا۔ مسٹر بٹر زسوپ کے ساتھ فٹ بال میچ کے متعلق کچھ بڑا پنے گھبراہٹ بھرے لہجہ میں ہانک رہے ہیں اور بہتیا پولیٹیکل اکانومی کنجیوں کا گچھا ہاتھ میں دبائے، نہایت زور کے ساتھ ہوا میں پھرا کر اُنگلی پر لپیٹے اور کہولتے ہوئے۔ ٹول ہوں

کے قریب والے کمرے میں سے اپنی بیڑانہ چال کے ساتھ باہر نکلے ہیں!!

آج اتوار کا دن ہے، اور کالج نہونے کی وجہ سے پارک کے سامنے کا میدان چہل قدمی، سرگوشی، گپ شپ، مذاق اور قہقہوں کا مخزن معلوم ہوتا ہے ٹولیاں کی ٹولیاں ادہر سے اُدہر اور اُدہر سے ادہر چکر کاٹتی پہرتی ہیں! بعض بعض نوجوان کچی پارک سے نکلکر میکڈانل ہاؤس کے سامنے والی سڑک پر کسیطرف جا رہے ہیں! اس کی تو چنداں ضرورت نہیں کہ عالم خیال کا سیاح جانیوالوں کے سر پر تمام راستہ سوار رہے اور ان کی حرکات و سکنات میں سے کوئی بات بہی نظر انداز نہ کرے! البتہ یہ بات کسیطرح چہوڑ دینے کے قابل نہیں کہ جب قوت حافظہ کا ابرو پولین پکی اور کچی پارک پارک پر سرسری نظر ڈالتا ہوا، اپنے دلچسپ دورہ میں صاحب باغ کی طرف جا نکلا تو آزاد منشوں کی جماعت کو کسی خاص گفتگو میں مشغول پاکر، بالا بالا اُڑنے والے نے اپنے سکباز طائر خیال کو روکا اور یاد گذشتہ کے چلتی پہرتی تصویریں لینے والے کیمرے، اور قوت اشتراک کے فونوگراف سے اس جلسۂ پوشیدہ کی حرکات و سکنات اور بحث و مباحثہ کا ذخیرہ اکٹہا کرلیا! اُسی کا لُبِّ لُباب پیش کیا جاتا ہے۔ پڑہیے اور ہنسیے یار دوستو! مگر غالباً آپ ہنسینگے کیونکہ رونا تو ہم جیسے مہجوران فراق نے آپس میں بانٹ لیا ہے؛ کیا ممکن کہ ایک قطرۂ اشک بہی آپ کی چشم خشک تک پہونچ سکے!!

~

ہم مٹ گئے تو پرسش نام و نشاں ہے اب
اس کی تلاش کر کہ محبت کہاں ہے اب

صاحب باغ ایسی چیز نہیں جسکی تصویر کہینچنے کے لیے اتے پتے کی ضرورت ہو یا حدود اربعہ کی حاجت ہو! اسکا نام۔ اور محض نام لے دینا ہی کافی ہے، شوریدہ سر پیران نابالغ کا تو کہنا ہی کیا، خدا جانے کیا کچہہ یاد کر کے کلیجہ پکڑ لینگے؛ لیکن

ایسے حضرات بھی جنہوں نے یادرِ کالج کی آغوشِ شفقت میں زندگی نہ گذاری ہو بلکہ اکثر اوقات محض سیر و تفریح کی خاطر رونق افروز رہ چکے ہوں، صاحب باغ سنتے ہی "ہاں ہاں" کرتے ہوئے اس زور سے اس زور سے سر ہلائینگے کہ چشم بد دور ترکی ٹوپی کا سیاہ پھندنا جھٹکا کھا کر ہوا میں ہلیگا اور انکی زبان سے پہلے انکا مطلب ادا کر دیگا!

اسی باغ میں ایک شکستہ و منہدم چھوٹی سی عمارت بھی نظر آتی ہے جو زمانہ پیر سے کشتم کشتا کرتے کرتے محض پوست و استخوان رہگئی ہے! اسکے بنانے والیکا کھوج نکالنا اور اُسکے بنیادی پتھر کی جسامت اور شکل بیان کرنا تو ہمارا مقصود نہیں ہے اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ ایک ہی صدی کے بعد اس مٹی کے ڈھیر کو کھود کر بڑی بڑی باتوں کا سُراغ لگایا جائیگا، اس کی ایک ایک سالخوردہ استخوان کو۔ مٹی کی طرح جھڑنے والی اینٹ کو تمام علم مربع و مستطیل سے ناپا جائیگا اور اسکا خاک میں رُلجا نیوالا مصالحہ جلا جلا کر اور چکھ چکھ کر پہچانا جائیگا!! خیر، اس فضول بات سے تو ہمیں بحث نہیں۔ مذہب شوریدہ سری میں تحقیقات آثار قدیمہ کو فضول ہی سمجھتے ہیں البتہ یہ بیان کرنا ہمارا فرض ہے کہ اس ٹوٹی پھوٹی دیوار و در پر آزاد ان نا عاقبت اندیش نے وہ وہ راز ہائے سربستہ اور عقدہ ہائے لاینحل، پنسل اور کوئلہ سے چپہ چپہ پر تحریر فرمائے ہیں کہ اگر ہر ایک عبارت لفظ بلفظ نقل کیجائے تو یقیناً ملٹن کی "پیراڈائز لوسٹ" سے زیادہ ضخیم بوستان خیال تیار ہو جائے شاید آگے چلکر بی اے کے کورس میں جزو لاینفک کا کام دینے لگے!

خیر، یہ باغ ہے اور یہ اسکی عجیب و غریب عمارت، جسکے سامنے وحشیان جنون مشرب ٹوپی اُتار کر دماغ کو ہوا دیتے ہوئے، رومال بچھا کر بیٹھے ہیں اور بڑے زور شور کے ساتھ۔ عقل و دماغ کے پورے انہماک کے عالم میں۔ مسئلہ زیر بحث پر طباعی اور بلند پروازی کی روشنی ڈال رہے ہیں! یہ کونسا دن تھا؟ ایک ایسا دن تھا جسکو کالج اور کالج کا یونین۔ اگر بیوفائی پر کمر نہ باندھے تو مشکل سے بھول سکتا ہے

یہ بحث کیا تھی؟ ایک ایسی نتیجہ خیز بحث تھی جو تھوڑے ہی عرصہ میں ایک نئی پارٹی کی صورت
میں کالج کے اسٹیج پر جلوہ گر ہوئی! مسٹر احسان الغفور، مسٹر غفار (بخش یا اور کچھ)
مسٹر نکو بریلوی، مسٹر الطاف حسین بلنک حجر اسود، مسٹر بشیر احسن یا حسین پر یہاں حافظہ
کام نہیں دیتا) مسٹر فیاض الدین گرگٹ اور مسٹر غنی محمد کاتب اعمال کی داوات،
اس جلسہ یا کمیٹی کے خاص الخاص کارکن تھے! یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مسٹر ماریسن عرصہ
ہوا کہ کالج کو خیرباد کہہ گئے تھے، مسٹر کارنا کا پرنسپل رہنے کا زمانہ قریب الاختتام تھا
اور مسٹر آرچبولڈ کی خبر اسدرجہ گرم تھی کہ آج آئے اور کل آئے! مسٹر کارنا کے عظیم الشان
کاموں میں ایک بات یہ بھی ہے کہ اُنھوں نے اپنے زمانہ میں یونین کی بلکہ کالج کی
دو پرانی پارٹیوں رائیلسٹ اور ریپبلیکن میں- فریقین کو سمجھا بجھا کر یا دبا کر زور ڈالکر
مصالحت کرادی تھی اور کیبنٹ وغیرہ کے ممبر رضامندی کے ساتھ آدھے آدھے
منتخب کرلیے جاتے تھے! نہ ووٹ کا لطف باقی رہا تھا، نہ الکشن کا جوش،
نہ کینوس کرنیکا ٹھنڈا شعلہ بھڑکتا تھا، اور نہ پیٹیر ونائز کرنیکا ابر نیساں برستا تھا! زندگی
تھی توسہی مگر بڑی وہ سُست، اور کالج کی اصطلاح میں ڈل لائف! یہ تو اظہر من الشمس
ہے کہ فورتھ ایر کے طالب علم جو اس زندگی کا لطف اٹھاتے اٹھاتے سیر ہو چکے
تھے، اب مصالحت کے رنگ پر قانع تھے، اور بڑے آدمی بن چکنے کے بعد
پُرانی چنگاری کو سلگانا نہیں چاہتے تھے! مگر فرسٹ ایر اور سکنڈ ایر کے طلبا جنکو
اپنے اسکول کے زمانہ میں کالج کے مقابلہ پیدا کرنیوالی زندگی پر بہت کچھ رشک آتا تھا
بھلا کہاں مان سکتے تھے، ان کی رگ وحشت کو برابر حرکت ہوتی تھی اور انکی آتش
جنوں خیرہ ہو کر مشتعل ہوتی تھی! اسی اشتعال نے آج چند سو دائیوں کو صاحب باغ
میں اکٹھا ہونے پر مجبور کیا تھا، اور اسی وحشت نے آج محبت کے دیوانوں کو انجمن راز
قائم کرنے پر آمادہ کیا تھا!! بہت سی تجاویز پیش کی گئیں، بہت سی مخالفتیں اُٹھائی گئیں

پورے دو گھنٹہ کی مغز پاشی کے بعد سب کے سب ایک نتیجہ پر پہونچکر متفق ہو گئے!
اب ان ٹوٹی پھوٹی اینٹوں کے سامنے صداقت اور استقلال کا حلف لیا گیا اور ان
بچے کھچے ورختوں کے نیچے رازداری اور اخوت کے ہاتھ پر بیعت کی گئی! بیٹھنے والے
رومال جھاڑ جھاڑ کر اُٹھے، اور محبت کے جوش اور مستقبل کی امیدیں - دل افگندیم
بسم اللہ مجریہا و مرسیہا - کہتے ہوئے چل کھڑے ہوئے!!! آج کا دن وہ قابل
یادگار دن تھا جسنے تاریخ یونین میں ایک نیا ورق بڑھا دیا! اور یہ گھڑی وہ مبارک
گھڑی تھی جسنے آتش دیرینہ کو پھر سلگا دیا، چمکا دیا، بھڑکا دیا، !!

الکشن میں ابھی کئی مہینے باقی تھے اور امید کے ناپیدا کنار سمندر میں کوشش
و محنت کی کشتی پر سوار ہو کر ہر جگہ کی گہرائی ناپنے کا پورا موقع تھا! بیچارے آفت
زدہ بل کو بھی، اس جذبۂ جنون میں اول دن سے شامل ہونیکی شرمندگی حاصل ہے!
اب عملی کارروائی شروع ہو گئی تھی؛ ہر کارکن نئے نئے رنگ سے راجگھاٹ
میں سے ایک نہ ایک کو اپنے جال میں پھانس لیتا تھا، ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ اس نوگرفتہ
وحشت کا امتحان کیا جاتا تھا۔ اُسے ہر طرح جانچا جاتا تھا، اور جب وہ راسخ الارادہ
اور مستقل مزاج سمجھ لیا جاتا تھا تو پھر ایک دن پوشیدہ کمیٹی کے روبرو انجمن راز
کے مقاصد سے اُسکو آگاہ کیا جاتا تھا اور حسب معمول راستبازی اور رازداری
کا حلف لیکر ممبروں کے گروہ میں شامل کر لیا جاتا تھا! بہت راتیں صبح ہو گئی ہیں
جب ایک راجگھاٹ کو آدمی بنا پایا ہے، اور بہت دن رات بنگئے ہیں جب ایک
گنوار کو تہذیب کا لباس پہنایا ہے! کچی اور پکی بارک کے بہت سے کمرے۔
اگر خدا اُنکی اینٹوں میں زبان دیدے تو - اس جان توڑ کوشش کی گواہی دینے
کے لیے موجود ہیں اور اس انجمن راز کے دورافتادہ ممبر۔ اگر وقت و فرصت انہیں
اجازت دیدے تو۔ اس ان تھک سرگرمی کو بیان کرنے کے لیے بفضلہ زندہ ہیں!

خربزہ پارٹیاں، بیبیاڈیبیٹنگ سوسائٹی، مشاعرہ، اور خدا جانے کون کون سی صورتیں تھیں جن میں یہ رازبستہ کوشش نت نئی جنم لیتی تھی! دلی لکھنؤ کا فٹ بال میچ، کچی بارک کا کبڈی چیلنج، شعبدہ بازی کا مقابلہ اور کیا کچھ نہ تھا جس میں یہ چنگاری جلوہ نہ ہوئی ہو! ان میں سے ہر اک واقعہ اس قابل ہے کہ خدا توفیق دے تو جدا جدا عنوان سے مفصل لکھا جائے اور ان گزشتہ کارناموں کو زمانہ کے بھلا دینے والے ظالم ہاتھ سے بچا لیا جائے!

پورے ڈیڑھ مہینہ کی دماغی اور جسمانی کوشش کے بعد۔ مسٹر آرچبولڈ کے دُور دُورے میں یہ نوساخت چھوٹا سا جہاز کچھ کچھ بھرا ہوا، بندرگاہ یونین کے مقابل میں، بحر ایلکشن کے کنارے پر، یونینیسٹ پارٹی کا جھنڈا اڑتا ہوا لنگر انداز ہوا! (خیر مقدم، خوش آمدید! ولکم!!) ایک دفعہ تو ایسا غلغلہ بلند ہوا کہ قلعہ ایلیٹ کی بنیاد متزلزل ہوگئی اور قصر پلپین کے کئی کنگرے اکڑ کر اُدھر دھڑام نیچے آپڑے! سرزمین مصالحت کے رہنے بسنے والوں کی آنکھیں کھلیں، اور بڑے بڑے گرگان باران دیدہ، اور کپتانان طوفان چشیدہ، قلعہ ایلیٹ اور قصر پلپین کی چھت پر چڑھ کر دوربینی اور حقیقت بینی کی ٹیلیسکوپ سے اس ننھے سے جہاز کو گھورنے لگے! (چشم بد دور! چشم بد دور!!) مگر کہاں؟ یہ سال خوردہ پیران فرتوت۔ تھرڈ ایرا اور فورتھ ایر کے بڈھے بڈھے کپتان۔ جنہوں نے اپنے اپنے زمانہ جہازرانی میں بہت سے طوفانوں کو ادھر سے اُدھر کردیا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ عجیب بلائے بے درماں تھے! اُنہوں نے پہلے ہی نظر میں تاڑ لیا کہ اہل جہاز میں جوش تو ہے مگر پالیسی نہیں، ان میں یگانگت تو ہے مگر تجربہ نہیں! اس لیے یہ پرانے گھاگ قلعہ مذکورہ اور قصر مسطورہ کی چھت پر سے ہنستے ہوئے اُتر آئے، اور بڑا نہایت اطمینان کے ساتھ اپنی قوت پرفن کی مدد سے صلح و آشتی کا سب بن لگر دار

جہاز کے نیچے دوڑانے لگے ۔

اسوقت کالج کے تمام عہدے رائلیسٹ کے ہاتھ میں تھے یا ٹیمین کے قبضہ میں! تمام کیبنٹ، وائس پریسیڈنٹ سے لیکر سکرٹری تک اور لائبریرین سے لیکر ممبر تک۔ ان ہی دونوں پارٹیوں کے زیر اثر تھی! کرکیٹ کے کیپٹن سید آلِ مہدی صاحب پکے رائلسٹ تھے تو فٹ بال کے کیپٹن تصدق احمد صاحب ٹیمین پارٹی کے دور سے دور نظر آجانیوالے لیڈر تھے! مختصر یہ کہ یونین کلب سے لیکر پلے گراؤنڈ تک، اور ڈائننگ ہال سے لیکر بورڈنگ ہاؤس تک، چپہ چپہ پر یہ دونوں پارٹیاں قابض و حکمران تھیں! اب ایک تیسری پارٹی کا وجود؛ اور وہ بھی خلاف توقع؛ دفعتاً سب کی نظر اسیطرف اٹھ گئی۔ اُٹھ گئی نہیں بلکہ لگ گئی، اس نوخیز پودے کو کھا گئی! خوب یاد ہیں وہ چیپٹر جو اشفاق صاحب (احسن حسین یا احمد، قطعی یاد نہیں آتا) گورکھپوری رائلسٹ پارٹی کے لیڈر اپنی متانت آمیز طرز کے ساتھ فیوچر پراسپکٹس کی امید دلانے کے رنگ میں یاد کرتے تھے؛ اور اچھی طرح حفظ ہیں وہ گھسے جو تصدق احمد صاحب دردمندی اور دلجوئی کے رنگ میں مستقبل موہوم کا گرویدہ بنا کر پلا یا کرتے تھے! یونینسٹ پارٹی کے ہیچکارہ سے ہیچکارہ ممبر کی ضرورت سے زیادہ تواضع کرنا، بڑھا چڑھا کر چوتھے آسمان پر بٹھا دینا، دلجوئی کے رنگ میں پیٹرونائز کرنیکا جال بچھانا؛ یہ تھا وہ فرض جسکا ادا کرنا دونوں پارٹیوں کے ہر ہر لیڈر نے۔ کم ازکم اُس زمانہ کے لیے۔ نہایت ضروری سمجھ رکھا تھا! اگرچہ سچی طبیعتوں کو اس پالیسی آمیز مہربانی سے گندم نمائی وجو فروشی سے کچھ بھی جنبش نہیں ہوئی؛ لیکن پانچوں انگلیاں یکساں نہیں ہوتیں؛ اور سچ یہ ہے کہ عاقبت راجگھاٹ زادہ راجگھاٹ شود! بہت سے اللہ کے بندے جو کچھ ان بڑے لوگوں سے سنتے تھے اُسپر بے سوچے سمجھے ایمان لے آتے

تہی اگر شہو کے بنگالی۔ خدا اُنکی قوت ہاضمہ کو نہ شرمائے۔ ایک کے بدلے دو کھانے اور معمولی کی عوض مزعفر کھانے پر رکابی مذہب ہو گئے! اور بہت سے العطش پکار نیوالے تشنہ کام۔ خدا اُنکی تشنگی کو نادم نہ کرے۔ گرم کے بدلے ٹھنڈے پانی، اور پانی کے عوض سیر بھر برف گلاس مشرب ہو گئے۔!!

الیکشن کی صبح۔ جس سے پیشتر کی رات جاگتے ہی جاگتے اور بھاگتے ہی بھاگتے آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔ روزِ بد کا تاج سر پر رکھے ہوئے جلوہ فگن ہوئی! اور آفتاب عالمتاب زرد روئی کے ساتھ دریچۂ مشرق سے سر نکالکر یونین کلب کے دروازہ پر آڑی ترچھی شعاعیں ڈالنے لگا۔ سب سے پہلے جو دو چہرے اس دھوپ میں نظر آئے ان میں سے ایک پلیبین لیڈر کا تھا اور دوسرا ایلسٹ کا! یہ دونوں منکر نکیر، یونین کے اُس دروازہ پر آمنے سامنے پرا جمائے کھڑے تھے جس میں سے داخل ہو کر ایک رائے دہندہ کراماً کاتبین تک پہنچتا تھا! اول تو بہت سے راجکماٹ پہلے ہی سے رکابی مذہب اور گلاس مشرب: اسپر طرّہ ان حضرات کی موجودگی اور گھستے گھستے اُنکے مختصر الخبر: گویا کریلا اور نیم چڑھا! ایسی حالت میں جو کچھ ہونا چاہیے تھا۔ ہوا، اور جس گھڑی کا خوف تھا وہ سامنے آگر رہی! چراغوں جلے قصرِ پلیبین میں تو سنسان تھا، مگر قلعہ رائیلسٹ کے کنگرہ کنگرہ پر برقی روشنی نے عالم نور بنا رکھا تھا۔ اور اسی روشنی میں ایک بوسیدہ مسطول کے پھریرے پر "سنس لُز باب" کے الفاظ صاف نظر آرہے تھے! غرض۔ وہ چمکتا اور دمکتا آفتاب جو صبح کو یونینسٹ پارٹی کے پُر از ولولہ اُمید اور بشاش چہرہ پر اپنی روشنی ڈالتا ہوا طلوع ہوا تھا! شام کو جب غروب ہوا تو اس چھوٹے سے نوساخت جہاز کے ڈوب جانے پر۔ نہنگانِ سیلاب چرب زبانی کا طعمہ ہو جانے پر۔ تاریکی شب کی ماتمی چادر اوڑھتا ہوا! غروب ہوا یکایک کسی غیر معمولی آواز نے یادگذشتہ کے سمندر میں شناوری

کرنیوالے کو ہوشیار کردیا! اور بادۂ دوشینہ کا طائر سبکباز خیال اپنے قوت حافظہ کے ایروپلین پرسوار، گھر گھر ررررا، فوراً نیچے آرہا!

اب پھر وہی تنہائی تھی اور وہی آرام کرسی: وہی دردِ فراق کی چسک تھی، اور وہی لذتِ زخمِ جگر: البتہ ایک سیاہ کمبل والا فقیر اپنے دردانگیز لہجہ میں بار بار یہ شعر گاتا ہوا سامنے کی سڑک پر سے گذر رہا تھا:-

ازصبا پُرس، کہ مارا ہمہ شب تادمِ صبح

بوے زلفِ تو ہماں مونسِ جان ست کہ بود!!

(باقی پھر جب کبھی ایروپلین کی پٹرول ملجائے)

سُلطان حیدر جوشؔ (بی اے علیگ)

قومی لباس

اگرچہ قومی لباس کی نسبت "اولڈ بوائے" میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے لیکن ہنوز دلی دور است کا معاملہ ہے۔ مجھے مسٹر یعقوب سے یہ دریافت کرنا ہے کہ وہ لفظ قوم کی تشریح کردیں۔ دوسرے یہ کہ قومی لباس سے اُنکی مراد اُس لباس سے ہے جو علیگڈھ پہنا جائے یا سارے ہندوستان میں؟ شاید محمد یعقوب صاحب مدعا "اسلامی لباس" یا "مُسلمانانِ ہند کے لباس" سے ہو۔ بہرحال ہر ایک شخص مسلمان بنکر اسلام کے فرقہ میں شمولیت کا حق رکھتا ہے۔ قومیت کا لفظ بہت عام اور مشکل ہے۔ بہتر ہو کہ مسٹر یعقوب واضح طور پر فرمادیں تاکہ اس پر بحث کی جاسکے اگر ان کا خیال یہ ہے کہ تمام مسلمانانِ ہند ایک ہی قسم کا لباس

اختیار کریں تو یہ ناممکن ہے۔ لباس، طرز معاشرت، روزمرہ زندگی اور ملک کی آب وہوا کا نتیجہ ہے۔ جبکہ عرب ایک فاتح قوم تھی تو مفتوح تو مسلمین نے، جیسا کہ آجکل دیسی عیسائیوں کی عادت ہے، عربی لباس کو "الناس علی دین ملوکھم" کے خیال سے پایہ کہ اس محبت سے جو اُنکو ہادی برحق سے تھی اُنکا لباس اختیار کیا اور اب تک جو پرانا لباس باقی ہے یہ سب اُسی کی جھلک ہے۔ خلاف اسکے مسلمان ترقی کر نیہ سے گر گئے، اپنے پرانے لباس کو جو اُنکے بزرگ اور بزرگونکے بزرگ پہنتے تھے معیوب خیال کر کے الناس علی دین ملوکھم کی طرف مائل ہوئے اسلیے میرا خیال ہے کہ مسٹر یعقوب صاحب کا خیال حال کے یورپین لباس کی نسبت ہی اور بہتر بھی یہی ہے۔ لیکن اسپر بھی عرض کرونگا کہ جو کچھ ہو لباس میں اسلامیت کو نہ چھوڑیں ؎

بہر طرزے کہ خواہی جامہ مے پوش
من انداز قدت را مے شناسم

اسلامیت کی خو بو نہ جائے، لباس کا قومی ہونا ہندوستان کے واسطے مہمل ہے۔ پہلے آپ ہندیوں کو ایک قوم تو بنا لو۔ میرے خیال میں ہندیونکو ابھی ایک قوم ہونیکا فخر حاصل نہیں ہے جبکہ مذہباً ہی ہم ضعیف ہوں تو تو ناگ کیسے قوی ہونگے بہرکیف ہمارے بھائی مسٹر محمد یعقوب اپنے اصلی مدعا کو ظاہر فرمائیں۔

من نمیگویم زیاں کن یا بفکر سود باش
اے ز فرصت بے خبر در ہرچہ باشی زود باش

راقم
"مسلمان"

لباس اور قومیت

"اولڈبوائے" کے اوراق میں لباس کے مسائل کو شاید سب سے پہلے ہمارے عزیز بھائی مولوی محمد یعقوب صاحب "قوم" نے چھیڑا، اور اس کے ساتھ ہی فیشن ایبل دوستوں کی بھی دو چار چٹکیاں لے گئے۔ یوں تو کالج کی یاد تازہ کرنے کے لیے بچھڑے ہوئے بھائیوں کو "علیگڈھ کے کھنڈرے" جیسے مضامین موزوں مناسب ضروری غرض سب کچھ ہیں اور خوب ہیں لیکن عملی دنیا کے باہر ہیں اس معاملہ میں تو میں بھائی "قوم" کا قطعاً ہم آواز ہوں کہ "اولڈبوائے" کو اس قسم کے ضروری مضامین سے خالی نہ رہنا چاہیے۔ اُن پھولوں میں جو ہمیں کھوئے ہوئے پیارے زمانہ اور گذری ہوئی عزیز گھڑیوں کی خوشبو سنگھاتے ہیں۔ تھوڑے سے بارآور درخت بھی ہونے ضرور ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ اس باغ میں میوہ بھی ہو اور پھول بھی، بلبل بھی ہو اور قمری بھی جسکے نغمے ہم سنیں اور جوے آب بھی جسکا پانی ہم پئیں۔

لباس کا مسئلہ ہماری قوم کے لیے عموماً اور فرزندان کالج کے لیے خصوصاً نہایت اہم اور نتیجہ خیز ہے۔ جو عالم ہمارے چاروں طرف ہے، جس متضاد خیال دنیا میں ہم اس وقت زندگی بسر کر رہے ہیں یا تو ہم اپنے کو اس سے بالکل جدا کرلیں یا اس جیسے ہو کر رہیں۔ کم از کم اپنی معاشرت میں اور اپنے غیر تعلیم یافتہ بھائیوں کی معاشرت میں اگر ہم یکسانیت نہ پیدا کرسکیں تو کوئی مناسبت تو ضرور پیدا کرلیں۔ کالج سے نکلکر ہماری زندگی کا مشن نہ صرف یہ ہے کہ ہم اپنی معاشرت کو اپنی منشا یا اپنی خواہش کے موافق لوٹ پلٹ لیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ اہم، بہت زیادہ واقع اور بدرجہا زیادہ ضروری ہے۔ ہم قوم کے سامنے کالج کی تعلیم

و تربیت کے زندہ نمونے بنا بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔ اگر یہ نمونے دلچسپی اور رنگا رنگت کے ساتھ نہ دکھے جائیں اور اُن نمونوں سے جمہور کو اُنس کے بجائے بیگانگی پیدا ہونے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ یا تو ہمارا مشن ہی غلط ہی یا ہم خود غلط ہیں اس بحث میں سب سے بڑا حصہ لباس اور اخلاق کا ہی۔ لیکن لباس اخلاق سے پہلے آتا ہی اور آنا چاہئے۔ عام نگاہیں اور عام کیا خاص نگاہیں بھی اول چہرہ پر پڑتی ہیں پھر ولمین اُترتی ہیں پہلے لباس کو دیکھتی ہیں وضع کو دیکھتی ہیں یہی لباس ایلکو دیکھتی ہیں قوم کے ان حضور مغربی جانب مغرب کی روشنی نہ مذہب کا آفتاب ہی ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو کبھی حاکم بنکر جانا پڑتا ہی، کبھی تاجر بنکر جانا پڑتا ہی، کبھی واعظ بنکر جانا پڑتا ہی اور کبھی مصلح اور رفارمر بنکر جانا پڑتا ہی۔ یہ ایک واقعہ ہی اور میں تو یہ کہونگا کہ تقاضائے فطرت ہی کہ ازار اور پگیا والا، کوٹ اور پتلون والے سے چار قدم ہٹ کر نکلتا ہی پبلک موقعوں پر پہلے دیکھتا ہی کہ صاحب لوگ کدھر ہیں۔ اپنی برادری میں جاتا ہے ہنستا ہے بولتا ہی مگر لال ٹوپی والوں سے یا یہ کہو کہ شرماتا ہی یا یہ کہو کہ گھبراتا ہی۔ گھر کے رئیس کلکٹر صاحب کے یہاں بھی کرسی ملتی ہی کبھی کبھی لال ٹوپی والے انکے یہاں چندہ بھی لینے آتے ہیں مگر ریل میں بیٹھتے وقت وہ بھی جھانک کر دیکھ لیتے ہیں کہ بٹیا کون ہی۔ جھانکا تو دیکھا "صاحب" بیٹھے ہیں۔ ہیں تو کالے مگر "لوٹپ" (ر!) لگائے بیٹھے ہیں۔ .... "ارے او قلی! برابر والے درجہ میں ہمارا بکس رکھ دے رقمرو! ذرا چلم لینے آئیو۔ بھئی بہشتنا ذرا سا پانی دیتے جانا" اور وہاں برابر والے درجہ میں "لوٹپ" نیچے سے سگار کا دھواں نیچی لمبی لکیر کی صورت میں کبھی پیچ در پیچ زلف پرشکن کے "موافک" نکل نکل کر برابر کے ڈبوں تک میں "اسپنر ابنڈ گو" کی نکہت جانفزا پہنچا رہا ہی۔ یہ ذرا سا دھواں جو نہ معلوم کہاں سے مگر موچھوں کے نیچے سے نکلتا ہوتا ہی بعض دفعہ نگاہ اولین میں لوہے

کی دیواریں کھڑی کر دیتا ہے اور یہی نقش اول اگر غور سے دیکھو تو ہمارے مشن کی ناکامی کا اکثر باعث ہوتا ہے۔ زیل بابونٹ کے ڈرانے کو جو سوٹ پہنا جاتا ہے (اور بیشتر وہ پرانا والا ہوتا ہے) بعض اوقات اُن غریبوں کو بھی دھوکا دیتا ہے جن کی ہنسیاں سچ پوچھو تو ہمارے وجود کا باعث ہیں! میرے ایک عزیز دوست جو اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے بڑے پرانے ممبر ہیں اور جو ملازمت سرکاری کی آوارہ وطنی میں بھی قوم کے درد سے کسی گھڑی خالی نہیں رہتے، برسہا برس کے بعد پچھلے سال ڈزر میں پہونچ گئے۔ نہ وہاں انہیں کوئی جانتا تھا نہ وہ کسیکو جانتے تھے، مگر وہ اسی دھن میں ہیں کہ بھائیوں سے ملوں۔ پرانی قطع کے آدمی مولوی طفیل احمد صاحب سے چار گرہ اونچا پائجامہ ڈاڑھی میں اُنکے دس بیس بال زیادہ یا کم، دبلے پتلے، آج تک ڈاسن سے آگے کا جوتا نہیں پہنا اور ایک دفعہ زبردستی گھوڑے کی سواری کے لیے ایک برجس بنوا دی تھی تو آجتک کبھی اُسے پہنے دیکھنا نصیب نہوا۔ وہ جو ڈزر سے لوٹے اور میں نے اُنکے حالات پوچھے تو بولے "نا بھیا! وہاں تو میدم پائل کی دکان ہی میں تو، ہاں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سفید ڈزر شرلے کے خرانٹ پر روشنائی کا دھبا کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں انگریزی لباس کا مخالف ہوں۔ بدقسمتی سے میں بھی کبھی مشرق سے مغرب کو بھاگ جاتا ہوں مگر میں یہ کہتا ہوں کہ کم از کم ہمیں اپنی قومی مجلس میں ایسا لباس رکھنا چاہئے جسکو پہن کر ہم جمہور میں انگشت نما نہ ہو جائیں مجھے یاد ہے کچھ بہت دن نہیں ہوئے ایک عظیم الشان قومی موقع پر جہاں بزرگان قوم میں سے اکثر جلیل القدر بزرگ موجود تھے ہمارے دو بھائیوں کے بیٹوں نے سیکڑوں انگلیاں اٹھوائی تھیں لاکھوں زبانیں کھلوائی تھیں، حتے کہ نواب صاحب قبلہ کو بھی کچھ کہنا پڑا تھا۔ غرض ہماری موجودہ ضروریات اس طرز عمل کے بالکل منافی ہیں اور یہی طرز عمل اکثر اوقات عوام میں حاشیوں کے ساتھ تشہیر ہوتا، اور ہمارے مشن میں

پیش از کار رکاوٹیں پیدا کر دیتا ہی کسی قوم میں یکساں لباس کا عام ہو جانا ایک بہت بڑی تمدنی فتح ہے، مگر مسلمانوں سے وہ دن ابھی بہت دور ہے البتہ جہاں تک ہمارے گروہ کا تعلق ہی میری یقینی رائے یہ ہی کہ ہم عوام کی نگاہ ہو جانے پر اپنے لباس اور اپنے اخلاق کو مقبول بنائیں، اور ان میں ملکر نہ ان سے الگ ہو کر اصلاح کی کوشش کریں سید رضا علی صاحب کے میرٹھ کے سلے ہوئے دو سوٹ (جو اضلاع ہوکر میں بی اے سرٹوں سے کہ وہ پہننے کا یاد دلاتے ہے جانیکا فخر حاصل کر چکا ہوں) یا مسٹر ابوالحسن کا ایسکو تیہ اینڈ لارڈ والا سوٹ پولس کٹسبی میں رعب جمانے کے لیے تو برا نہیں مگر یہ غزالِ چشم جنکا وحشت کر دینے والی کے پھندے میں تو آنے کے نہیں البتہ انگرکھے کے بندوں میں خوشی سے لٹک رہتے ہیں (خوب! او لڈ بوائے)۔ اگر ہمیں کوئی کام کرنا ہی تو ہم ناواقف قوم کی ذرا ذرا سی وحشتوں کا بھی پاس کرنا پڑیگا ورنہ رفارمر بننے کا شوق فضول ہی۔

یا شہیدِ جلوۂ ساقی ہو یا میخانہ چھوڑ
ہوش کی پروا نہ کر یا شیشہ و پیمانہ چھوڑ
(حضرت اکبر)

راقم
"خاموش" مراد آبادی

ہمیں خوشی ہوئی کہ ہمارے بھائی مسٹر شاہد حسین صاحب قدوائی ضلع اٹاوہ کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے ہیں؛ جہاں انہیں مادر کالج کا چھوٹا نمونہ ملیگا۔ ہم اپنے بھائی کو مبارکباد دیتے ہیں۔

من تشبہ بقوم فہو منہم

مندرجہ عنوان جملہ مجھے یاد آیا جب میں نے الناس باللباس کا مضمون اولڈ بوائے، میں دیکھا۔ مسلمان منصوری نے نہایت بلیغ موزوں اور زیبا تجویز کی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں مسلمانونکی قوم بننے، قوم کہلانے کی سخت ضرورت ہی اس میں جائے کلام نہیں بلکہ مسلم ہی تخصیص لباس میں جو دقتیں ہیں بسبب مختلف مذاق کے ہی جسکے ہم عادی ہو رہے ہیں کسی کو کوٹ پسند ہی کسیکو شیروانی کسیکو انگرکھا اسی نسبت کو قائم رکھکر ایسا لباس تجویز کرنا ضروری ہی جو ان مختلف خواہشوں اور عادتوں میں مخل بھی نہو اور سب کو ہمرنگ بھی بنادے جس سے قوم پہچانی جائے، کیا جامع اور مانع تجویز کی ہی کہ عبا ہو یہ لباس شاندار بھی ہی کم خرچ بالانشین بھی؛ جیسے ججوں، وکیلوں، بیرسٹروں کا گون جس سے ظاہری صورت یکساں ہو جاتی ہی چونکہ اس مضمون پر اولڈ بوائز سے بعد غور کے رائے طلب ہی لہذا میں کہتا ہوں کہ اور صاحب بھی رائے ظاہر فرما کر اس کی تائید کرینگے۔ ترک اور ایران دو اسلامی سلطنتیں ہیں پس ترکی ٹوپی ایرانی عبا دونوں کا مجموعہ ہند کے مسلمانوں کے لیے علاوہ قومیت کے یہ بھی ظاہر کریگا کہ ہمارا لنکاس انہیں دونوں سے ہی اور یہ سچ اور بناوٹ سے بالکل جدا بھی ہی میں اس رائے پر صاد کرتا ہوں۔ خدا کرے یہ رائے قبول عام حاصل کرے۔

سید محمد ہاشم

از کروی ضلع باندہ

عالم ارواح سے ایک خط

مجھے خود یاد نہیں کہ کس کس زمانہ میں تھا میرے ساتھ کون کون صاحب تھے اور ان میں کتنے زندہ ہیں اور کتنے در گور مگر ہاں یہ ضرور معلوم ہوتا ہی کہ ہمارے زمانہ کا کوئی بھی زندہ نہیں اگر کوئی ہم میں کا بچا کچا ہوتا تو کچھ نہ کچھ حال اُس زمانہ کا بھی تحریر کرتا جس میں کالج میں رہنے کا اپنے فخر حاصل تھا۔ اولڈ بوائے جاری ہوا اور اس ذریعہ سے ہر ایک زمانہ کی یاد تازہ ہونے لگی مگر ۱۸۹۳ء سے ۱۹۰۲ء کے زمانہ کا کالج میں محض مردہ دل حضرات رہتے ہونگے اور یہ بلبلستان ایک دس سال عرصہ کے واسطے بوستان بنگیا ہو۔ ہاں البتہ یہ ہوا ہے کہ اُس زمانہ کے زندہ دلونکی کشتی کو ایکبارگی غرق کر دیا کہ اب ایک بھی ایسا نہ بچا جو کچھ کہہ سنتا۔

خدا بھلا کرے مولانا طفیل احمد صاحب (اور کوئی صاحب پیارے منظر ہیں انکا) جنہوں نے ٹھنڈائی پلا پلا کر عبد السلام ٹونکی کو تو تھوڑی دیر کے لیے پھر زندہ کر لیا (جسکے وہ خود معترف ہیں) مثل مشہور ہے کہ مردہ بولے نہیں اور بولے تو کفن پھاڑ کے بولے عبد السلام زندہ کیا ہوے کہ لگے اپنے زمانہ کے گڑے ہوے مردہ اکھاڑنے، اور اسطرح یہ کہ قرعہ فال بنام من دیوانہ زندہ مردہ جس کی سب سے پہلے مٹی خراب کی گئی وہ میں ہی تھا مرد خدا یہ تو بتاؤ کہ تم نے گن مونکو عالم ارواح سے پھر کھینچ بلانے کی کیوں فکر کی میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری تحریک کے بعد سے روحوں میں ایک خاص حرکت پیدا ہوگئی ہی اور خود میری روح دنیا میں (یا کم از کم دنیاے اولڈ بوا ے میں) پھر ایکدفعہ آنے کو پریشان ہی۔ اس غیر فراموش زمانہ کی ایک ایک بات رفتہ رفتہ یاد آجاتی ہی اور بے اختیار دل چاہتا ہے کہ ان لوگونکو جو اپنا زمانہ یاد کر کے ناز کر چکے ہیں یہ کہا دوں

کہ وہ زمانہ گیا تھا جس میں ہمارا دور دورہ تھا۔

مجکو اپنے دوست کے یہ کہنے سے کہ میں مرگیا اور میرے مرنے کا غم سب کو ہے تھوڑی دیر کے لیے مجھے اپنی موت پر افسوس آیا مگر ساتھ ہی اپنی ایک غزل کا منطقی مقطع جو کالج کے اس زندگی کے زمانہ کا تھا یاد آگیا اور دل کو صبر آنا شروع ہو گیا

سعید سخنور بھی اک دن مریگا
کہ شاعر گئے مر یہاں کیسے کیسے

راقم
ایک مضطرب روح

ہمارے بھائی مسٹر محمد یامین خانصاحب مارہروی۔ تعلیم بیرسٹری کے لیے ولایت روانہ ہوئے ہیں۔ خدا انہیں اپنے مقاصد میں کامیاب کرے اور مع الخیر واپس لائے۔

ہمارے بھائی مسٹر عبد الغنی صاحب بی اے جنہوں نے حال ہی میں رڑکی انجینئرنگ کالج سے پاس کیا تھا جزیرہ سیلون میں سرکاری سرویر مقرر ہوئے ہیں۔ مبارک ہو۔

انجمن ترقی اردو مدت سے بیجان پڑی ہوئی تھی، خدا کا شکر ہے کہ ہمارے بھائی مولوی محمد عزیز مرزا صاحب اس کی جانب متوجہ ہوئے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری جماعت اس کام میں اپنے بھائی کی مدد کرے گی۔

سرزمین علی گڈھ

اے سرزمین علیگدہ! اے ہندوستان کی آنکھ!! اے خطۂ پاک!!! سچ بتا
تیری پیدائش کس مبارک وقت اور کس نیک ساعت میں ہوئی تھی۔ سچ کہنا تجھہ میں
مسلمانوں کے گذشتہ اوج وکمال کے کچھہ ذرّے رہ گئے ہیں۔ ہوا سے تو نہیں آملے
ہیں؟ - آہ یہ ذرّے بساط کے لحاظ سے تو ذرّے ہی ہیں لیکن انکی آب وتاب
کو دیکھو تو مہرِ درخشاں سے کم نظر نہ آئینگے۔ اے پیاری زمین! مجھہ کو اس کے اظہار
میں کیا تامل ہے کہ تیری مٹی میں جو عجیب قوت ہے وہ تجھکو بلا قصد اور بہار تک چلی آئی ہے
اے وطن سے زیادہ عزیز زمین! میرا روئے سخن تجھہ سے ہے۔ دیکھہ! میرے آخری
سوال کا جواب اگر یارائے نطق نہو تو زبانِ حال ہی سے دینا۔ مجھے یہ بتلاوے
کہ تیری تعجب خیز اور حیرت انگیز ترقی کا راز کیا ہے؟ آیا تجھہ ہی میں کچھہ ایسے اجزا موجود تھے
جنہوں نے اپنی مقناطیسی کشش سے اُس بزرگ ملت کی توجہ؛ جسکا نام نامی تیرے
ساتھہ ہمیشہ وابستہ رہیگا اپنی طرف مبذول کی، یا اُس محسنِ قوم نے اپنے مصلح
اور دور اندیشیوں کے خیال سے تجھکو دار العلم قرار دیا؟ ہاں! اب مجھہ سمجھتے
بن آئی ہے سو دہی، تیرے ماضی کی تاریخ خود اس امر پر روشنی ڈال رہی ہے اور تیری
حالت کی تصویر خود اسکا جواب دے رہی ہے بیشک تو ہندوستان کے وسط
میں ہونے کی وجہ سے اسکا دل تھی، وہ طبیب قوم سمجھہ گیا کہ دل سے تو اُسے ریشہ
کی قوت پہونچتی ہے، اسنے سمجھہ لیا تھا کہ تو اس کی محنت اور مشقت کے بوئے ہوئے
وضائع نہ جانے دیگی اسے معلوم تھا کہ جو امانتیں ہزار خواری و رسوائی جمع کرکر
اس جگہ سپردِ خاک کرونگا اُن میں حبّہ بھر کی خیانت نہوگی، وہ جانتا تھا کہ سانچ کو آنچ

نہیں حق کو شکست نہیں، اس کی دوربین نگاہیں اس زمانہ کو صاف دیکھ رہی تھیں جبکہ
ہندوستان میں باطمینان خاطر زندگی بسر کرلے کے لیے انگریزی جاننا ناگزیر ہوگا
اسکا دل مطمئن و متیقن تھا کہ نیک نیتی اور بے لوثی سے جو کام کیا جاویگا اسکا انجام
بخیر ہوگا۔

اے علیگڈھ! تجھمیں ہر نیا سال ایک نئی شان سے آتا اور اسکا خاتمہ ایک نئی
آن بان سے ہوتا ہی یہ سال (۱۹۱۱ء) بھی ایک نئی شان سے شروع ہوا ہی اور ہماری
مسلم قومی لیڈر ہز ہائینس آغا خان بہادر کے "قم" کہنے سے قوم میں ایک تازہ روح
پیدا ہوگئی۔ پس کیا تیرے فرزند (اولڈ بوائز اور پریزنٹ بوائز) مل کر قوم سے اتنا روپیہ
وصول نہ کرلینگے جو اس سال کے آخر آخر تک ہماری قومی یونیورسٹی تیار ہوجاے
اور ہم حضور ملک معظم کو یہ نیا تحفہ نذر کرسکیں۔

سید کلب عباس

از مدرستہ العلوم

ہمارے بہائی مسٹر غلام محی الدین خاں صاحب آزاد بمبئی سے انگلستان
روانہ ہوئے ہیں اور فروری تک واپس آئیں گے۔

ہمارے بہائی مسٹر اظہر علیصاحب آزاد (پیپری ضلع بریلی) پہلے دنوں اسقدر
علیل ہو گئے تہے کہ بیچارہ کی جان کے لالے پڑ گئے ابتشافی مطلق نے انہیں صحت عطا فرمائی ہے

ہمارے بہائی مسٹر شوکت علیصاحب ایک مطول بیماری کے بعد اچھے ہو کر اب پہر
اپنے قومی فرایض کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔

ہمارے مشاہیر

مسٹر نظیر حسین صاحب فاروقی نے اسٹوڈنٹ اسکیم میں اشاعت کتب کی ایک شاخ بھی رکھی ہے اور یقیناً ہمارے لیے یہ ایک مفید تجویز ہے لیکن کیا میں اپنی برادری سے یہ درخواست کرسکتا ہوں کہ ان کتابوں میں مشاہیر کی سوانح عمریاں بھی ہوں۔ سر سید، نواب محسن الملک، مسٹر محمود، خلیفہ سید محمد حسن، خلیفہ سید محمد حسین، مولوی برکت علی، مولوی سید زین العابدین خاں، ڈاکٹر سید علی بلگرامی، مولانا ذکاء اللہ، مولانا آزاد اور مولانا اشہری مردوں میں ہیں اور نواب وقار الملک بہادر، ہز ہائنس سر آغا خاں بہادر، رائٹ آنریبل سید امیر علی، آنریبل نواب عماد الملک بہادر، آنریبل سید علی امام، مولانا حالی، مولانا نذیر احمد، مولانا شبلی، وغیرہ زندوں میں ایسے ہیں جن کی سوانح عمریاں مختصر طور پر جلد سے جلد شائع ہو جانی چاہئیں میں نے مختصر اسلیے کہا کہ مردوں کے ساتھ ہی عورتیں اور بچے بھی ان نعمتوں سے محروم نہ رہیں اور کتاب کی ضخامت دیکھکر انکا جی نہ اکتا جائے۔ حجم زیادہ سے زیادہ سو صفحہ اور کتاب با تصویر اور مجلد ہو اس اہتمام کے لیے قیمت ایک روپیہ نہایت مناسب ہے۔

فی الحال اس سلسلہ کی اشاعت کے لیے یہ طریقہ مناسب ہوگا کہ کتابیں دفتر اولڈ بوائے یا ڈیولی بک ڈپو سے شائع کیجائیں اور منیجر صاحب اولڈ بوائے اپنے خریداروں سے بذریعہ ایک مطبوعہ کارڈ کے یہ اجازت حاصل کریں کہ کم از کم ایک کتاب ہر ایک صاحب ضرور خریدینگے۔

راقم ایک اولڈ بوائے

"مشاہیر کی سوانحعمریاں ہی نہیں بلکہ مختلف علوم کی کتابوں کے شائع ہونیکی ضرورت ہے اور یہ کام جب ہی پورا ہو سکتا ہے کہ ہمارے بھائی اپنے علمی خزانہ سے ہمارا دامن بھردیں۔ ہم جس خدمت کے لائق ہیں حاضر ہیں۔"

اولڈ بوائے

اسٹوریج

اسٹوریج اسکیم جو ہمارے بھائی مسٹر نذیر حسین صاحب فاروقی نے شائع کی ہی واقعی ایک حدتک درست ہی مگر چند باتیں جنکا بیان کرنا ضروری ہی اُس مین زیادہ ہیں یا کم۔ اس قسم کی ایک کمپنی جو علیگڈھ جیسے شہر میں موجودہ ضروریات کو بہم پہنچائے نہایت ضروری ہی اور میں ایک حدتک اس کی تائید کرنے کے لیے تیار ہوں۔ مگر جیسا ہمارے بھائی مسٹر فاروقی نے پچاس ہزار کے سرمایہ کا ٹوٹل کیا ہی وہ ایک لحاظ سے بہت زیادہ ہی۔ اول تو آپ یہ دیکھیے کہ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی سالانہ آمدنی کیا ہی؟ بجٹ (موازنہ) دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ اب قریب بارہ ہزار سالانہ کے چندہ وصول ہوتا ہی، حالانکہ جہانتک میرا خیال ہی ہمارے بہت سے بھائی اپنی آمدنی میں ایک فیصدی جیسا کہ اُنہیں ادا کرنا چاہیے، ادا کرتے ہیں اور اگر بالفرض تھوڑی دیر کے لیے مان لیا جاے کہ خدانخواستہ ہمارے بھائیونکی آمدنی اسیقدر ہی تو پہر پچاس ہزار روپیہ کیسے جمع ہوسکتا ہے، جیسا کہ ایک حصہ کی قیمت پچاس روپیہ رکھی گئی ہی۔ اسکے بارہ میں میری دو رائے ہیں اول یہ کہ حصہ پچاس ہی روپیہ کا رکھا جاے۔ مگر یہ شرط ہرگز ہونا چاہیے کہ ایک شخص زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم ایک ہی حصہ خرید کرے۔ بہتر یہ ہی کہ ہر اولڈ بواے پر یہ لازمی کیا جاے کہ کم ازکم وہ ایک حصہ ضرور خریدے اور یہ بہی اجازت دیجاے کہ وہ زیادہ سے زیادہ پانچ حصے خرید سکتا ہی حصونکی تعداد محدود (لمیٹڈ) کردینا چاہیئے۔ حصے زیادہ سے زیادہ دو ہزار ہوں اور کم سے کم ایکہزار حصوں کے لیمٹڈ کرنے سے کمپنی کے حصوں کی قدر رہیگی اور جلد فروخت ہوجائنگے۔ دوسرے جو بات قابل ذکر اور قابل

لحاظ ہی وہ یہ کہ بیس ہزار روپیہ بنک میں کیوں جمع کیا جاوے ابھی ہمیں تیس ہزار کے جمع کرنے میں جو دقتیں ہونگی وہ بظاہر مشکل معلوم ہوتی ہیں نہ کہ اتنی بڑی رقم فضول بنک میں ڈالدی جاوے اگر خدا نے ہمیں ترقی دی اور ہمارے کل حصے جلد فروخت ہوگئے تو اسوقت ہم بنک میں بھی جمع کرسکتے ہیں اور ایک پتلی گھر بھی بنا سکتے ہیں مگر اسوقت اسکیم کے ساتھ جسکا سرمایہ صرف پچاس ہزار تجویز کیا گیا ہو قریب قریب نصف روپیہ فضول بنک میں کیوں ڈالدیا جاوے۔

حالانکہ پچاس ہزار روپیہ زیادہ نہیں ہے مگر میری رائے کہ فی الحال ہماری اور حصوں کی تعداد دیکھتے ہوئے زیادہ ہے اسلیے کام کی ابتدا ہمیشہ اوسط پیمانہ سے ہونا چاہئے بڑے پیمانہ پر ہرگز ایسا کام جس میں نقصان کی بھی زیادہ امید ہو عقلمندی اور تجربہ کے خلاف ہے۔ یہ مسائلہ چھیڑ اگیا ہے تو کچھ کرنا بھی چاہئے ورنہ شیخ جی کے جیسے منصوبے ہر شخص گانٹھ سکتا ہے خدا کرے ہمارے بھائی اس کی تائید کریں معلوم نہیں انکی مسٹر شوکت علی صاحب اس مسائلہ میں کیوں غافل ہیں اور اپنی رائے دوسرے بھائیوں پر کیوں ظاہر نہیں کرتے۔ بہرحال میں بذات خود ہر طرح سے تیار ہوں اور جب ہماری یہ اسکیم قبول عام حاصل کریگی تو سب سے پہلے حصہ کا خریدار میں ہونگا۔

شیخ افضال احمد علوی۔
از کڑا۔ ضلع الہ آباد

ہمارے بھائی مسٹر صبیح الدین صاحب سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانہ جات احمد آباد کی بیگم صاحبہ کو خداوند کریم نے فرزند زینہ عطا فرمایا ہے۔ خدا ماں باپ اور خاندان کو مبارک کرے۔

کالج انتھم

کیا ہی ہے پیارا پیارا کالج
میرا، تیرا، انکا، کالج
پوچھو سرسید کے دل سے
پنشن لیکر کوئل آئے
پوچھا سب سے کوئی بتائے
سید شیخ ہیں پھرتے مارے
بولے ملا "حق" یا للہ"
چل دیئے یہ کہہ مفتی ملا
قوم بنے گی انش اللہ
تھے ساتھ وقار و مہدی
ق کی تھی یہ گل کاری
آؤ لڑکو آؤ آؤ
اُس دم ہم آہنگ ہو جاؤ
آہا ہا ہا، آہا آہا
افضل و اعلیٰ سب کا پیارا
قوم نے ہستی اپنی مٹادی
پھر سے کشتی پار لگادی
دیکھو اُس کی قبر پہ جاکر
بچو خوب پھلو اور پھولو"

بانکا، ترچھا، رسیلا کالج
قوم کی آنکھ کا تارا کالج
صدمے اٹھائے کیسے کیسے
مُلا، مفتی، قاضی بلائے
کیسے قوم اب ہوش میں آئے
روٹیوں کو محتاج بچارے
بود دریں تقدیر نوشتہ
بولا سید کچھ نہیں پرواہ
پالیا ہے تعلیم کا نسخہ
علم کی عام منادی کردی
ہوگیا فوراً مدرسہ جاری
اپنا سب پر رنگ جماؤ
مل کے "کالج انتھم گاؤ
کون ہے ہم سا قسمت والا
احمد سا پیغمبر بخشا
حق نے پھر اک شان دکھادی
سرسید کو راہ بتادی
آتی ہے یہ آواز برابر
انگلش لیٹن سب کچھ پڑھلو

جو کچھ چاہو پہنو اوڑھو ۔۔۔ دین کو اپنے پر مت چھوڑو
صبح کے وقت نماز کو پڑھکر ۔۔۔ کرلو تھوڑے ڈنڈ اور مگدر
اسکے بعد کلاس میں جاکر ۔۔۔ اپنے سبق کو کرلو ازبر
پانچو وقت نمازیں پڑھ لو ۔۔۔ دین کے سب ارکان پوری کرلو
چھٹی میں سب گھر کو جاؤ ۔۔۔ اچھا واں اخلاق دکھاؤ
سب کو تم گرویدہ بناؤ ۔۔۔ کالج کا یوں نام بڑھاؤ
بی اے جب تم کرکے جانا ۔۔۔ مادرِ کالج کو نہ بھلانا

راقم سید غلام پنجتن

درباغ لالہ روید و در شور بوم خس

سرکار نے جو کھولدیے عام مدرسے ۔۔۔ تحصیل علم کا ہوا شائق ہر ایک کس
بابو ہوئے کوئی کوئی پڑھ کر ہوئے وکیل ۔۔۔ انسانیت سے جنکو نہ تھا پہلے کچھ بھی مس
انجینیر ہوئے تو کوئی ڈاکٹر ہوئے نہ ۔۔۔ بی اے ہزاروں ہونے لگے پاس ہر برس
بنگلے بنائے لوگوں نے جاکر مکاں سے دور ۔۔۔ اپنے پرانے گھر نظر آنے لگے قفس
جب پیٹ بھر کے ملنے لگیں سب کو روٹیاں ۔۔۔ ہونے لگی تب انکو سوراج کی ہوس
ملکی معاملات پہ دینے لگے وہ رائے ۔۔۔ جنکو نہ پالیٹکس میں تھا کچھ بھی دسترس
بی اے ہوئے جو پاس تو گویا بہک گئے ۔۔۔ تعلیم انکے حق میں ہوئی بھنگ اور چرس
ماں باپ کا لحاظ نہ استاد کا ادب ۔۔۔ کہدے کوئی جو ایک سنائیں اسکو بیس
بی اے ہوا جو ہر کس و ناکس تو کیا ہوا ۔۔۔ سعدی نے سچ کہا تھا یہ اسکا قول بس

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شور بوم خس

حافظ ولایت اللہ

اولڈ بوائے کا خیر مقدم

سال گذشتہ میں مسٹر محمد علی (بیل والا) نے رسالہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے ایسی اُلٹی گنگا بہائی تھی اُسے دیکھکر ہمارے بھائی مسٹر خوشی محمد خاں (لانگ فیلو) کی طبیعت میں بھی جولانی پیدا ہوئی اور اُنہوں نے بھی اپنے اس پیام اُمید کے خیر مقدم میں ایک لطیف نظم لکھکر ہمارے پاس روانہ فرمائی جو کارپردازانِ ڈاک کی مہربانی سے منزل مقصود تک نہ پہونچی تھی اب ہماری فرمائش پر بڑی تلاش کے بعد یہ نظم ہمیں روانہ کی ہے جسے ہم نہایت شکریہ کے ساتھ نذر ناظرین کرنے میں یقین ہی کہ ہمارے بھائی پھر بھی ہمیں یاد کرینگے۔

نظم

اے پیک کوے جاناں اس کی خبر سنا دے — غم کی تپش بجھا دے دل کی کلی کھلا دے
اُس بزم دلکشا کا نظارہ بھی دکھا دے — ویرانہ میرے دل کا رشکِ چمن بنا دے
ہے کارزار ہستی حرص و ہوا کی بستی — پھر باد و بزم جم میں اک جام جم پلا دے
دو پہر ڈھلی چلی ہے اب زندگی کی مطرب — بھیرونکی گت بجا دے نورِ سحر دکھا دے
پستی میں آ پڑا ہے عمرِ رواں کا دریا — پھر اوجِ داد یونکے رستے اسے دکھا دے
دل بلغ بغ کر دے روشن چراغ کر دے — وہ خونِ تازہ دم بھر رگ رگ میں پھر چلا دے
وہ عطر زندگانی وہ عہد شادمانی — اے دورِ آسمانی واپس کہیں سے لا دے
اے باغبان ہو تجھکو تخت چمن مبارک — مجکو وہ ہم نوا دے اور میرا گھونسلا دے
اے باد صبحگاہی پھر سیر کر چمن کی — اے شاخ زندگانی پھر تازہ گل کھلا دے

رحمت سے اس کی پہولے سوکہے درخت بن میں
پر فصل گل نہ جا کر آئی میرے چمن میں

احوال بزم کالج اے نامہ بر سنانا
وہ داستاں ہی دلکش رنگیں ہی وہ فسانہ

وہ شعر عاشقانہ وہ جانفزا ترانہ
تا رونقی روشنی میں یاروں کا مل کے گانا

کانوں میں گونج رہی ہی کوئل کی کوک اب تک
ناظر کا ہے وظیفہ اس بن میں گنگنانا

اے وقت رفتہ آ جا پہر وہ سماں دکہا جا
ایسا ہی کیا ہی جانا پہر لوٹ کر نہ آنا

امواج یم سے کشتی اے ناخدا بچا کر
یاران آشنا سے بہر خدا ملانا

دریا میں مل کے جیسے ہوں ندیاں ہم آغوش
بیگانہ کل جو آیا وہ آج تہا یگانہ

وہ بزم یونین تہی گہوارہ کونسل کا
وہ جنگ زرگری میں جنگ آوری کا گانا

کالج کی سرزمیں تہی یا نقش ولنشیں تہی
دل سے خیال اسکا ممکن نہیں بہلانا

ہر طواف جاناں پیر مغاں کے در پر
واں جام شوق پینا اور مست ہو کے آنا

حضرت سے لاکہ پوچہے درد کی دوا کیا
اس حاذق زماں کا اک درد دل بتانا

اس چشم مست میں اک طرفہ یہ کرامت
وہ پہر چلی جدہر کو واں پہر چلا زمانہ

در فصل گل کہ سنبل با گل نگار بندد
ناظر خیال خود را در کوے یار بندد

حضرت ناظر کے ساتہ بندہ حاضر نے بہی طبع آزمائی کی ہی جو ناظرین کی دلچسپی کے لیے درج ذیل ہی :-

آتا ہی یاد اکثر کالج کا وہ زمانہ
وہ نت نیا تماشہ اور نت نیا ترانہ

وہ وال مانٹر سے جنگ و جدال کرنا
اور بہرویں کی نئے میں بہشتو کے گیت گانا

ہونہار کابیوں سے جب ہال رشکِ گلشن	شاخ کباب پر تھا حاضر کا آشیانا
تم کسطرح علادل کھاتے ہو اور چاول	بیماری ہو تمہاری اک افترا بہانا
پڑتا جو پہل چلا، باغوں پہ ہوتا بلہ	گٹھلی کی چاند ماری چھلکے کا تانا شانا
جب پچھلی رات آئی تھی باغ پر چڑھائی	باغوں کے آم میٹھے راتوں کو پل کے کھانا

تعظیم سے اُٹھانا حضرت کی چارپائی
اور مولوی مگن کو . . . . میں سلانا

راقم
ناظر و حاضر

ہمارے لیے یہ خبر نہایت مسرت بخش ہو کہ ہمارے بھائی مسٹر محمد ابراہیم صاحب زبیری رئیس مارہرہ جاپان سے صنعت وحرفت کا امتحان پاس کرکے اپنے وطن آگئے ہیں۔ ہم اپنے بھائی کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

ہمارے بھائی مسٹر شیخ عبداللہ صاحب قابل مبارکباد ہیں کہ اُن کے اور ہمارے دوسرے بھائیوں کے مساعی بارآور ہوئے اور ۸ ماہ گذشتہ کو مسز پور صاحبہ نے ہمارے زنانہ مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ خدا کرے کہ مدرسہ اپنے مقاصد کی اشاعت میں روز افزوں ترقی کرے اور ملک میں کثرت کے ساتھ اُستانیاں بہم پہونچ سکیں۔

اولڈ بوائز

ہمارے لیے یہ خبر نہایت مسرت بخش ہی کہ اخی مسٹر محمد یعقوب شاہ صاحب (اجمیری) حلقہ بمبئی کے انسپکٹر ڈاکخانجات مقرر ہوئے ہیں ہمیں اپنے بھائی سے امید ہی کہ وہ اپنے فرائض کو مادر کالج کی شہرت کے مطابق انجام دینگے۔ ہماری مبارکباد قبول ہو۔

ہمارے بھائی ازیبل مسٹر محمد رفیق صاحب اب صوبہ اودھ کے مستقل اڈیشنل جوڈیشل کمشنر مقرر ہوے ہیں مگر آج کل قائم مقام جوڈیشل کمشنر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ہم سب اس سے خوش ہیں اور اپنے بھائی کو مبارکباد دیتے ہیں۔

ہم خوش ہیں اور یقیناً ہماری برادری کو یہ معلوم کرکے مسرت ہوگی کہ ہمارے بھائی صاحبزادہ سلطان احمد خاں صاحب مشیر عدالت کو حضور مہاراجہ بہادر والی ریاست الیار نے منتظم الدولہ کا خطاب عطا فرمایا ہی جو ہمارے بھائی کی قابلیت اور فرائض کی انجام دہی کی بیّن دلیل ہی۔ ہم اپنے بھائی کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ صاحبزادہ صاحب کو اپنے پیام امید کے ساتھ ابتدا سے دلچسپی ہی۔

خدا کا شکر ہی کہ ہمارے بھائی مولوی حبیب اللہ خاں صاحب ابھی ایک عرصہ تک ریاست کدورہ میں رہ کر انتظام ریاست فرمائینگے اور اس طرح سے نواب صاحب مرحوم (والی ریاست) کے انتقال کے بعد بھی ریاست کو ہمارے لائق بھائی کی معلومات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملیگا۔

ہمارے لیے یہ خبر نہایت رنج دہ ہی کہ آغا سردار اشرف خاں بہادر کے صاحبزادے نے تین سال کی عمر میں وفات پائی بچہ نہایت ذی فہم اور ہر دلعزیز تھا۔ خدا ہمارے بھائی کو اس غم میں صبر عطا فرمائے اور نعم البدل دے۔ ہم اپنے بھائی کے اس غم میں شریک ہیں۔

مسٹر سید اکبر علیخاں صاحب رئیس پنڈراول کی والدہ صاحبہ نے عین اُس حالت میں وفات پائی جبکہ ہمارے بھائی شادی کے بعد اپنی بیگم صاحبہ کو رخصت کرا کے وطن واپس آ رہے تھے؟ اور اسطرح گویا مرحومہ اپنے اکلوتے بیٹے کا سہرا اور اپنی بہو کی رونمائی کی آرزو اپنے ساتھ لے گیئں۔ خدا ہمارے بھائی کو اس غم میں صبر دے۔ مرحومہ کی لاش کربلائے معلیٰ جائیگی خدا مرحومہ کو جنت نصیب کرے۔

ہمارے بھائی مسٹر شجاعت علیخان صاحب اتالیق مہاراجہ صاحب چھولی کُملان ضلع رائے پور کی ہمشیرہ نے پچھلے دنوں وفات پائی تھی اور اب افسوس ہی کہ اُنکے والد ماجد نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا ہو خدا دونوں کو باغ فردوس میں جگہ دے۔

ہمنے یہ خبر نہایت مسرت کے ساتھ سُنی کہ ہمارے بھائی مسٹر غلام محمد بُرگڑی بیرسٹرایٹ لا سندھ کی جانب سے امپیریل کونسل کے ممبر مقرر ہوئے ہیں ہمیں کامل یقین ہی کہ وہ اپنے فرائض کو اچھی طرح ادا فرمائیں گے

عزیزی مسٹر سید لائق حسین صاحب دو ماہ کے لیے نائب مددگار مہتمم بندوبست مقرر ہوئے ہیں؛ جو قلم و نظام میں اُنکی ترقی کا زینہ ہی۔ ہمارے بھائی نے مادر کالج

کو الوداع کہنے کے وقت سے اسوقت تک اپنا زمانہ قومی کاموں میں صرف کیا ہی اور کوئی سال ایسا نہیں جاتا جس میں کسی نہ کسی تعلیم گاہ کی خدمت نہ کرتے ہوں۔

ہمارے بہائی مولوی سید محمد ہاشم صاحب ڈپٹی کلکٹر کروی ضلع باندہ نے تقریب تاجپوشی کے متعلق قطعات تاریخ لکھکر شائع کیے ہیں اور اُنکی چند جلدیں ہمارے پاس بہی بہیجی ہیں۔ ہمارے جو بہائی خواہشمند ہوں ہمیں لکہیں ان لاجوب قطعات کی قیمت کچہہ نہیں ہی

ہمارے ہمدرد و مربی

ہمارے اور اپنی رعایا کے سب سے بڑے ہمدرد اور سب سے مربی اعلیحضرت ملک معظم اور علیاحضرت ملکہ معظمہ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے تخت ہند کو زینت دی ہی۔ ہماری جماعت جس کی وفاداری مسلمہ ہی اپنے بادشاہ اور ملکہ کو مبارکباد پیش کرتی ہی۔

تمام بہی خواہان قوم نے عموماً اور ہماری جماعت نے خصوصاً اس خبر کو نہایت مسرت کے ساتہہ سنا کہ اعلیحضرت نظام خلد اللہ ملکہ نے ہماری یونیورسٹی کے لیے پانچ لاکھ روپیہ دینا منظور فرمایا ہے۔ اب ہمارے بہائی مسٹر اصغری (جنکا اسی باب میں ایک قصیدہ کسی دوسری جگہ درج ہی) خوش ہونگے کہ اُنہوں نے ہماری اور ساری قوم کی جانب سے جو درخواست مملکت ہند کے سب سے بڑے والی ریاست سے کی تہی وہ قبول ہوگئی۔ خدا کرے ہم بہت جلد اس خبر کو شائع کرنے کی اطلاع پائیں کہ اعلیحضرت نے اپنی سالانہ رقم کو چوبیس ہزار سے پچاس ہزار کر دیا ہے۔

علیاحضرت نواب بیگم صاحبہ والیہ عالیہ بہوپال اور آپکے دونوں لائق صاحبزادوں کے خیر مقدم کے لیے ہمارے صفحات میں بہت دیر ہوئی نومبر نمبر ہمارے پاس سے

تیار ہو کر سرکار عالیہ کی تشریف آوری سے بہت پہلے پریس کو بھیجا جا چکا تھا لیکن

اسکو ہونا چاہیئے کہتا
صبح جو جائے اور آئے شام غالب

اب ہم سرکار عالیہ کرنل صاحب اور اپنے چھوٹے بھائی صاحبزادہ حمید اللہ خانصاحب کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

ہمیں اپنے محسن حضور نواب صاحب بہادر والی رام پور کے ولیعہد، صاحبزادہ حسن علیخاں بہادر کی بے وقت وفات کا بیحد قلق ہوا اور یقیناً ہماری تمام برادری اس غم میں حضور ممدوح کے شریک ہے۔ ہمارے اوپر ان صوبجات کے واحد اسلامی حکمراں کے اتنے احسانات ہیں کہ ہم اس غم میں جسقدر آنسو بہائیں کم ہے۔ خداوند کریم حضور موصوف کو صبر عطا فرمائے اور نعم البدل دے۔

پھول تو دو دن بہار جاں فزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

ہز ہائنس سر آغا خاں بہادر سفر ولایت سے مع الخیر واپس تشریف لے آئے۔ ہم اپنی برادری کی جانب سے آپ کا خیر مقدم کرتے ہیں اسلامی یونیورسٹی میں آپ کی تشریف آوری سے تازہ جان پڑگئی ہے۔

قدر دانانِ اولڈ بوائے

کاتب صاحب کی مہربانی سے ہمیں پھر ایکمرتبہ معذرت کی ضرورت ہوئی۔ نومبر نمبر میں ہمارے ناظرین ۹۴ نمبر پر مسٹر نثار احمد صاحب قنوانی پڑھیں نمبر ۱۰۵ پر ہمارے بھائی مسٹر امیر حسین صاحب کی

نام کیساتھ "صاحب" کا اضافہ بھی ضروری ہے اور ہم اپنے بھائی سے عذر خواہ ہیں۔
نمبر ۱۲ پر "پالم پور" چاہیئے نمبر ۲۱ پر ہمارے بھائی مسٹر معین الدین صاحب کے نام کی جو خرابی نکالی گئی ہے اُسے دیکھکر ناظرین کو ایک لطیفہ ہاتھ آئیگا نمبر ۱۴۷ پر محلہ کرنیل کی جگہ خدا معلوم کیا لکھدیا گیا ہے نمبر ۱۵۱ پر چھپا ہوا چاہیے نمبر ۱۶۱ پر ہمارے بھائی مسٹر عبد الوہاب الخیری کو انجیری دیگئی ہے غرض ہم اپنے بھائیوں سے اِس غلطی کی معافی کی درخواست کرتے ہیں یقیناً مکمل فہرست حسب ذیل ہے۔

نمبر شمار	اسمائے گرامی	مقام
۱۸۶	مسٹر محمد وحید صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ لہریا سرائے	دربھنگہ
۱۸۷	مسٹر سید حامد حسین صاحب سب ڈویژنل افسر نہر	پیلی بھیت
۱۸۸	" سید رضا علی صاحب سب ڈپٹی اوپم ایجنٹ بانسی ضلع	بستی
۱۸۹	" اشفاق احمد صاحب انسپکٹر ابکاری سیہور "	جبلپور
۱۹۰	" فخر الدین صاحب شمسی	بانکی پور
۱۹۱	ٹھاکر ہنومان سنگھ صاحب ڈپٹی کلکٹر	گورکھپور
۱۹۲	مسٹر سید حسن صاحب معرفت جناب مسٹر سید محمد احسن صاحب ڈپٹی کلکٹر	ہردوئی
۱۹۳	" مقصود علیخاں صاحب ڈپٹی کلکٹر	لکھنؤ
۱۹۴	" محمد علی بلند اختر صاحب۔ تحصیلدار رڑکی ضلع	سہارنپور
۱۹۵	" عطا حسین صاحب سب انسپکٹر بھرتنا "	اٹاوہ
۱۹۶	" منظفر علیخاں صاحب سکرٹری چنگی	بدایون
۱۹۷	" عزیز الحسن صاحب۔ "	باندہ
۱۹۸	خلیفہ سید ہادی حسین صاحب	پٹیالہ
۱۹۹	مسٹر شاہ عبد الشکور صاحب سربراہ کار بیکاپور "	فیض آباد
۲۰۰	" عبد المجید خاں صاحب رئیس پوٹری ڈاکخانہ جائی "	میرٹھ

نمبر شمار	اسمائے گرامی		مقام
۲۰۱	مسٹر مشتاق احمد صاحب زاہدی - صادق ایجرٹن کالج		بہاولپور
۲۰۲	" محمد حنیف صاحب انسپکٹر آبکاری		کھیری
۲۰۳	" صغیر علی صاحب پروفیسر ہلکر کالج		اندور
۲۰۴	" منظر الحق صاحب ڈپٹی کلکٹر		مظفرنگر
۲۰۵	" میرزا وزیر حسن صاحب سینیئر آڈیٹر لوکل فنڈ		الہ آباد
۲۰۶	" سید محمد ادریس صاحب تحصیلدار موٹھہ	ضلع	جھانسی
۲۰۷	" انیس احمد صاحب جوڈیشل کلارک کلکٹری		ہمیرپور
۲۰۸	" سید التجا حسین صاحب عابدی - نائب تحصیلدار		بستی
۲۰۹	ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب		علیگڈھ
۲۱۰	" سید ولایت حسین صاحب		"
۲۱۱	" شیخ محمد حسین صاحب فارسٹ رینجر نگاسن	"	کھیری
۲۱۲	" سید حسن صاحب۔ سب انسپکٹر کوتوالی		بریلی
۲۱۳	" خلیفہ سید حامد حسن صاحب بی اے - وزیر فینانس		پٹیالہ
۲۱۴	صوبہ دار میجر غلام جیلانی صاحب بستی دانشمندان	"	جالندھر
۲۱۵	" ملک محمد دین صاحب		لاہور
۲۱۶	" سید عبداللہ شاہ صاحب ریاست		مالیرکوٹلہ
۲۱۷	" سید محمد یوسف صاحب باپو اسٹریٹ		ملتان
۲۱۸	" سردار عبدالحمید خاں صاحب		میانوالی
۲۱۹	نواب محی الدین مرزا بہادر		کلکتہ
۲۲۰	" عبدالغنی صاحب		ملتان

نمبر شمار	اسماے گرامی	مقام
۲۲۱	مسٹر حامد مختار شاہ صاحب انسپکٹر پولیس	گجرات
۲۲۲	" مرزا نذیر بیگ صاحب اول تعلقدار	پربھنی
۲۲۳	" علی محمد خاں صاحب	پشاور
۲۲۴	" شیر محمد خاں صاحب	سری نگر
۲۲۵	" سراج احمد صاحب۔ ای اے سی	منڈلا
۲۲۶	" آغا اکرام خاں صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس	جبلپور
۲۲۷	" سید نظیر عباس صاحب۔ افسر جنگلات	ہوشنگ آباد
۲۲۸	" شیخ زین العابدین صاحب۔ نائب تحصیلدار	بام برار
۲۲۹	" الطاف احمد صاحب سب انسپکٹر آبکاری (برار)	امراوتی
۲۳۰	خاں صاحب سید محمد یحییٰ صاحب انسپکٹر پولیس	بیمچھہ
۲۳۱	" محمد اسمٰعیل خاں صاحب ریلوے انسپکٹر ریاست	اودیپور
۲۳۲	" سردار بہادر خاں صاحب ساوان ضلع	ملتان
[illegible]	" امانت علی صاحب سکرٹری جنگی	جھانسی
۲۳۴	" مظفر حسین صاحب نواب گنج	بریلی
۲۳۵	خان بہادر مولوی سید علی حسن صاحب ممبر کونسل	اندور
۲۳۶	" محمود الحق صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل	ہردوئی
۲۳۷	خان بہادر نواب سید علی حسن صاحب رئیس	لکھنؤ
۲۳۸	" شیخ وحید الدین صاحب "	میرٹھ
۲۳۹	" بشیر علیخاں صاحب نائب تحصیلدار مہوبا	ہمیرپور
۲۴۰	" سید معصوم علی صاحب سب انسپکٹر بارا ضلع	بدایون

نمبر شمار	اسمائے گرامی		مقام
۲۴۱	مسٹر احمد حسین صاحب۔ ای اے سی		چندواڑہ
۲۴۲	" جمیل الدین صاحب نائب تحصیلدار		اٹاوہ
۲۴۳	" علی احمد صاحب سلطان پور کماری	ضلع	سہارنپور
۲۴۴	" سید اعجاز علیصاحب ڈپٹی کلکٹر		لکھیت
۲۴۵	خان بہادر مولانا ایچ ایم ملک رئیس مہدی باغ		ناگپور
۲۴۶	" محبوب علیخاں صاحب سب انسپکٹر گریڈی	"	ہزاری باغ
۲۴۷	" سید خورشید حسن صاحب عابدی گلباغ	دکن	حیدرآباد
۲۴۸	" جلال الدین صاحب نواب گنج	ضلع	بارہ بنکی
۲۴۹	" عبد العزیز صاحب نگینہ	"	بجنور
۲۵۰	" سید علی عابد صاحب		آگرہ
۲۵۱	" عبد الحمید خاں صاحب سب انسپکٹر پولیس لائن		بدایون
۲۵۲	" شوکت علیصاحب۔ منیجر کورٹ آف وارڈس		ناگپور
۲۵۳	" مرزا محمد سعید صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج		"
۲۵۴	" میاں نور الدین صاحب ضلعدار ٹوبا ٹیک سنگھ۔		پنجاب
۲۵۵	" کے۔ ایم اسلم صاحب۔ سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانجات کویلان جنوبی ہند		
۲۵۶	" غلام محی الدین صاحب رئیس بیکا سرائے۔ ڈاکخانہ مچھلی شہر	ضلع	جونپور
۲۵۷	مولوی طفیل احمد صاحب سب رجسٹرار		بریلی
۲۵۸	" اظہر علیصاحب بی اے ایل ایل بی وکیل		لکھنؤ
۲۵۹	" احسان عظیم صاحب انسپکٹر ڈاکخانجات		بریلی
۲۶۰	" مسٹر عبد الحمید صاحب رئیس رسول پور وہولڑی	"	میرٹھ

جلد ۳ نمبر ۲ جنوری ۱۹۴۳

اولڈبوا

علی گڑھ

نمبر (۴) بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۲ء جلد (۳)

اڈیٹر

ابو حامد عترت حسین بی اے (علیگ)

فہرست مضامین

باہتمام مولوی رشید احمد صاحب انصاری

باہتمام مولوی رشید احمد صاحب انصاری مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہوا

حسب ایما عبد العلیم خان صاحب میونسپل کمشنر دفتر اولڈ بوائے چھاونی بنارس سے شائع ہوا قیمت سالانہ ے

اولڈ بوائے

اس ماہواری رسالہ کے خاص مقاصد یہ ہیں

(۱) جملہ سابق طلباء مدرستہ العلوم مسلمانان علیگڈھ کے دلوں میں ان کے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا اُس کے حالات سے اُن کو باخبر کرنا اور اس کی ترقی کے لیے ہر طرح کوشاں رہنا۔

(۲) اولڈ بوائز میں رشتۂ اخوت قایم رکھنا اور اُن کو ترقی دینا، اور اُنکے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

(۳) "اولڈ بوائز ایسوسی ایشن" اور "کالج" کی مالی امداد کے لیے سابق طلباء کو ترغیب دینا او عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادر مہربان کے خدمت گزاروں میں خود اُس کے فرزندوں کی خدمات کافی اور تسلی بخش ہوں۔

(۴) جملہ اولڈ بوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا، تاکہ وہ قومی خدمات میں معتد بہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کرسکیں جو قوم نے اُن پر ہمارے کالج کے قایم کرنے سے کیا۔

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست کیجاتی ہے

(۱) جملہ خط و کتابت دربارۂ ترسیل زر تبدیل پتہ منیجر اولڈ بوائے بنارس سے ہونی چاہئے

(۲) مضامین و دیگر مراسلات بنام اسسٹنٹ اڈیٹر اولڈ بوائے بنارس سے آنا چاہیئے اسی طرح ریویو کے لیے کتابیں اور تبادلہ کے لیے اخبارات و رسائل بھی۔

منتظمان اولڈ بوائے ہر وقت مفید مشورہ و رفع شکایات کے لیے تیار ہیں اور شکرگزاری کے ساتھ اُن پر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر و منیجر

۶۸۶

اولڈ بوائز

چند ہفتے ہوئے میرے اخی معظم و مکرم جناب مولوی مقبول عالم صاحب بی۔ اے ایل۔ ایل بی نے جو آیندہ اولڈ بوائز کے پدر بزرگوار ہیں مجھ سے فرمایا کہ میں اولڈ بوائے کے پرچہ میں اولڈ بوائز کی تعریف و ستایش سنتے سنتے تھک گیا۔ وہ اپنے ذاتی تجربہ کے لحاظ سے ہماری جماعت سے ناخوش ہیں اور اس کو ناکارہ بتاتے ہیں بلکہ یہ کہنے لگے کہ اگر یونیورسٹی ایسے ہی ہاتھوں میں رہی تو اُسکا خدا حافظ۔ ایک طرف تو ہم پر اپنی جماعت کی بیجا مدح سرائی کا الزام ہے۔ دوسری طرف ہماری ہی جماعت کے بعض اصحاب ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ ہماری نکتہ چنیاں کبھی کبھی اُن کو نہایت تلخ اور ناگوار گذرتی ہیں۔ اوّل الذکر قسم کے اعتراضات ہمارے سر اور آنکھوں پر۔ جناب مولوی مقبول عالم صاحب کے سے بزرگوار ہم پر جسقدر چاہیں بوچھاڑ کریں۔ اُن کی باتیں ہمکو ہرگز بُری نہیں معلوم ہوسکتیں۔ وہ گو اولڈ بوائے نہیں ہیں لیکن بہت سے اولڈ بوائز سے اچھے ہیں۔ زبان سے وہ جتنا چاہیں ہمکو بُرا بھلا کہیں لیکن ہم اُن کے دل کا حال خوب جانتے ہیں۔ وہ دل سے اگر ہماری وقعت نہیں تو کم سے کم محبت ضرور کرتے ہیں۔ ہم بھی ایسے بزرگوں کی دل سے عظمت کرتے ہیں اور اُن کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اپنا فخر سمجھتے ہیں۔

آخر الذکر قسم کے اعتراضات کے متعلق ہمکو قدرے توضیح کی ضرورت ہے۔ اگر ہماری باتیں کچھ ناگوار گذرتی ہیں تو ہم اس کے لیے معذور ہیں۔ اولڈ بوائے جہاں پیام امید ہے جہاں وہ دعوت یگانگت اور یکجہتی کا قاصد ہے وہاں محتسب کا دُرّہ بھی اُس کے ہاتھ میں رہتا ہے جو ذرا سی غفلت

اور چوک کو بلا سرزنش کے نہیں چھوڑ سکتا۔ ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ہمارا طبقہ نقائص سے پاک ہے
ہم نہایت متجسس نگاہوں سے اپنے عیبوں کو ڈھونڈھینگے اور جہاں کہیں اُن کو پاوینگے وہیں اُنکے
استیصال کی فکر کرینگے۔ ہمارے لیے یہ ایک ناقابل معافی جرم ہوگا اگر ہم اولڈبوائے کو زرکشی کا
آلہ بنائیں اور اپنا مقصد یہ رکھیں کہ جہاں تک ہو اپنے خریداروں کو خوش اور محفوظ رکھیں۔ ابتدا
میں بعضوں نے ہم پر شک او رشبہ کی نگاہیں ڈالی تھیں اور یہ خیال کیا تھا کہ ہم کسی فریق کی جانبداری
کرینگے لیکن خدا کا شکر ہے کہ تجربے نے لوگوں کے ان خیالات کو مٹا دیا اور ہمارا وعدہ پورا ہو کر رہا۔

ہمکو نہایت شرم آتی ہے جب ہم کسی کو اپنی جماعت پر حرف گیری کرتے ہوئے دیکھتے ہیں جب
کوئی نکتہ چینی صحیح ہوتی ہے تو اُس وقت ہمارے رنج و افسوس کی کوئی انتہا نہیں باقی رہتی۔ میں اس
طرف یونیورسٹی کے لیے تین ماہ تک برابر باہر رہا اور مجھے نہایت افسوس کے ساتھ یہ ظاہر کرنا پڑتا ہے
کہ میں نے جو انداز اپنے بھائیوں کا دیکھا وہ سخت دل شکن تھا جس ضلع میں میں اس کام کے لیے
گیا تھا وہاں خدا کے فضل سے ہمارے بھائی معزز عہدوں پر فائز ہیں لیکن مجھے اس کہنے میں ذرا
پس وپیش نہیں ہے کہ میں نے یونیورسٹی کے معاملہ میں باستثنای چندکسی میں حقیقی دلچسپی نہیں دیکھی۔
ہمارا کام زبانی جمع خرچ سے اب نہیں چلنے کا اور نہ ہمکو زبانی جوش وخروش کی ضرورت ہے۔ ہمکو تو
کام کی ضرورت ہے اور اگر یہ نہیں تو ہماری ساری قومی تعلیان بیکار ہیں۔ اس سے زیادہ تلخ
تجربہ کیا ہوسکتا ہے کہ بجائے اس کے کہ ہمارے بھائی ہمکو کچھ مدد دیتے وہی ہمارے لیے سنگ راہ
ثابت ہوئے۔ اکثر بڑی بڑی موعودہ رقمیں مجھے اس وجہ سے نہیں مل سکیں کہ میں نے جب ان کا
مطالبہ کیا تو مجھ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ فلاں اولڈبوائے نے کیا دیا اور مجکو اس سوال
پر ہکا بکا ہوجانا پڑا ہمارے بعض بھائیوں نے مجھ سے یہ فرمایا کہ اُنھوں نے اپنا چندہ علیگڈہ بھیجدیا ہم
میں نے تو یقین کرلیا لیکن پبلک نے اس بیان کو تبسم کے ساتھ سُنا۔ گورنمنٹ عالیہ کے سرکار سے
جس میں چندہ کی تحریک کے لیے کسی قسم کی ممانعت نہیں تھی میں نے اپنے دو ایک بھائیوں کو ایسا
مرعوب پایا کہ مجھے ہمت نہیں ہوئی کہ میں اُن سے چندہ کی درخواست کرتا۔ ایک صاحب نے مارے

خوف کے اپنے ایک عزیز کو جو میرے ساتھ نہایت مستعدی اور محنت سے کام کر رہے تھے یونیورسٹی کا کام کرنے سے روک دیا۔ یونیورسٹی کا معاملہ ہمارے لیے سب سے زیادہ اہم ہے اور اگر ہم دوسروں سے اس میں پیچھے رہے تو یہ ہمارے لیے ہمیشہ کے لیے ایک سخت دھبہ ہوگا جو چھڑائے نہ چھوٹیگا۔ ہمارے لیے سخت ذلت ہے کہ ہم دوسروں کی فیاضی کو تکا کریں اور خود کچھ نہ کرسکیں۔ یہی ہمارے امتحان اور آزمایش کا وقت ہے۔ ہماری رائے ہے کہ ایک خاص فہرست اولڈبوائز کی تیار کیجائے اور اُس میں یہ دکھایا جائے کہ اُنھوں نے یونیورسٹی کے لیے خود کیا دیا اور دوسروں سے کیا دلوایا۔ اور جبتک یہ رقمیں سب پر فوقیت نہ لیجائیں اُنکو نچلا نہ بیٹھنا چاہیئے۔

اڈیٹر

ہمارے بھائی ڈاکٹر ضیاءالدین احمد صاحب نے کالج سیکنڈر کو اس مرتبہ نہایت دماغ سوزی سے مرتب کیا ہے اور اس میں ہماری دلچسپی کی بہت سی باتیں موجود ہیں۔ اور کالج اور سر سید مرحوم کی تصاویر نے کتاب کے حسن کو دوبالا کردیا ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہمارے بھائی اپنے پاس اس کا ایک ایک نسخہ ضرور رکھینگے۔ قیمت کتاب پر درج نہیں مگر ہمارا خیال ہے کہ ایک روپیہ (عہ) یا ایک روپیہ آٹھ آنے سے زیادہ نہ ہوگی

ہم ممنون ہیں اپنے بھائی مسٹر سید مصطفےٰ حسین صاحب رضوی اور مسٹر سید غلام حسین صاحب رضوی کے جنھوں نے ایک خاص موقع پر ہمیں بہت سے اولڈبوائز سے ملنے کا موقع دیا۔ ہم اُنکی مہمان نوازی کے بہی شکر گزار ہیں۔

نماز روزہ

ہمارے پیام اُمید میں ان دنوں بہت اچھے مضامین شائع ہو رہے ہیں۔ خاصکر "اولڈبوائے اسٹوپیج" اور "قومی لباس" پر جو بحث ہو رہی ہے ضرور قابل داد ہے۔ میں ایک ایسے مضمون کی جانب اپنی برادری کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں جو ہر مسلمان کے لیے عموماً اور تعلیم یافتہ گروہ کے لیے خصوصاً توجہ طلب ہے۔

میرا عنوان "روزہ نماز" ہے اور میں نرم کے ساتھ اپنی برادری کو اس لیے مخاطب کرتا ہوں کہ ہمیں سرسید نے قوم کا گل سرسبد فرمایا تھا اور ہمارے ساتھ اُن مرحوم کی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ یہ بات تمام ملک میں مشہور ہے کہ علیگڈھ کالج میں نماز کی بڑی پابندی ہے اور یہ بالکل صحیح ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ ہمارے بھائیوں کی ایک بڑی تعداد کالج چھوڑتے ہی اسلام کے اس اہم فرض کو خیرباد کہہ دیتی ہے۔ اکثر نماز پڑھتے ہیں لیکن روزہ کی بالکل پرواہ نہیں کرتے۔ اور بعض تو ماہ مبارک میں کھلے طور پر پان، سگرٹ، سگار وغیرہ استعمال کرتے نظر آتے ہیں نیتجہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ کالج سے واقف نہیں اس بات کا یقین کر لیتے ہیں کہ کالج میں مذہبی پابندی نام کو نہیں مخالفین کالج کو اس بات کا موقع ملتا ہے کہ وہ اس جائز شکایت کو دوسرے مسلمانوں کے سامنے پیش فرمائیں۔ چونکہ ان کا کہنا ایک بڑی حد تک صحیح ہوتا ہے اس لیے ہمیں لاجواب ہونا پڑتا ہے۔ بعض لوگ تو ایسے بھی نظر آتے ہیں کہ عید و جمعہ سے بھی کچھ غرض نہیں رکھتے۔ مادر کالج کی تعلیم کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ ہمارے بھائی اس کے آغوش سے جدا ہو کر قوم کے سامنے بُرا نمونہ قایم کریں اور اُن لوگوں کی بدنامی کا باعث ہوں جن کی زبانیں تعریف کرتے کرتے خشک ہو رہی ہیں۔

اس تحریر سے میرا مدعا یہ ہرگز نہیں ہے کہ سبھی اولڈبوائز تارک صوم و صلوٰۃ ہیں بلکہ میں

چاہتا ہوں کہ ہم میں سے کوئی ایک بھی ایسا باقی نہ رہے جس کے متعلق خدانخواستہ ایسا گمان کیا جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اپنے اس دیرینہ اسلامی فرض کو پورا کر رہا ہوں اور اپنے بھائیوں سے بھی یہی درخواست کرتا ہوں۔

خدا میرے بھائیوں کو میری التجا سننے کی توفیق دے

راقم ایک "اولڈ بوائے"

ہم اپنے بھائی کے ممنون ہیں کہ ہماری قایم مقامی فرما کر اس ضروری فرض کی جانب برادری کو توجہ دلائی ہے اور اپنے بھائیوں سے التماس کرتے ہیں کہ اس مضمون کو غور سے ملاحظہ فرما کر روزہ نماز کے عامل ہوں ؎

روز محشر کہ جان گداز بود
اولین پرسش نماز بود

"اولڈ بوائے"

صوبہ متوسط کے بھائیوں میں مسٹر شیخ منیرالدین صاحب نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹی کے امتحان میں اور مسٹر سید احمد صاحب نے انسپکٹری کے امتحان میں کامیابی حاصل کی ہے۔ مبارک ہو۔

خدا کرے اس افواہ کی کوئی اصلیت ہو کہ ہمارے بھائی مسٹر خواجہ لطیف احمد صاحب صوبہ برار کے ہندوستانی اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس مقرر کئے گئے ہیں اور ہم تصدیق پر انہیں مبارکباد دے سکیں۔

الناس باللباس

نومبر کے اولڈ بوائے میں مسٹر شروانی صاحب کا مضمون اس عنوان پر خالی از دلچسپی
نہیں۔ مینے مختلف موقعوں پر کچھ عرض کیا کہ جوانان قوم اور خاص کر یعقوب صاحب اپنی رائے
کا اظہار فرمائیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نیند میں ایک دفعہ بولے اور سو رہے۔ شروانی صاحب
نے اُن ضرورتوں کو محسوس کیا ہے جو میرے خیال میں ہیں لیکن وہ بھی نہ معلوم کیوں اصل خیالات
کے اظہار میں خاموشی اختیار کر گئے۔ لزوماً میں اپنے اظہار خیالات قطعی و واقعی میں اس سے زیادہ
تاخیر کرنا نہیں چاہتا۔ میرے بھائی اسے سنیں یا نہ، کار بند ہوں یا نہ، بہر حال کہدینا فرض سمجھتا ہوں
ضروریات موجودہ اور حالات قومی مجبور کرتی ہیں۔ ایک قوم کو قوم رہنے اور اپنی ترقی کے زینے
سے نہ گرنے کو کم از کم تین چیزوں کی نہایت ضرورت ہے۔ (۱) اپنی زبان۔ (۲) اپنا لباس
(۳) پابندی اوقات۔ مسلمانان ہند حقیقتاً مستحق نہیں ہیں کہ دوسرے مسلمانان عالم کے ساتھ
مسلمان کہلائے جائیں۔ عالم اسلام میں ہمارے ملک کے مسلمانوں کو ہندی مسلمان کہا جاتا ہے
اگر یقین نہ آئے تو ممالک اسلامیہ میں جا کر دیکھ لیجئے۔ اس قسم کا رنج دہ تجربہ مجھے بلاد اسلامیہ میں ہو چکا ہے
زائروں سے پوچھئے کہ وہاں اُنہیں کیا کہا جاتا ہے۔ عموماً جو زوائر ہندوستان سے جاتے ہیں
اُن کا لباس ہندوستانی ہوتا ہے وہ لوگ تمیز نہیں کر سکتے کہ ہندو ہے یا مسلمان۔ چند سال ہوئے
کہ مجھے ایک کاردار کے یہاں جانیکا اتفاق ہوا تھوڑی دیر بعد دو ہندوستانی وہاں تشریف لائے اور آداب
تسلیمات بجا لا کر بیٹھ گئے۔ ایک صاحب عمر رسیدہ اور دوسرے جوان لباس لکھنؤ کے مضافات کا مگر جوان کا لباس
ترکی ٹوپی اور اچکن اور تنگ پائجامہ۔ کاردار صاحب نے اُن کی طرف دیکھ کر کہا "فرمایش"۔
اُنہوں نے اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ اُنہوں نے "ما مسلمان ہستیم و از ہندوستان آمدیم و بزیارت رسیدیم"
کہا۔ کاردار صاحب نے بات کاٹ کر کہا "سلام علیکم۔ خوش آمدید، آقا قدم بچشم برداریدـ" بعد میں کاردا

صاحب نے مجھ سے کہا کہ وہ ہندوستان سے آنے والوں میں سے ہندو مسلمان میں تمیز نہیں کر سکتے۔ اہل ہند کیوں اپنے لباس میں خست سے کام لیتے ہیں ہندوستانی تنگ لباس ہندو کفایت شعاری کی زندہ مثال ہے۔ اکبر کے زمانہ سے کسی سیاسی لحاظ سے اس کی بنا شروع ہوئی اور آیندہ عیش پسند رنگیلے شاہان مغلیہ نے بالکل اسلامی لباس کی کایا پلٹ کر کے ایک نئی چیز بنا دیا۔ دوسری نومسلم قوموں نے ہند میں اپنے پرانے لباس کو رائج رکھا۔ اور جوں جوں اسلامی سلطنت کی بنیاد کمزور ہوتی گئی لباس کا طرز اسلامیت اور اسلام کے قومی لباس سے دور ہو کر زیادہ تر ہندوستانی ہوتی ہوگئی۔ اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ جو بحث شروع ہوئی ہے وہ غالباً اسلام کے قومی لباس سے ہے نہ کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے خاص قومی لباس سے

مسلمانان ہند کی زیادہ تعداد اُن نجیب الاصل عرب عجم، ترکمان اور افغان فاتحوں کی اولاد سے ہے جو کسی زمانہ میں حملہ آور ہوئے اور اسی ملک میں رہ گئے اس وقت لباس میں سادگی متانت، راحت اور وقار تھا۔ اب وہ راحت وقار رنگیلے اور بھڑکیلے ابریشم اور طلا سے پیدا کرنیکی کوشش کی جاتی ہے۔ حالی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں ؎

پر گلا یہ ہے کہ جو کچھ اپنا ہم لائے تھے ساتھ	وہ بھی تو نے ہم سے لے کر کر دیا بالکل گدا
آدمیت کے تھے جو جوہر جو ہماری ذات میں	خاک میں آخر دیے اے ہند تو نے سب مٹا

جبتک آپ کا لباس ایک نہ ہوگا آپ ہم خیال نہونگے۔ اچھا اگر آپ لباس کے واسطے کوشش نہیں کرتے نہ سہی۔ تھوڑے انتظار کے بعد آپ سب ہم خیال ہوجائینگے اور آپ کی ضروریات اور حالات خاص قسم کے ہوجائینگے تو لباس بھی ایک ہوجائیگا۔ لیکن اس کو سو برس چاہئے۔ بہتر یہی ہے کہ لباس ایک کرلو کہ جلدی ہم خیال ہوجاؤ۔ آپ کو افراد قوم بننے کا اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ قومیت کا حق اس وقت حاصل ہوگا جب آپ اُن کا مروج لباس اختیار کرینگے۔

میرے خیال میں سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اگر آپ عرب ہیں یا عجم، ترکمان ہیں یا افغان اپنے بزرگوں کا اور اپنے ہم قوموں کا لباس اختیار کریں۔ اپنی اپنی پرانی زبانوں کے سیکھنے

کی بھی کوشش کریں۔ اگر آپ اس پر کاربند ہونے کو آمادہ ہیں تو عرض کروں گا کہ ان ممالک میں لباس کے دو طبقہ ہیں۔ دولتی و ملکی۔ دولتی لباس تو ترکی ٹوپی یا ایرانی سیاہ کشتی نما استرخانی ٹوپی یا افغانی گول استرخانی ٹوپی کے فرق کے ساتھ عموماً ڈھیلی پتلون اور فراک کوٹ پہنا جاتا ہے۔ ملکی لباس ہر ملک کا کچھ کچھ جدا ہے اگر لباس ایک ہونے کی نسبت مسٹر یعقوب یہ تحریک کرتے کہ وہ اسباب پیدا کیے جائیں کہ ہم اپنے پرانے طرز بزرگان کو پیدا کریں تو بہتر ہوتا۔

میں پہلے کسی مضمون میں عرض کر چکا ہوں کہ اعلیٰ طبقہ کے لیے ترکی، ایرانی، یا افغانی ٹوپی کے ساتھ فراک کوٹ اور پتلون سے بہتر باہر کی زندگی کے لیے کوئی لباس نہیں۔ گھر میں اپنا ملکی لباس پہنو۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ اپنے آبا و اجداد کی زبانوں اور عادات و خصائل کو پھر سیکھیے اور پابند کان خانہ رہیے۔ ذرا کبھی جائے اور اُن کے ملک کو بھی دیکھ آیے۔ آپ کو ایک نئی دنیا معلوم ہوگی اور آپ میں ترقی اور قومیت کا مادہ پیدا ہو جائیگا۔

شنیدیم خاک رہست گر بہ رو ما نرسی

چنان رویم کہ دیگر بگرد ما نرسی

راقم۔ گیشنر

حیات انیس۔ مولفہ مولنا اشہری صاحب مرحوم۔ قیمت عمار

ایشیائی شاعری عمر

اسرار رنگون۔ رنگون کے اسرار مین ایک دلچسپ کتاب قیمت عمر

در شاہوار۔ ادب کی ایک بہترین کتاب۔ قیمت مجلد عمر

رنج و راحت۔ ایک اخلاقی ناول خواتین کے پڑھنے کے لایق قیمت ۸ر

مینیجر "اولڈ بوائے" بنارس چھاونی

مادر کالج کا فرزند اوّلین

حصہ سوم

بذریعہ چٹھی مورخہ ۱۰ جنوری ۱۸۹۵ء مدار المہام وقت نے حمید اللہ خاں کے لیے ہائیکورٹ کی ججی کی خدمت بمشاہرہ دو ہزار تجویز کی جس کی منظوری بارگاہ خسروی سے یکم رمضان ۱۳۱۲ھ ۲۷ فروری ۱۸۹۵ء و ۲۷ فروری ۱۳۰۴ف کو شرف صدور لائے۔ جسکو اُنھوں نے شکریہ کیساتھ منظور کیا۔ اور بذریعہ تار برقی مورخہ یکم مارچ ۱۸۹۵ء سرکار عالی کی جانب سے حمید اللہ خان کو اطلاع دیگئی کہ آپ کا تقرر بارگاہ خسروی سے شرف منظوری حاصل کرچکا ہے اسلیے آپ یہاں آکر اپنی خدمت کا جائزہ لے لیجیے۔ چنانچہ یکم اردی بہشت ۱۳۰۵ف سے وہ سرکار عالی کے سلسلۂ ملازمت میں یہ شریک ہوگئے۔ اور ۲۰ مہر ۱۳۱۴ف ۲۲ رجب ۱۳۲۲ھ ستمبر ۱۹۰۴ء تک رکنیت مجلس عالیہ عدالت کا کام تقریباً دس سال تک لیاقت و دیانت سے انجام دیا آپکے اُس زمانہ کے فیصلہ کتب نظائر میں موجود ہیں اور جو تنقیحات بحیثیت رکن عدالت العالیہ عدالت ہائے ماتحت اور مجالس کی کیں اُن کے حالات رپورٹ ہائے متعلقہ میں شرح و بسط کے ساتھ مندرج ہیں۔ آپ ہمیشہ پارٹی فیلنگس کے اثر سے علحدہ رہے اور کبھی عدل و انصاف کے قواعد کی پابندی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ چونکہ یہ خود بیرسٹر رہ چکے تھے اس لیے ان کو وکلا کی دشواریوں و ذمہ داریوں کا احساس بدرجہ اتم تھا۔ جو وکلا ان کے اجلاس پر بحث کے لیے آتے تھے اُنکو بسہولت تمام بحث کرنے کا موقع دیتے تھے۔ اور یہ ہمیشہ اس امر کا خیال رکھتے تھے کہ کام بقایہ میں نہ رہنے پائے چنانچہ ایک سال جب صیغہ ابتدائی کا کام اُنسے متعلق تھا سال کے آخر روز فوجداری کا ایک مقدمہ بھی بقایا میں اُنھوں نے نہیں چھوڑا تھا۔

مجلس عالیہ عدالت کی رکن کی حیثیت سے اُنھوں نے جسقدر مقدمات کا فیصلہ کیا اُنکا

سب کا ذکر خالی از طوالت نہ ہوگا اس لیے ہم صرف اُن اعلیٰ طبقہ کے مقدمات کا ذکر کرتے ہیں جو اعلیٰ ترین محکمہ جوڈیشنل کمیٹی تک گئے تھے۔

بحالت رکن ابتدائی اُنھوں نے ۲۳ فیصلے ایسے کئے تھے جو بالآخر درجہ بدرجہ جوڈیشل کمیٹی تک گئے منجلہ اُن کے کمیٹی موصوف سے تین کا مرافعہ سماعت کر کے فیصلے صادر کئے گئے ۱۳ کی درخواستہائے اپیل یا نگرانی نامنظور ہوئیں۔ ۳ عدم پیروی میں خارج ہوئے۔ ایک مدعی نے چلانے سے انکار کر دیا۔ اور تین فی الحال نمبر پر ہیں جن کا سنہ ۱۳۴۲ف تک فیصلہ نہیں ہوا ہے

بحیثیت رکن جلسہ متفقہ و جلسہ کامل صاحب موصوف نے نو ایسے فیصلے کئے تھے جو درجہ بدرجہ جوڈیشیل کمیٹی تک گئے۔ ان میں سے پانچ جلسہ کامل میں بحال رہے دو ترمیماً منظور ہوئے اور نامنظور جوڈیشیل کمیٹی میں چھ کی درخواست نامنظور ہوئی اور تین عدم پیروی میں خارج ہوئے۔

بحیثیت صرف رکن اجلاس کامل صاحب موصوف نے سینتالیس فیصلے ایسے کئے جن کا مرافعہ جوڈیشل کمیٹی میں ہوا۔ ان میں سے، مقدمات کا تصفیہ جوڈیشیل کمیٹی میں ہوا ۲۳ کی درخواستیں نامنظور ہوئیں۔ ۴ عدم پیروی میں خارج ہوئے اور تین ابھی نمبر پر ہیں فیصلہ صادر نہیں ہوا۔ جن کا تصفیہ ہوا وہ سب فیصلات صاحب موصوف کی بحال رہے۔ ایک مقدمہ میں اُنکی رائے کے خلاف بغلبہ آرا اجلاس کامل سے فیصلہ صادر ہوا تھا وہ فیصلہ اجلاس کامل جوڈیشنل کمیٹی سے منسوخ ہوا۔ اور صاحب موصوف کا فیصلہ منظور کیا گیا۔

جہاں تک ہمکو معلوم ہوا ہے صاحب موصوف نے سنہ ۱۳۱۸ف جوڈیشیل کمیٹی میں نو فیصلے تحریر کئے اور سب کے سب بغلبہ آرا بعد منظوری صادر ہوئے۔

اس سے زیادہ تفصیل کسی قسم کے مقدمات کی دفتر جوڈیشیل کمیٹی سے نہیں ملسکی لیکن اعداد متذکرہ صدر سے ظاہر ہے کہ یہ ایک اعلیٰ درجہ کا نتیجہ ہے۔

اوائل ستمبر سنہ ۱۹۴۲ء میں حضرت اقدس و اعلیٰ حضور نظام خلد اللہ ملکہ نے ریاست کی معتمدی عدالت و کوتوالی و امور عامہ کی اعلیٰ ذمہ داری کی خدمت کے لیے جس سے ریاست کے متعدد سررشتے متعلق ہیں اپنی بالغ نظری سے ان کا انتخاب فرمایا۔ اور اس انتخاب کو عام طور پر نظر استحسان سے دیکھا گیا۔ اگرچہ بعض خودغرض اشخاص کو ناگوار ہوا۔

اس موقع پر حیدر آباد کے نامی گرامی شاعروں نے بہت سے اشعار اور قصائد موزوں کئے تھے منجملہ اُن کے چند اشعار لکھے جاتے ہیں :ؔ

یعنی قصیدہ مدح میں اُس شخص کے لکھوں — ہے سربلند جنگ زمانہ میں جن کا نام
مشہور ہے جو ہوم سکٹر میسان وہر — نور زمین فروغ زماں مرجع انام
نام خدا کریم ہے منصف مزاج ہے — ہے آج اُس پہ علم ولیاقت کا اختتام
حضرت نے جب سے اور بڑھایا ہے مرتبہ — مثل ہلال خم ہے سراسر مہ تمام
ہے گفتگوئے نرم ہر ایک خاص و عام سے — کرتے نہیں کسی سے بہ سختی کبھی کلام
تعمیل حکم شاہ میں ہوتی نہیں ہے دیر — ممکن نہیں کہ آج کا رہ جائے کل پہ کام
ہر ایک کی زبان پہ رہتا ہے ذکر خیر — ہر ایک شخص خوش ہے یہ ہے حسن انتظام

اس عہدۂ جلیل کے لائق تھا ایسا شخص
اکثر کی تو زبان پہ جاری تھا یہ کلام

ایک اور شاعر کہتا ہے ؔ

پر کیا ہی انتخاب کیا ہے حضور نے
جیسا خطاب ویسا ہی اعلیٰ دیا ہے کام

ایک اور لکھتا ہے ؔ

ہے شاہ بے مثال سکتر ہے لاجواب
مخدوم جیسا ویسا ہی خادم بڑا کلام

ایک دوسرے شاعر نے صنعت توشیح میں قصیدہ کہا ہے جس میں سے اگر ہر شعر کا حرف اول لیا جاے تو "عالی جناب افضل العلماء نواب سر بلند جنگ مولوی حمید اللہ خان بہادر دام اقبالہٗ" بن جاتا ہے اُس کے دو اشعار ہم نقل کرتے ہیں:۔

دہر میں جسکی عدالت سے ہیں خائف ظالم	عہد میں جسکے ہم رہتے ہیں شاہین و غراب
دور میں آپکے انصاف نے پایا ہے فروغ	فتنہ و ظلم و شرارت ہیں گرفتار عذاب

معتمدی عدالت و کوتوالی و امور عامہ کی کرسی پر اجلاس کرنیکے ساتھ اس معتمدی کے تحت کے تمام سررشتوں میں اُنہوں نے قابل قدر اصلاحیں کیں جسوقت آپ نے معتمدی کا چارج لیا تھا بہت سے مقدمات ملتوی پڑے تھے اور تحتانی سررشتوں کی کئی کئی سال کی سالانہ رپورٹیں المارئیوں میں رکھی ہوئی ریویو کا انتظار کر رہی تھیں۔ آپ تھوڑے ہی عرصہ میں مقدمات ملتویہ کے تصفیہ اور رپورٹوں کے ریویو سے فارغ ہو گئے۔

سررشتہ عدالت و کوتوالی اور امور عامہ کی معتمدی کے ساتھ ساتھ آپکو کیبنٹ کونسل اور مجلس وضع قوانین کی معتمدیوں کے فرایض بھی انجام دینے پڑے۔ اور کیبنٹ کونسل کے معتمد کی حیثیت سے آپکو تمام سررشتوں کے وزراء یعنی مدار المہام اور معین المہاموں کے تحت میں کام کرنیکا اتفاق ہوا۔

آپنے اپنی کارگزاری سے سب کو مطمئن اور خوش رکھنے میں کامیابی حاصل کی۔ اور کسی سررشتہ کے معین المہام کو موقع شکایت نہیں دیا۔

مجلس وضع قوانین کے معتمد کی حیثیت سے آپ نے مندرجہ ذیل مسودات قانون پیش کئے

(۱) مسودہ قانون ترمیم دستور العمل مجالس عالیہ عدالت
(۲) " " قانون اسٹامپ
(۳) " " ضابطہ مجلس وضع قوانین
(۴) " " امتناع ہراج اسپان سلحداری

(۵) مسودہ قانون اوزان و پیمانہ جات

(۶) " نفاذ قواعد شکار

(۷) " پٹرولیم

(۸) " ترمیم قانون وکلا

(۹) " " " شہادت

اور آپ کے زمانۂ معتمدی سے حسب ذیل قوانین مکمل ہو کر نافذ ہوئے۔

(۱) قانون عطائے اقتدارات طلبی گواہان نشان ۱ بابتہ ۱۳۱۴ف

(۲) " معاہرہ سرکار عالی " ۲ "

(۳) " تحقیقات بداعمالی عہدہ داران سرکار " ۳ "

(۴) " حفاظت نظماء و ملازمان " ۴ "

(۵) " ترمیم دستورالعمل مجلس عالیہ عدالت " ۵ "

(۶) " قانون اسٹامپ " ۶ "

(۷) " ضابطہ مجلس وضع قوانین ممالک محروسہ سرکار عالی نشان ۱ بابتہ ۱۳۱۵ف

(۸) " قواعد محاصل صفائی " ۲ "

(۹) " آبکاری ممالک محروسہ سرکار عالی " ۱ بابتہ ۱۳۱۶ف

(۱۰) " تحویل ملازمین " ۲ "

مجلس وضع قوانین کے جس اجلاس میں قانون ترمیم دستورالعمل مجلس عالیہ عدالت پاس ہوا تھا اُس میں مجلس موصوف کے معزز صدر نشین بہادر نے اس قانون اور نواب سربلند جنگ بہادر کی نسبت حسب ذیل رائے کا اظہار فرمایا تھا۔

" مجھے بہت خوشی ہوئی کہ ایک ایسا مسئلہ جو عرصہ سے تصفیہ طلب تھا اور جس سے سرکار اور رعایا دونوں کو تکلیف تھی نواب سربلند جنگ بہادر نے ایسی قابلیت سے آسانی کے ساتھ

طے کردیا اُنھوں نے معتمدی مجلس وضع قوانین کا جائزہ لینے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ایسے اہم مسئلہ کے تصفیہ کی طرف توجہ کی اور اس مسودہ کے پاس ہوجانے سے مجلس کا کام بہت سہولت سے انجام پائیگا۔ رعایا کو بھی ایک ہی معاملہ کے تصفیہ کے لیے دو مرتبہ رجوع نہ ہونا پڑیگا اور سرکار کو بھی عدالتی معاملات میں دست اندازی کی ضرورت نہ ہوگی۔ میں اس موقع پر سربلند جنگ کی نسبت اظہار خوشنودی مناسب اور ضروری سمجھتا ہوں۔ فی الحقیقت اُن کی قانونی لیاقت بہت ہی قابل قدر ہے"

(ملاحظہ ہو جریدہ اعلامیہ سرکار عالی مورخہ ۷ اسفندار ۱۳۱۲ف جزو ثالث صفحہ ۲)

واضح رہے کہ نواب سربلند جنگ بہادر کو معتمدی عدالت و کوتوالی کے فرائض کی انجام وہی کے ساتھ ساتھ کیبنٹ کونسل اور مجلس وضع قوانین کی معتمدی کے علاوہ مشیر قانونی و مجلس مشاورۃ تعلیمات اور کمیٹی کتب خانہ آصفیہ وغیرہ کی رکنیت کے فرائض بھی انجام دینے پڑتے تھے۔ اور آپ دوسری کمیشنوں اور جوڈیشیل کمیٹی اور ہائی کورٹ کے جلسہ کامل میں بھی شریک ہوتے رہتے تھے۔

دسمبر ۱۹۰۴ء میں آپ مدار المہام بہادر کی ہمراہی میں نظام آباد کے دورہ کو تشریف لیگئے اور وہاں کی عدالتوں اور محبس و شفاخانہ جات و دفاتر پولیس و رجسٹریشن و مساجد وغیرہ کی تنقیح فرمائی اور بہمن ۱۳۱۴ف ۱۹۰۵ء میں بہمراہی مدار المہام بہادر اورنگ آباد کے دورہ کو تشریف لیگئے اور اس دورہ میں آپنے اورنگ آباد کی عدالتوں اور محبس و دفاتر پولیس و رجسٹریشن و شفاخانجات اور دیگر دفاتر متعلقہ کا معائنہ کیا۔ لیکن بوجہ انتقال پُر ملال نواب ظفر جنگ بہادر دورہ بے لطف ہوگیا اور مدار المہام بہادر نے دورہ کو جلد ختم فرمایا۔ سربلند جنگ بہادر بھی چند روز کے اجازت اتفاقی حاصل کرکے اپنے والد ماجد سے ملنے علیگڈھ چلے گئے لیکن وہاں سے برابر کام کرتے رہے۔

نواب سربلند جنگ بہادر نے اپنے فرائض کو اس خوبی کے ساتھ انجام دیا کہ کسی کو وہم

شکایت کا موقع نہیں ملسکا۔ معتمد عدالت و کوتوالی و امور عامہ کی حیثیت سے آپ نے بہت سے ضروری اور مفید رزولیوشن نافذ فرمائے جس سے معتمدی مذکور کے متعلقہ سررشتوں کے کاروبار اور انتظام میں بڑی حد تک اصلاحیں و سہولتیں ظہور میں آئیں اور جن پر ابتک برابر عملدرآمد ہو رہا ہے۔ آپ ہی کے عہد معتمدی میں سررشتہ کوتوالی کی تنظیم جدید عمل میں آئی اور سرکار عالی کے تمام مجالس کی نگرانی انسپکٹر جنرل پولیس سے متعلق کی گئی اور کئی بڑے بڑے صدر مجالس تیار ہوئے اور اُن میں کارخانوں کو فروغ دیا گیا۔ اور ایک تجربہ کار ناظم پٹہ خانجات کے تقرر سے سررشتہ پٹہ کے انتظام میں اصلاح کی گئی۔ اور بیمہ کا قاعدہ پٹہ خانہ کیلئے تجویز ہوا۔ سررشتہ طبابت و تعلیمات میں بڑی حد تک اصلاحیں کی گئیں۔ یونانی طبیبوں کیلئے ایک دستور العمل تیار ہوا۔ ایک کمیٹی اُن کی نگرانی کیلئے مقرر ہوئی۔ امتحان طبابت کے قواعد مرتب ہوئے نیو زنانہ اسکول جو ہندوستان بھر میں اپنی نظیر نہیں رکھتا کھولنا قرار پایا اور تعلیم کی ترغیب دینے کے لیے نواب سرور جنگ بہادر نے اپنی لڑکیوں کو اُس میں داخل کیا جس کے دیکھنے سے اور لوگوں کو بھی شوق ہوا۔ مدارس و شفاخانوں کے مدارج قایم کئے گئے اور اُنکے مکانات کے اسٹینڈرڈ ڈیلنز پاس کئے گئے۔ یونیورسٹی کمیشن مدراس سے نظام کالج کو دیکھنے آیا اور کالج کی ترقی کی تدابیر کی گئیں پروفیسروں کی ماہوارات اور تعداد بڑھا دی گئی۔

آپ ہی کے زمانہ معتمدی میں ۹ رفروری ۱۹۰۶ع کو ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند آنجہانی کی یادگار میں ایک عظیم الشان زنانہ ہسپتال کا سنگ بنیاد پرنس آف ویلز (حال ملک معظم) کے دست مبارک سے شہر حیدرآباد میں نصب ہوا۔ اور اُس کی تکمیل بھی آپ ہی کے عہد معتمدی میں ہوئی آپنے معتمدی عدالت و کوتوالی کے زمانہ میں انسداد طاعون کے انتظام میں پوری کوشش فرمائی چنانچہ خدا کے فضل سے آپکی کوششیں مقبول ہوئیں اور آپ کے زمانہ معتمدی میں بلدۂ حیدرآباد اُس کی زد سے محفوظ و مصئون رہا۔

اکثر سررشتہ جات متعلقہ کی سالانہ رپورٹیں جو ریویو کے انتظار میں رکھی ہوئی تھیں

تھیں اُن پر آپنے نہایت مستعدی کے ساتھ ریویو لکھ کر اُن کو مکمل کیا۔ اور بہت سے رزولیوشن جاری کئے

اسی سال آپکو یہ فخر بھی حاصل ہوا کہ حضرت اقدس و اعلیٰ حضور پر نور بندگانعالی خلد اللہ ملکہ کی چہل سالہ سالگرہ مبارک کے جشن کی انتظامی کمیٹی کے رکن بنائے گئے جس کے فرائض آپنے بہ طریق احسن انجام دیئے اور آپ کو اس جشن مبارک کے تمام مراسم اور درباروں میں شریک ہونیکی عزت حاصل ہوئی۔ اور ۲۲ر دسمبر ۱۹۰۶ء کو جو بڑا دربار باغ عامہ کے ایڈریس ہال میں حضرت اقدس اعلیٰ نے رعایا کا ایڈریس قبول فرمانے کی غرض سے منعقد فرمایا تھا اُس میں اُنہوں نے بحیثیت رکن کمیٹی انتظام جشن موصوف بارگاہ خسروی میں پیش ہو کر نذر گزراننے کا شرف حاصل کیا تھا۔ یہ جشن ایسے اعلیٰ پیمانہ پر منایا گیا تھا کہ اس سے پہلے حیدرآباد میں نہیں منایا گیا ہو گا۔

۔ر فروری ۱۹۰۶ء کو صاحب عالم و عالمیان شہزادہ ویلز اور جنابہ شہزادی ویلز صاحبہ (حال ملک معظم و ملکہ معظمہ) کے قدوم میمنت لزوم سے حیدرآباد کو مشرف ہونیکا فخر حاصل ہوا۔ اور اس عظیم الشان موقع کے متعلق انتظام کوتوالی و نیز معتمدی عدالت و کوتوالی کے دیگر ماتحت سررشتوں کا انتظام و اہتمام مکمل اور قابل اطمینان رہا۔ اور بیادگار ملکہ معظمہ قیصرہ ہند آنجہانی زنانہ ہسپتال کا سنگ بنیاد ۹ر فروری ۱۹۰۶ء کو رکھا گیا۔

بحیثیت معتمد امور مذہبی آپکو خیرات اور حجاج کی روانگی کا انتظام بھی کرنا پڑتا تھا آپ نے ایسا عمدہ انتظام رقم مقررہ میں کیا کہ سابقہ سالوں سے قریب دچند کے ٹکٹ حجاج کو تقسیم ہوئے اس کا حال اُس رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے جو ۱۹۰۶ء میں مرتب کیگئی تھی۔ اوقاف و مساجد اور دیگر امور دینی میں بھی سربلند جنگ بہادر کو نہایت درجہ دلچسپی تھی عیدگاہ کا بڑا شامیانہ اس زمانہ میں تیار ہو کر آیا جس سے عیدین کے نمازیوں کو بڑا آرام ملتا ہے۔ باباشرف الدین اولیا کے عرس کی تعطیل اسی زمانہ میں منظور ہوئی اور شراب کی بھٹی جو باباصاحب کی پہاڑی کی قریب تھی اس زمانہ میں وہاں سے اُٹھوادی گئی۔ مسجد چوک و مسجد میاں مشک کی مرمت اور انتظام کا بندوبست کیا گیا اکثر مساجد

میں ختم قرآن شریف وبخاری شریف وغیرہ وغیرہ کی گئی مسجدوں کے خطیبوں کو خلعت اور غربا و مساکین کو امداد دی گئی۔ خیرات ومبرات کی رقم کا عمدہ انتظام کیا گیا۔

معتمدی عدالت وکوتوالی کے فرائض کی انجام دہی میں یہ دو باتیں ہمیشہ آپکے نصب العین رہیں کہ جو کام کیاجائے اُس میں کسی قسم کی خامی یانقص نہ رہنے پائے اور معاملات کے تصفیہ میں غیرضروری تعویق اور درنگ نہ ہونے پائے۔

آپکے عہد معتمدی کی بہت سی قابل قدر اصلاحوں کے منجملہ یہ عدالتی اصلاح ہمیشہ یاد رہیگی کہ امرائے پائیگاہ کی عدالتوں پر مجلس عالیہ عدالت کی نگرانی قایم کی گئی اور اس طرح رعائے علاقہ جات پائیگاہ کو بہ نسبت سابق کے دادرسی کا زیادہ موقع دیا گیا۔ جاگیرداروں کو جو عدالتی اختیارات عطا کئے جانیکا طریقہ ایک عرصہ سے پڑا ہوا تھا اُس میں روک تھام کرکے آپ نے رعائے جاگیرات کو جاگیرداروں کے من مانے فیصلوں کے نتائج بھگتنے سے نجات دلائی۔ اس کے علاوہ جاگیرات کو سرکار عالی کے اسٹامپ وکورٹ فیس استعمال کرنیکیلیے جو دیے جاتے تھے اُن کا اور جاگیرات کے اخراجات عدالت کے متعلق آپکے زمانہ معتمدی میں انتظام شروع ہوا۔

جب مولوی میر افضل حسین صاحب کی آخری علالت کے وقت ۱۳۱۶ف ۱۹۰۶ء میں مجلس عالیہ عدالت کی میرمجلسی کے تقرر کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت اقدس واعلیٰ نے اُس جلیل القدر اور ذمہ داری کے عہدہ کیلئے بلحاظ اُن کی قانون دانی اور تجربہ کاری اور عام لیاقت کے سربلند جنگ بہادر کو منتخب فرمایا جسکو یہ تقریباً پانچ سال سے قابل اطمینان طور پر انجام دے رہے ہیں۔ چنانچہ محکمہ سرکار سے سررشتہ عدالت کی سالانہ رپورٹوں پر جو رزولیوشن پاس ہوتے ہیں اُن میں سرکار کی جانب سے انکی نسبت اظہار خوشنودی ہوتا رہتا ہے اس کے ثبوت میں منجملہ دیگر رزولیوشنوں کے رزولیوشن محکمہ سرکار صیغہ عدالت مورخہ ۲۰ امرداد ۱۳۱۹ف سے ذیل کا اقتباس ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

x x x x x x x x x x x x ... آخر میں سرکار نواب سربلند جنگ بہادر منصرم میرمجلس عالیہ عدالت وجملہ ارکان مجلس عالیہ عدالت اور نیز دیگر عہدہ داران

عدالت کی کارگزاری پر جنہوں نے محنت ولیاقت کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو انجام دیا اظہار
خوشنودی فرماتے ہیں،، فقط
(زمانۂ میر مجلسی کا مفصل حال ہم آیندہ ہدیۂ ناظرین کرینگے)

مملکت ہند کا دار السلطنت دہلی میں منتقل ہونے سے سب کو خوشی ہے اور ہماری
خوشی میں اس بات نے اور اضافہ کر دیا ہے کہ کامریڈ کا دفتر بھی وہیں منتقل ہو گا۔
یقیناً ہمارے ناظرین کو اس کے سننے سے مسرت ہوگی کہ دہلی میں کامریڈ کا اپنا پریس
ہو گا۔ اور اسی دفتر سے ایک روزانہ اردو اخبار بھی جاری کیا جائیگا۔ اس اخبار کے چلانے
والے زیادہ تر بلکہ تمام تر مادر کالج کے "پڑہنڈرے" ہونگے جنہیں علیگڈھ کا نورتن
کہنا چاہئے۔ اور جو دنیا میں کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ پریس کے لیے
ولایت کو فرمائش جا چکی ہے۔

ہمارے عزیز القدر مسٹر رفیع القدر خان صاحب کا تبادلہ بنارس سے اناؤ کو ہوا ہے
اور ہمارے برادر مکرم مسٹر عبد الحمید خاں صاحب بلیا کو منتقل کئے گئے ہیں۔ بنارس
کے اولڈ بوائز اور عوام کو دونوں کے تبادلہ کا افسوس ہے لیکن ہم خود دل برکباب
بیٹھے ہیں تو ہمارا افسوس فضول ہے۔

ہمارے بھائی مسٹر محبوب علیخاں صاحب نے اپنے فرزند کے انتقال کے بعد ایک
معمولی رخصت لی تھی اب وہ تھانہ گردیہ ضلع ہزاری باغ کے افسر پولیس مقرر
ہوئے ہیں۔

سیاحت اور کالج کا بھیس

ایک تو سوئٹر، دوسرا ایں نیم ٹر تیسرا ٹھٹھہ راجگھاٹ ہیچلے کاسہ گدائی لے کر۔ ملتان مظفر گڈھ وغیرہ ہوتے ہوئے دو بجے شب کے ڈیرہ اسٹیشن پر یہ بنے ہوئے فقیر پہونچے تو گرمی سے برا حال تھا۔ اس وقت ڈیرہ اسمٰعیل خان تو جا نہیں سکتے تھے، کیونکہ دریائے انڈس تک پہونچنے کی مسافت میلوں تھی۔ موسم برسات میں انڈس کا پاٹ چودہ میل بتایا جاتا ہے، اسلئے سکرٹری نے خاص دماغ سے ایک بات اُتاری۔ اس ریتیلے سن سان مقام پر لہجہ توڑ کر اور ضرورت سے زیادہ کھینچکر بڑی آواز سے ڈانٹ بتائی تو بیچارہ اسٹیشن ماسٹر سٹپٹاتا ہوا لمبے لمبے قدم رکھکر حاضر ہوا۔ اور ایک بلند قامت صاحب اور دو سیاہ پوش صورتوں کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ سوال یہ تھا کہ فرسٹ کلاس ویٹنگ روم کہاں ہے؟ اس برجستہ سوال پر ٹوٹے پھوٹے بے ترتیب انگریزی الفاظ اُس کی زبان سے نکلے اُنسے یہ مطلب سمجھ میں آسکا کہ اول درجہ کا ویٹنگ روم وہاں نہیں تھا مگر دوسرے درجہ کا تھا۔ اور دور ہی سے اپنی جان بچانے کی غرض سے دو قلیون کو مقرر کرکے غایب ہوگیا۔ وہ بیچارے دستی پنکھون سے کسی قدر آرام دیتے رہے۔ صبح ہوتے ہی تانگہ بھی آسانی سے ملگیا۔ ہم تڑنگ سکرٹری صاحب کے رعب میں آکر میں تو ہاتھ بھی بٹالیتا اگرچہ مقابلۃً مجکو زمین دور ہوتے کا افتخار حاصل تھا اور کالج میں نو وارد بھی تھا، مگر ہمارے دوسرے شریک سفر تو باوجود اپنی قدامت قیام کے بجائے اُس بیچارہ کی ٹیپ ٹاپ اضافہ کرنیکے ہر موقع پر ایک حصہ گھٹا ہی دیا کرتے۔ ہمارے دوست ازل ہی سے عہد کر آئے تھے کہ بالوں کو صاف نہ رکھینگے، چہرہ پر مجبوراً کبھی کبھی دو چھینٹے ڈال لیا کرینگا لیکن جب ڈیرہ اسمٰعیل خان میں سکرٹری نے ایک طول طویل التجا پیش کی تو بڑی خوشی سے منظور کرلیا۔ التجا یہ تھی کہ آپ جرابوں کو زیب پا فرماکر و قد کو زیر بار احسان فرمائیے۔ مگر تعمیل کے بعد ہی سکرٹری پر بن آئی۔ وجہ۔ بہی سن لیجئے۔ ہمارے مخدوم کے دیسی موزے بڑے اڑیل تھے

بہت سا وقت صرف ہوتا تب کہیں وہ اپنی جگہ سے ہٹتے۔ علمی مذاق زیادہ تھا، مذہبی چھیڑ چھاڑ کی عادت تھی، مگر یوں صرف اللہ کا نام تھا۔ ڈیرہ وال پنجابی بھی عام فہم نہ تھے اسلئے ہمارے بھائی اسمیں اکثر عاری رہا کرتے تھے۔ ہمارے بینار الدولہ صاحب توماشاءاللہ ہمیشہ کے فصاحت زا تھے اور میں تو پہلے سرے کا بکی تھا جب کبھی کسی بڑے نواب صاحب کے یہاں ڈیرہ میں ہم سب دے باتیں کرتے اور وہ نہایت سادگی سے، نہایت سچائی سے اور نہایت شستہ زبانی سے "دلہ خوش، پدر خوش، مدر خوش اور ایسے ہی بہت سے کلمات" فرماتے اور کبھی کبھی ان کا اعادہ بھی شروع ہوتا تو میں بے تکلفی قبل تبسم زیر لب ہی پر اکتفا کیا کرتا۔ مگر بعد کو ہنسی کے مارے پیٹ میں بل پڑ پڑ جاتے ڈیرہ اسمٰعیل خان میں رہتے رہتے دو ہفتے گذر گئے مگر جب واپس ہوئے تو کامیاب واپس ہوئے وہاں کی بہت سی باتیں تو سمجھ میں نہیں آئیں، بہت سی سیکھ لیں، بہت سی بھول گیا مگر ایک لفظ ایسا ہے جو کبھی حافظہ سے نہ اترے گا۔ وہ یہ کہ اگر آپ بکی ہیں تو "تگڑے" ہیں، اگر آپ امیر ہیں تو "تگڑے" ہیں۔ اگر آپ خوبصورت ہیں تو "تگڑے" ہیں۔ اگر آپ تیز چلنے والے ہیں تو "تگڑے" ہیں، اگر آپ مضبوط ہیں تو "تگڑے" ہیں غرضکہ آپکو جس قدر خوبیوں کا اظہار منظور ہو اسی کا تلفظ فرمائے، کیا مجال کہ آپ کا مفہوم داخل سلسلہ نہ ہو۔ شاید ہی ایسا جامع و مانع کوئی لفظ کسی دوسری زبان سے مہیا کرکے آپ اظہار مطالب کثیرہ فرما سکیں۔

ڈیرہ کے "رمضان علی دوست" اور دوسرے ماسٹر صاحب جو ہمارے پروفیسر ظریف صاحب کے لنگوٹیا یار تھے اب تک یاد ہیں، جہانگیر خان کا فصیح جملہ اب تک نوک زبان ہے "دو بھی دیسوں تو وے بھی دیسوں،، (وہاں وے بھی دونگا اور یہاں بھی دونگا) خاندان قاضی نے تو خوب مجرب کھلا کھلا کر ہم سب کو مرہون منت کر لیا تھا۔ سب سے زیادہ غضب کی بات یہ ہوئی کہ ہمارے بلندی پناہ سکرٹری صاحب نے

غم ہمکو دیا سب میں جو مشکل نظر آیا

یعنی تقسیم وفد فرما کر آپ تو میاں والی سدھارے اور ہم دونوں کیلئے بنوں اور کوہاٹ چلے

جانیکے لیے سفینہ کاٹ دیا، جہاں دن دہاڑے خون کے چھاپے پڑتے ہیں۔ ہنوں میں فقیر صاحب تحصیلدار صاحب خانصاحب، میر عالم خانصاحب کی دستگیری نے تو بالکل رحمت کا کام دیا۔ اور کامیابی بھی خاصی رہی۔ چار پانچ روز کے قیام میں اکثر لوگوں تے نوزکے لڑکے تو وہ لگائیں کہ یہ لڈل ٹوپی والے نماز بھی پڑھتے ہیں یا لمبی لمبی باتیں بناتے ہیں۔

اب ہمارے دوست کہیں وکالت کرتے ہیں اور سوٹ پنا پر رعب سکرٹری نے تو وہ لمبی پھلانگ ماری کہ سات سمندر پار کیمبرج کو زینت دیرہے ہیں۔ اور میں

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادہر کا ہوا نہ اُدہر کا ہوا

اسی بہیر میں سرگردان رہ گیا۔ قصہ بہت صاف ہے مگر سوچنے والوں کا میدان بھی صاف ہے

مؤلف۔ س، ۲، ج، م، و،

اولڈ بوائز

ہمارے بہائیوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مرحوم سرسید نے قومی اصلاح کی تدبیر بنارس میں بیٹھکر فرمائیں مگر عمل درآمد علیگڈھ میں ہوا۔ اسی مناسبت سے ہمارا رسالہ بھی اگر گنگا جی کے اس ساحل سے جاری ہوا تو کوئی تعجب کی بات نہ تہی۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ بہت عرصہ تک ہم کاشی باشی نہ رہ سکیں اور ہمیشہ کے لیے اس مقام کو خیرباد کہیں۔ ہم کہاں جائینگے؟ یہ ایک تفصیل طلب بات ہے مگر اب شش ماہی کے اندر ہمارا یہاں سے کوچ ضروری ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود ہم اپنے ناظرین کو ایک یہ خوش خبری بھی سُناتے ہیں کہ اپنے آیندہ مستقر پر پہونچ کر ہم اس سے زیادہ پابند وقت اور اپنے بہائیوں کی زیادہ خدمت کے قابل ہوسکیں گے۔

باشندگان بھپوند کو ہمارے بھائی مسٹر عبدالحکیم خاں صاحب کے تبادلہ کا اور سکان دیبا پور کو اگی مسٹر عطا حسین صاحب کے تبادلہ کا افسوس ہے مسٹر حکیم ضلع اٹاوہ کے تھانہ مہائل کے افسر پولیس مقرر ہوئے ہیں اور مسٹر عطا تھانہ ہر تنہ کے۔

ہمیں نہایت مسرت کیساتھ یہ خبر درج کرنے کا موقع ملا ہے کہ ہمارے بھائی مولوی شمس الحسن صاحب منصف شکوہ آباد ضلع مین پوری کے یہاں فرزند نرینہ تولد ہوا ہے اور ہمارے نھنوڑے بھائی مسٹر مسعود (ٹامی) کو بھی خداوند کریم نے ابا جان کہلانے کا موقع دیا ہے۔ خدا کرے دونوں بچے سعید اور اپنے خاندان کے نام کو روشن کرنیوالے ہوں۔ ہم اپنے دونوں بھائیوں کو مبارکباد دیتے ہیں۔

آنریبل مسٹر غلام محمد صاحب بہرگری مادر کالج کے اولین فرزند ہیں جنہیں حضور ویسرائے کی کونسل کا ممبر مقرر کیا گیا ہے۔ اس خبر کو ہم پہلے درج کر چکے ہیں اور اب نہایت مسرت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ اُنہوں نے کونسل ہال میں وفاداری کی قسم کھائی ہے۔ ہمیں سب سے بڑی خوشی اس بات کی ہوئی کہ اُس وقت ہمارے بھائی اپنی قومی (علیگڈھی) پوشاک میں تھے۔

ہمارے بھائی مسٹر سید باقر حسین صاحب (کلکتہ) پچھلے دنوں سخت علیل ہو گئے تھے خدا کا شکر ہے کہ اب وہ اچھی طرح ہیں۔

ہماری جماعت میں سب سے کم عمر خان بہادر ہمارے بھائی مسٹر عبدالحمید خانصاحب ڈپٹی کلکٹر کو ضلع اٹاوہ میں تحصیل اوریا سپرد کی گئی ہے جہاں وہ تن دہی سے کام کر رہے ہیں:-

ہم خوش ہیں کہ گذشتہ دربار میں ہمارے دو بھائیوں میں سے مسٹر قسیم بیگ صاحب چغتائی کو "خان بہادر" اور مسٹر سید ولایت حسین صاحب کو خان صاحب' بنایا گیا ہے۔ ہم دونوں بھائیوں کو مبارک باد دیتے ہیں۔ ہمیں تو سید ولایت حسین صاحب کو 'میر صاحب' کہتے ہوئے اچھا معلوم ہوتا ہے۔

قبلہ و کعبہ مولوی خلیل احمد صاحب ظاہری کہ اولڈ بوائے گرہیں۔ اُنہیں "شمس العلما" بنایا گیا ہے جو ہمارے لیے قابل فخر ہے۔ ہم اپنے قبلہ و کعبہ کو مبارکباد دیتے ہیں۔

خدا کرے قبلہ و کعبہ مولوی سید عباس حسین صاحب کو بھی اُن کے خدمات کے صلہ میں کوئی موزون خطاب عطا ہو۔

ہمارے بھائی مسٹر محمد جنید صاحب نعمانی منصف بھپوند نے قصبہ کی حالت پر رحم کر کے بھپوند مین ایک بار لائبریری قایم کی ہے جس سے وہاں کے باشندوں کو فائدہ پہونچنے کی اُمید ہے۔ مگر ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہاں کتنے اخبار پڑھنے والے اور کتابیں دیکھنے والے مل سکینگے۔ بھپوند کے احسان مند دل اُن کے ممنون ہین۔

ہماری برادری اس خبر کو نہایت افسوس کے ساتھ سُنے گی کہ اخی مسٹر محمد یوسف صاحب قریشی کے والد ماجد نے اجمیر میں اور اخی مسٹر ظفر علیصاحب (سہارنپوری) کے برادر نسبتی مسٹر منظور حسین نے بھوپال میں وفات پائی۔ خدا دونوں کو باغ جنت عطا فرمائے اور ہمارے بھائیوں کو صبر دے۔

ہمارے بھائی مولوی طفیل احمد صاحب کی کوشش سے اب ڈائرکٹری طبع ہونی شروع

ہو گئی ہے۔ ہم اپنے بھائیوں سے درخواست کرتے ہین کہ وہ انہیں منگلور ضلع سہارن پور کے پتہ پر اپنے اور اپنے دوستون کے نامون سے مطلع فرمائیں۔ نیز سکونت، تاریخ داخلہ کالج معہ کلاس انتہائی تعلیم شغل اور قیام حال سے بھی اطلاع دین۔

ہمارے بھائی مسٹر راس مسعود الحمدللہ کہ بیرسٹری کے آخری امتحان مین بھی کامیاب ہو گئے ہم اُنہین مبارک باد کہتے ہین اور ہندوستان میں اُنکے چشم براہ ہین۔

ہمارے بھائیون مین مسٹر آغا محمد اکرم صاحب کا تبادلہ جبلپور سے بلاسپور کو ہوا اور مسٹر اظہر علی صاحب آنریری ضلع بریلی سے خلیل آباد ضلع بستی کے تحصیلداری پر آئے۔ آخر الذکر بھائی نے باوجود دائمی علالت کے تحصیلداری کے امتحان فوجداری مین نمایان کامیابی حاصل کی ہے۔

ہمارے بھائی مسٹر سید محمد رضا صاحب سب انسپکٹر، ریڈ کرسچین کالج مین مختصر نویسی کے نصاب کی تکمیل کے لیے لکھنؤ بھیجے گئے ہیں۔

ہمارے بھائی مسٹر سید حامد حسین صاحب سب ڈویژنل افیسر نواب گنج ضلع بریلی کا تبادلہ نہٹور ضلع بجنور کا ہوا ہے۔

دربار کے موقع پر الہ آباد مین ہمارے ایک آیندہ اولڈ بوائے عزیزی سید ہاشم خلف الصدق حضرت اکبر مدظلہ نے یہ دو شعر پڑہے تھے جنہین حضرت اکبر مدظلہ کے کلام سے دلچسپی رکھنے والون کے طبع کے لیے ہم یہاں درج کرتے ہیں ؎

دہلی مین بہار آئی ہے دربار کے دم سے
مرغانِ ہوا مست ہین، گل شاد، صبا خوش

مسجد مین رقصان ہون یہی کہتا ہون سب سے
کیون خوش نہ ہون مین اُس سے کہ ہو جس سے خدا خوش

قدر دانان اودھ پنچ

ہم اپنے بھائی مسٹر محسن حسین صاحب (نرسنگھ پور) کو عہ پیشگی رسید دے چکے تھے، اب انکا روپیہ وصول ہوگیا ہے باقی نامکمل فہرست حاضر خدمت ہے۔

۲۶۹ مسٹر خواجہ عبد المجید صاحب۔ بیرسٹرایٹ لا ۔ ۔ ۔ ۔ علیگڈھ

۲۷۰ مولوی معظم علی بیگ صاحب۔ نائب تحصیلدار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پیلی بھیت

۲۷۱ مسٹر سید عبد الباقی صاحب جسترار مدرستہ العلوم ۔ ۔ ۔ ۔ علیگڈھ

۲۷۲ ؍ سید محمد حسن صاحب بلگرامی۔ خیریت آباد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حیدرآباد دکن

۲۷۳ ؍ سید معصوم علیصاحب سب انسپکٹر۔ بارا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ضلع بدایون

۲۷۴ صاحبزادہ حاجی محمد حمید اللہ خان بہادر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بھوپال

۲۷۵ خان بہادر مولوی احمد علی صاحب ممبر کونسل ۔ ۔ ۔ ۔ جے پور

۲۷۶ مسٹر ممتاز حسین صاحب۔ بیرسٹرایٹ لا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لکھنؤ

۲۷۷ ؍ عبد الجلیل صاحب۔ نائب تحصیلدار۔ بانس گاؤن ۔ ۔ ۔ ۔ ضلع گورکھپور

۲۷۸ ؍ عبد الرشید خان صاحب رئیس حسن پور۔ ڈاکخانہ کچلہ ۔ ۔ ۔ ۔ ؍ بدایون

۲۷۹ ؍ عبد الغفار خان صاحب ضلعدار نہر۔ شیوراج پور ۔ ۔ ۔ ۔ ؍ کانپور

۲۸۰ ؍ میر سید حسن صاحب معرفت میر سید حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر ۔ ۔ ۔ ۔ لکھنؤ

۲۸۱ نواب معین الدین مرزا بہادر ۲۴ فیکلڈ اسٹریٹ ۔ ۔ ۔ ۔ کلکتہ

۲۸۲ مسٹر ایس ایم عبد اللہ خاں صاحب۔ انسپکٹر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نرسنگھ پور

۲۸۳ ؍ عبد الغنی صاحب اسسٹنٹ اکاونٹنٹ جنرل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حیدرآباد دکن

۲۸۴ ؍ قاضی کمال الدین صاحب انسپکٹر آبکاری۔ ہویری ۔ ۔ ۔ ۔ ضلع دھاروار

۲۸۵ مسٹر عبدالسلام صاحب اسسٹنٹ سٹلمنٹ افیسر بیگوسرائے ۔ ضلع مونگیر

۲۸۶ " محمد ادریس صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس ۔ اعظم گڈھ

۲۸۷ " سید حامد علی صاحب جج منگا دلی ۔ ریاست گوالیار

۲۸۸ مولوی داؤد احمد صاحب وکیل سرکار ۔ بھوپال

۲۸۹ مسٹر اسلم سیفی صاحب ۔ دہلی

۲۹۰ " حبیب الرحمن خان صاحب انسپکٹر بدھیاچل ۔ ضلع مرزاپور

۲۹۱ " محمد علی صاحب حقانی۔ ای اے سی۔ اہیری ۔ " چاندہ

۲۹۲ " محمد وسیم صاحب۔ بیرسٹرایٹ لا ۔ لکھنؤ

۲۹۳ " سید محمد علی صاحب ضلعدار نہر۔ دینا نگر ۔ ضلع گورداسپور

۲۹۴ " شیخ افضال احمد صاحب علوی۔ کڑا ۔ " الہ آباد

۲۹۵ " رفیع الدین صاحب انسپکٹر آبکاری ۔ جالون

۲۹۶ " ایچ فیاض احمد صاحب نکودر ۔ ضلع جلندھر

۲۹۷ " انتظار علی صاحب انسپکٹر آبکاری ۔ جون پور

۲۹۸ " محمد احسن صاحب۔ سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانجات ۔ فیض آباد

۲۹۹ " نجم الدین احمد صاحب۔ ڈویژنل فارم ۸ دلکشا ۔ لکھنؤ

۳۰۰ نواب ممتاز الدولہ سر محمد فیاض علیخان بہادر ۔ جے پور

۳۰۱ مولوی بدر الحسن صاحب منصف ۔ لکھنؤ

۳۰۲ " عبدالقادر صاحب۔ وکیل ۔ امراوتی

۳۰۳ مسٹر ممتاز اللہ خاں صاحب۔ نائب تحصیلدار ۔ سہارنپور

۳۰۴ " سید الطاف علی صاحب۔ ای اے سی ۔ نواکھالی

۳۰۵ " شجاعت علیخان صاحب۔ اتالیق مہاراجہ صاحب چھوٹی کھوان ۔ ضلع

۳۰۶ مسٹر محمد محمود صاحب۔ مددگار مہتمم بندوبست ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سنگھ

۳۰۷ سردار اشرف خان بہادر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گجرات

۳۰۸ مولوی سید الطاف حسین صاحب مددگار ناظم تعلیمات ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حیدرآباد دکن

۳۰۹ نوابزادہ نصراللہ خان بہادر۔ بیرسٹرایٹ لا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سیچین

۳۱۰ مسٹر عبدالمجید صاحب۔ کنٹرکٹر۔ سوجانپور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ضلع گرداسپور

۳۱۱ " اعظم جان خان صاحب ردجہان ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ضلع ڈیرہ غازیخان

۳۱۲ " عبدالعزیز صاحب ضلعدار نہر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مین پوری

۳۱۳ " امتیاز علیخان صاحب ضلعدار کورٹ سیسا۔ ڈاکخانہ دہورارا ضلع لکھیم پور

۳۱۴ " ابن احمد صاحب۔ بیرسٹرایٹ لا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الہ آباد

۳۱۵ " سید ظہور حسنین صاحب انسپکٹر خفیہ پولیس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

۳۱۶ " محمد یوسف خاں صاحب۔ نائب تحصیلدار۔ محمدآباد۔ ضلع ۔ ۔ ۔ ۔ غازی پور

۳۱۷ " سید وقار حسین صاحب سب انسپکٹر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لکھنؤ

۳۱۸ " سید محمد ہاشم صاحب۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہردوئی

۳۱۹ نواب سید نصیر حسین خان بہادر۔ خیال رئیس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پٹنہ

۳۲۰ مسٹر یعقوب علی خاں صاحب۔ نائب تحصیلدار۔ شاہ آباد ۔ ۔ ۔ ریاست رامپور

۳۲۱ " عبدالقادر صاحب مدراسی۔ انسپکٹر آبکاری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سہارن پور

۳۲۲ مولوی حبیب الرحمن خانصاحب رئیس حبیب گنج ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ضلع علیگڈہ

۳۲۳ مسٹر عابد حسین خاں صاحب سب انسپکٹر۔ کہنور ۔ ۔ ۔ ۔ " میرٹھ

۳۲۴ " عبدالکریم خاں صاحب۔ ڈپٹی کلکٹر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اعظم گڈہ

۳۲۵ " شمس الحسن صاحب۔ منصف۔ شکوہ آباد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ضلع مین پوری

۳۲۶ " محمد اشفاق حسین صاحب انسپکٹر آبکاری ۔ ۔ ۔ ۔ جہانسی

۳۲۷ مسٹر عماد اللہ خاں صاحب۔ جج عدالت خفیفہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رامپور

۳۲۸ " احمد سعید خاں صاحب رئیس چھتاری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ضلع بلند شہر

۳۲۹ " عبدالواحد خاں صاحب۔ تحصیلدار۔ جانسٹھ ۔ ۔ ۔ ۔ " مظفرنگر

۳۳۰ " قاضی مخدوم حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مراد آباد

۳۳۱ " خان بہادر قاضی عزیز الدین صاحب۔ ممبر کونسل ۔ ۔ ریاست بھرتپور

۳۳۲ " معشوق حسین صاحب۔ تعلقدار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عثمان آباد دکن

۳۳۳ ڈاکٹر محمد سلیم صاحب سب اسسٹنٹ سرجن۔ اگلاس ۔ ۔ ۔ ۔ ضلع علیگڈھ

۳۳۴ مسٹر انعام الحق صاحب۔ فارن آفس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کلکتہ

۳۳۵ " خواجہ سجاد حسین صاحب ۔ انسپکٹر مدارس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جلندہر

۳۳۶ " غلام محمد منشی صاحب۔ بیرسٹرایٹ لا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ راجکوٹ

۳۳۷ آنریبل نواب سید نواب علی صاحب چودھری۔ رئیس دین باری ضلع ۔ ۔ میمن سنگھ

۳۳۸ " مسٹر شاہ دین جسٹس چیف کورٹ پنجاب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لاہور

۳۳۹ " نواب عماد الملک بہادر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حیدرآباد دکن

۳۴۰ مسٹر احسان الحق صاحب بیرسٹرایٹ لا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جلندہر

۳۴۱ " سید وصی الحسن صاحب بلگرامی۔ نائب تحصیلدار۔ غازی پور ضلع ۔ فتحپور

۳۴۲ " محمد صاحب پرہا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اعظم گڈھ

۳۴۳ " شیخ نور احمد صاحب سب انسپکٹر نادان ضلع ۔ ۔ ۔ ہردوئی

۳۴۴ " برکت اللہ صاحب انسپکٹر آبکاری ۔ ۔ ۔ ۔ گونڈہ

۳۴۵ " سید افتخار عالم صاحب۔ رئیس۔ مارہرہ ۔ ۔ ۔ ضلع ایٹہ

فروری

اولڈ بوائز

علی گڑھ

رجسٹرڈ نمبر ایل (۵۲۲)

اولڈبوائے

جلد ۴ بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۱۲ع نمبر ۵

اڈیٹر
ابوحامد عترت حسین بی اے علیگ

فہرست مضامین

باہتمام مولوی رشید احمد انصاری

مطبع احمدی علی گڈہ میں طبع ہوا

حسب ایماء عبدالعلیم خاں صاحب منیجر نیشنل کنسرن دفتر اولڈبوائے چھاؤنی بنارس سے شائع ہوا قیمت سالانہ ۳ عہ

اولڈبوائے

اس ماہواری رسالے کے خاص مقاصد یہ ہیں

(۱) جملہ سابق طلبار مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علیگڈھ کے دلوں میں اُنکے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا اُسکے حالات سے اُنکو باخبر کرنا اور اُس کی ترقی کے لیے ہر طرح کوشاں رہنا۔

(۲) اولڈبوائز میں رشتہ اخوت قائم رکھنا، اور اُنکو ترقی دینا، اور اُنکے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

(۳) "اولڈبوائز ایسوسی ایشن" اور "کالج" کی مالی مدد کے لیے سابق طلبار کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادر مہربان کے خدمت گذار اور اپنی خواہش کے فرزندوں کی خدمات کافی تسلی بخش ہوں۔

(۴) جملہ اولڈبوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا، تاکہ وہ قومی خدمات میں معتد بہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کرسکیں جو قوم نے اُنپر ہمارے کالج کے قائم کرنے سے کیا۔

(حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست کی جاتی ہے)

(۱) جملہ خط وکتابت دربارہ ترسیل زر وتبدیل پتہ "منیجر اولڈبائے" بنارس سے ہونی چاہیے۔

(۲) مضامین ودیگر مراسلات بنام "اسسٹنٹ اڈیٹر" "اولڈبائے" بنارس آنا چاہیے۔

اسی طرح ریویو کے لیے کتابیں اور تبادلہ کے لیے اخبارات ورسائل بھی۔

منتظمان "اولڈبوائے" ہروقت مفید مشورہ ودفع شکایات کے لیے تیار ہیں اور شکرگذاری کے ساتھ اُنپر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر ومنیجر

۱۹۲۸ء

اولڈبوائ

ہمارا ادب

از مولانا اشہری صاحب نور اللہ مرقدہٗ

اے علم مشرقی کے آشفتہ مفاخر — اے علم مجلسی کے واندۂ مظاہر
اے جمہونکے شاکی اے نعمتوں کے ناکر — اے اپنے آپ ظالم اے اپنے آپ جابر

اے میرے پیارے لڑکو لے سوٹ بوٹ ڈالو
میرے آہ و نالے گر کان ہیں تو سُن لو

اچھی طرح سمجھ لو جو میں ہوں تم سے کہتا — مشرق میں تم ہو رہتے مشرق وطن تمہارا
مغرب کا بہ رہا ہے جو اپنی رو میں دریا — موجوں کے ساتھ پہونچے تہ تک نہ کوئی قطرہ

موجوں کے ساتھ چلکر ہرگز نہ کھاؤ غوطے
موتی نکالنے کو اس میں لگاؤ غوطے

دنیا میں جتنی باتیں ہوتی ہیں بزم آرا ئی ۔ اُن سب کو تم نے اپنے علم ادب میں سمجھا
کیمسٹری سے تم نے سب کے نکالے اجزا ۔ سب کے مزاج دیکھے ہنگام انضباط انشا

القاب بھی بنائے آداب بھی بنا لے
اُنکے اثر سے سارے اپنے ہوئے پرائے

اپنی زباں میں لائے تم دہر کے حقائق ۔ تم ترجموں میں نکلے دنیا سے بڑھ کے لائق
ہر شے کے تم تھے جویا ہر چیز کے تھے شائق ۔ آخر رہے جہاں میں ہر طرح تم بھی فائق

ہر ایک علم و فن میں اپنا ادب نہ بھولے
تم سے پہلے گلستاں گلزار تم سے پھولے

تھا جو ادب تمہارا ، معشوق تھا وہ بالکل ۔ تم بیٹھتے تو ہوتا اظہار صد تحمل
اُٹھتے جو تم تو اُٹھتا تعظیم کو تجمل ۔ چلتے تو ساتھ چلتے آداب دہر بالکل

اب وہ صفات تم سے رخصت ہوئی ہیں بالکل
جو کرتے ہو غلط ہے ، ذہن سے غلط سمائی

ہو سنسکرت و بھاشا یا پارسی و تازی ۔ ہو صورت صفاہاں یا پیکر حجازی
ہو جلوۂ حقیقی یا عشوۂ مجازی ۔ ہے رنگ سب میں یکساں ہر ایک یکسانی

جو بات جس زباں میں دیکھو گے تم ادب کی
ہے قفل ایک انکا کنجی الگ ہے سب کی

شیراز میں تھے رہتے یا ساکن عرب تھے ۔ مسکن کہیں ہو لیکن مجموعۂ ادب تھے
نسخے شفا کے ملتے کہیں جو سب کے ۔ اس مدرسہ میں جو تھے حکمت مآب سب تھے

پہلے ادب میں اپنے آداب شاہ دیکھو
چلتی ہے کس ادب سے یہ شاہراہ دیکھو

ہر شرقی ادب میں اک فلسفہ ہے نہاں ۔ دیکھو عجم کے شغفے دیکھو عرب کے زماں

حکام کے عرائض دیکھو بنام سلطاں — جنگل نہ جانو اس کو سمجھو اسے گلستاں

اُس سے ادب نکالو ماخذ اُسے بناؤ

جو بڑہ گیا گھٹاؤ، جو گھٹ گیا بڑھاؤ

سمجھو جو ایشیا میں ہر قوم کا ادب ہی — جو جاں کنی سے اپنی افسوس جاں بلب ہی

اُس کی دوستی کا جو اک بڑا سبب ہی — جو ادل ذفیلشنی سے مطعون روز و شب ہی

بگڑے ہمارے صدہا کام اسنے تھے بنائے

بے شبہ اُس ادب نے اپنے کیے پرائے

ہندوستاں میں ہر سو جو غل ہی کانگرس کا — بنگالی اور مرہٹے جس میں ہیں صرف غوغا

ہیں اُس میں اچھی باتیں اکثر صحیفہ آرا — ہر اہل عقل اُن کو بیشک کہے گا اچھا

لیکن انہوں نے اپنی جیسی صدا لگائی

وہ بے ادب صدا تھی جو غیر کو نہ بھائی

جو ہیں رفارم کرتے جو ہیں بے سپیکر — اسٹیج پر جو آکر دیتے ہیں اپنے لکچر

مذہب میں اپنے جو ہیں محو خلاف دیگر — تعلیم سے ہیں جتنے جو پائے راز نیچر

اُن سب سے ہوں میں کہتا اپنے ادب کو دیکھو

پہلے یہ کام کر لو، آخر میں سب کو دیکھو

جو چاہے کچھ اثر ہو لفظوں سے اُسکے پیدا — تجربہ سے جو چاہے پورا ہو اُس کا منشا

تقریر سے جو کر لے دشمن کو دوست اپنا — باتوں سے جو کہ چاہے ہو موم سنگ خارا

وہ نسخہ ادب کو ہر وقت پاس رکھے

اللہ کی مدد کی ہر وقت آس رکھے

گر چاہتے ہو دل میں غیر دنکے گھر بنانا — گر چاہتے ہو اپنا اجڑا محل بسانا

منظور ہی جو تم کو قسمت کا آزمانا — گر چاہتے ہو ظاہر ہو تم سے فعل دانا

تو کرلو یاد اپنے بھولے ہوئے ادب کو
پھر بات دلیکوگے باتوں سے اپنی سب کو

انگلش کی پالسی میں بے وقت کچھ نہ بولو — اُنکی مخالفت میں اپنی زباں نہ کھولو
جس سے کرو تخالف تم اس سے بڑہ کے ہو لو — جو داغ لگ گئے ہیں دامن سے اُنکو دھو لو

راضی کہیں نہ ہووے کوئی مخالفت سے
راضی ہو ہر طبیعت سچی موانست سے

ہر بات میں ادب کو سمجھو تم اپنا رہبر — ہر بات میں ادب کو سمجھو ہی خضر پیکر
یہ تاج ہی تمہارا، سرتاج شاہ و قیصر — یہ ہی تمہارا بھائی یہ ہے تمہارا نوکر

ہوتے ادب سے دیکھے دنیا میں دوست دشمن
روشن وہ گھری جس میں شمع ادب ہی روشن

اللہ کی ہو رحمت سید نے تھا یہ چاہا — کالج میں جمع کردیں مجموعہ اک ادب کا
جسکو کہ دیکھیں لڑکے برتیں وہ طرز انشا — ہر درجہ کا تفاوت سمجھے ہر ایک لڑکا

لیکن یہ کام اب تک یوں ہی پڑا ہوا ہی
کرو اسے مدون یہ قوم کی دوا ہے

معدن پہ تم کھڑے ہو لیکن نہیں سمجھتے — ہوتا ہی لعل کیسا ہوتے ہیں کیسے ہیرے
معدن سے تم نے پائے بلور کے ہیں ٹکڑے — تم کو وہ نور سمجھے بلوری کو اپنے

اے کاش یہ نہ لیتے ہیرے کے بدلے پتھر
لیتے تو چن کے لیتے یاقوت و لعل و گوہر

اکبر کے نورتن میں علامی اور فیضی — دونوں ادب کے پتلے گزرے جہاں میں نامی
جو بات جس ادب سے پاؤ تم اُنکی لکھی — تم پر ہوئی ہی لازم، اردو میں مشق اُس کی

انگلش میں تم کو لازم انشا اُسی ادب کا

تصویریں سو بناؤ لیکن ہو ایک کینڈا

یحییٰ برمکی کے حسنِ ادب کو دیکھو　　جتنے ادیب گذرے لفظوں کو سب کے دیکھو
سعد اللہ خاں کے لطفِ حسنِ طلب کو دیکھو　　کس طرح سر کرتے جوشِ غضب کو دیکھو

پڑھ جاؤ دل لگا کر آئینِ اکبری کو
دیکھو ادب سے لیکر توقیعِ سنجری کو

تم شاہنامہ لے کر چھانٹو ادب کی باتیں　　اُس کو نہ دیکھو اس میں لکھی ہیں کب کی باتیں
تم دیکھ لوگے اُس میں پاؤ گے سب کی باتیں　　اظہارِ غم کی شکلیں، لطفِ طرب کی باتیں

اسکے ادب سے پیارو اپنا ادب بناؤ
اردو میں فارسی کی شانِ ادب دکھاؤ

تازی کے کچھ نمونے ہو جائیں گر میسّر　　اُنکو ادیب سمجھو رکھو تم اپنے سر پر
ملجائے فارسی میں گر عاملانہ دفتر　　انگلش نے جس ادب کو سمجھا ہی اپنا رہبر

اُن سب کو جمع کر کے مجموعہ اک بناؤ
انگلش زبان میں اپنی وضعِ ادب دکھاؤ

انگلش مذاق تم کو آ لے نہ راس اصلا　　ممکن نہیں ہی ہووے دونوں کا ایک منشا
دہ ملک کے ہیں مالک تم اُن کی ہو رعایا　　مفتوح کا مساوی درجہ ہوا نہو گا

طاقت تو کر لو پیدا ہاتھوں میں منشکل کی
پھر سب نکال لینا جو آرزو ہو دل کی

(اس نظم کی جانب ہم اپنے ناظرین کو عموماً اور اپنے علم دوست بھائیوں کو خصوصاً متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں جو کچھ کہا گیا ہی اُسے بغور پڑھیں، جو باتیں ناپسند ہوں چھوڑ دیں اور جن باتوں پر عمل کی ضرورت ہو نوٹ فرمالیں۔ اولڈ بوائے)

علی گڈھی حاجی

ہم تاریخ ۱۷ دسمبر ۱۹۰۹ء دن کے ساڑھے نو بجے گودی یا بندرگاہ جدہ میں پہنچے۔ اُسوقت بارش نہایت زور سے ہورہی تھی اور آندھی کا طوفان برپا تھا۔ بارش کا سلسلہ کئی گھنٹہ اس شدت سے جاری رہا کہ اس سے پہلے تقریباً سات سال کے عرصہ میں کبھی ایسی بارش نہیں ہوئی تھی اہل عرب اسکو شگون نیک سمجھتے ہیں شدت بادوباران کے باعث بہت دیر تک کوئی کشتی مسافروں کے لیے جہاز تک نہیں آسکی البستہ جہاز اور بندرگاہ کے عمدہ دار کشتیوں میں پھر رہے تھے۔ جہاز ساحل سے بہت فاصلہ پر لنگر انداز ہوا۔ سمندر میں تہ آب چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں پانی کی سطح سے اسقدر قریب ہیں کہ جہاز تو جہاز بڑی کشتی ہی جسکو لنگا کہتے ہیں ساحل تک نہیں جا سکتی (چھوٹی کشتی کو ناؤ یا سنبوک کہتے ہیں) بارش کا زور کم ہونے کے بعد مسافروں کے لیے کشتیاں آئیں اور مسافر اُترنے شروع ہوے۔ ان کشتیوں میں کافی گنجایش ہی ہر ایک میں چالیس سے لیکر پچاس آدمی تک بیٹھتے ہیں کرایہ کی شرح سرکاری طور پر مقرر ہوتی ہی جو ساحل پر پہنچنے کے بعد شیخ وصول کرتا ہی اس سال کشتی کا کرایہ فی کس ایک روپیہ دو آنہ مقرر ہی ہمارے ملک کی کشتیوں سے ان کشتیوں میں اگر کچھ فرق ہی تو صرف اسقدر کہ انکا حصہ زیرین سطح یعنی چپٹا ہوتا ہی۔ ہم ایک کشتی پر سوار ہو کر تین گھنٹے کے عرصہ میں عین مغرب کے وقت ساحل پر اُترے۔ یہاں پولیس کا انتظام ہی اور پاسپورٹ دیکھا جاتا ہی یہاں کی گودی اسقدر چھوٹی ہی کہ اس میں بوقت واحد مشکل سے چند کشتیاں لگ سکتی ہیں یہاں صرف مسافر ہی اُتارے جاتے ہیں اسباب وسامان وغیرہ اُتارنے کے لیے دوسری جگہ مقرر ہی جہاں کشتی والے سامان اُتار دیتے ہیں گودی کے متصل ہی ایک مسافرخانہ ہی جس میں چند بینچ پڑی ہیں معلموں کے آدمی اسی مسافرخانہ میں ملتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ تمہارا معلم کون ہی ہمارے معلم کہ نے ہمکو ہدایت کی تھی کہ ساحل پر اُترتے ہی شیخ محمود اسونی کو تلاش

کرلینا ہم سے معلم کا نام شکر اُنکے آدمی ہمارے ساتھ ہو گئے اور ہمارا کام کاج کرنے لگے یہاں سے
شہر جدہ جانے کے لیے ایک دروازہ میں سے گذرنا پڑتا ہے اس دروازہ میں محصول خانہ ہے
ہمنے کشتی سے اُترتے ہی نماز مغرب ادا کی دو تین ترکی افسر یہاں سامان کو دیکھتے ہیں جو
سامان قابل محصول ہوتا ہے اُسکا محصول لے لیتے ہیں ترکی تماکو کے علاوہ دوسرا تمباکو برآمد
ہونا جرم ہے لیکن حاجیوں کا لحاظ کیا جاتا ہے یہاں بلدیہ صیغہ صفائی یا مینونسپلٹی کا ایک روپیہ دو آنہ
چھ پائی ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ شربت والے بکثرت شربت پلاتے پھرتے ہیں۔ حمال زیادہ تر
افریقہ کے اور حضر موتی لوگ ہیں اور مختصری دوکانیں بھی یہاں موجود ہیں معلمین کے نائب
جدہ میں رہتے ہیں اور جسقدر حاجی جس معلم کے ہوتے ہیں وہ اُسکے نائب کی معرفت اور اگر
معلم نہو تو اپنے طور پر ضروری انتظام کر سکتے ہیں اگرچہ بارش سے سڑکیں خراب ہوگئیں تھیں
لیکن ہماری قیام گاہ زیادہ فاصلہ پر نہیں تھی ہم شیخ محمود اسوینی کے ہاں چلے گئے جو ہمارے
معلم کے شریک ہیں اُنکا مکان بازار میں لب سڑک واقع ہے آراستہ اور آرام کا ہے لیکن بعض
وجوہ سے ہم اُنکی معاملت کو پسند نہیں کرتے یہ لوگ عام طور پر ایک روپیہ روزانہ سے دو آنہ
روزانہ تک قیام مکان کی بابت اور ایک روپیہ آٹھہ آنہ حق نیابت لیتے ہیں خدا کا شکر ہے
کہ ہمکو اپنے قیام کے لیے مکان کی بالائی منزل پر عمدہ کمرے ملگئے جہاں کھانے اور استراحت
کا اچھا بندوبست ہوا البتہ پانی اچھا نہیں ملا لیکن ہمنے جہاز سے اپنے ساتھ تھوڑا پانی لے لیا تھا
وہ کام آیا۔ یہاں چار معمول سے زیادہ تیز بنائی جاتی ہے۔

جدہ ملک عرب کے مغربی ساحل پر ایک مشہور بندرگاہ ہے پرانی عمارت کے آثار
اس کی قدامت کے شاہد حال ہیں جدہ کی مستقل آبادی تقریباً ۲۰۰۰۰ بیان کیجاتی ہے لیکن بزمانۂ
حج مختلف ممالک کے حجاج وزائرین کا لاکھوں کی تعداد میں اژدہام ہو جاتا ہے یہاں کی عمارات
خوبصورت وشاندار اور سڑکیں عمدہ ہیں اور تقریباً تمام دول یورپ کے قنصل رہتے ہیں یہ
ایک تجارتی شہر ہے جہاں ہر قسم کا سامان اور ہر جگہ کی اشیاء دستیاب ہو سکتی ہیں شہر میں متعدد

مساجد اور رباطیں (سرائیں) موجود ہیں ان میں سے ایک مسجد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب ہے اور بیرون شہر پناہ ایک قبر ہے جسکو حضرت حوا علیہا السلام کا مزار مبارک بتایا جاتا ہے جسپر ہمنے فاتحہ پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ ہمنے رات ہی سے تین اونٹ کرایہ کیے اور راستہ کی حفاظت کے لیے دو عربوں کو جنکا نام عبدالرحمن اور سعید تھا تین اور دو گنی (اشرفیوں) پر زمانہ حج تک ملازم رکھا۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۰۹ء کو صبح کے ۸ بجے مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہوئے ابر موجود ہی تھا تھوڑی دور نہ چلنے پائے تھے کہ بارش شروع ہو گئی اگرچہ ہمنے بارش کے خیال سے بطور حفظ ما تقدم شغدف پر موم جامہ منڈھوالیا تھا لیکن یہ کافی نہیں ہوا ہم خوب بھیگے اور ہماری اکثر چیزیں تر بتر ہو گئیں اور بوجہ کثرت بارش سردی بھی خوب ہوئی یہاں سے مکہ معظمہ تک راستہ بہت اچھا ہے اور مسافروں کی آسائش و حفاظت کے لیے دو دو کوس کے فاصلہ پر فوجی چوکیاں مسلسل چلی گئی ہیں جہاں سپاہی گشت لگاتے رہتے ہیں۔ اس راستہ میں جابجا قہوے خانے قائم ہیں بعض بعض جگہ ہمنے بھی قہوہ پیا ایک ہللہ فی فنجان لیتے ہیں ہم تقریباً گیارہ گھنٹے اونٹ پر سفر کرنے کے بعد مقام بحیرہ پہونچے یہ مقام مابین جدہ و مکہ معظمہ واقع ہے۔ مختصر سی آبادی ہے اور بدؤوں کی جھونپڑیاں بنی ہوئی ہیں یہاں قافلہ قیام کرتا ہے پانی کا اچھا انتظام ہے آگ اور پانی اور جاے قیام کا معاوضہ چار آنہ فی کس روزانہ لیتے ہیں ہمنے علیحدہ ایک سالم جھونپڑی لی اور دو روپیہ کرایہ کے ادا کیے باوجودیکہ ہمنے اونٹ کا کرایہ معمول سے زیادہ دیا تھا تاہم دلالوں نے دھوکا دیکر ایک ایسا اونٹ دیا جو ٹھوکر لیتا تھا یہاں آکر ہمنے تبدیل اونٹ کی کوشش کی کہہ سنکر اور بخشش دیکر اُس اونٹ کی بجاے دوسرا طاقتور اونٹ بدلوایا۔ دوسرے روز یعنی ۱۹ دسمبر ۱۹۰۹ء کو صبح کے چار بجے نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر سوار ہوئے آج مکہ معظمہ کی رویت کے لحاظ سے ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ کی چھٹی اور بلحاظ تقویم ہند پانچویں تاریخ ہے لیکن اس ماہ میں مکہ معظمہ کی تاریخ معتبر ہے۔ دو بجے سے کچھ قبل مکہ معظمہ کے حدود نظر آنے لگے۔

یہ مقام شہر مکہ معظمہ سے تخمیناً چار کوس کے فاصلہ پر ہی الحمد للہ کہ مغرب کے وقت مکہ معظمہ میں حاضر ہونیکی سعادت حاصل ہوئی

مکہ معظمہ

مکہ معظمہ ملک عرب میں دنیا اسلام کا مشہور و معروف ترین شہر ہی۔ جدہ سے تقریباً ۴۵ میل بجانب شرق متعدد پہاڑیوں کے درمیان اُس مقام پر واقع ہی جو کسی زمانہ میں ناقابل غیر آباد اور ریگستان تھا جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پیارے فرزند حضرت اسمعیل علیہ السلام اور اُنکی والدہ ماجدہ بی بی حاجرہ رضی اللہ عنہا کو چھوڑ کر اس جنگل کی آبادی اور اس ریگستان کی سرسبزی کی دعا کی تھی خداوند تعالیٰ نے اس بیابان کو نہ صرف آباد اور سرسبز بنایا ہی بلکہ اُسکو وہ فضیلت و منزلت عطا فرمائی ہی جو روے زمین کے کسی شہر کو حاصل نہیں چنانچہ اُسکو خداوند تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بلد امین اور ام القریٰ کے خطاب سے مشرف فرمایا اور مولد نبی کریم و خلفاء راشدین اور مقام نزول وحی اور سرچشمہ و گہوارہ اسلام ہونیکا افتخار بخشا جو اپنے شرف کی بدولت منبع برکات و معدن حسنات ہی۔ یہ وہ سرزمین مقدس ہی جہاں سے اسلام کا آفتاب عالمتاب جلوہ گر ہوا اور جہاں نبی مکرم برسوں تک احکام خداوندی کی تبلیغ فرماتے رہے۔ یہی ایسا متبرک مقام ہی جہاں انبیا و بے شمار صحابہ کرام اور اولیاء اللہ مدفون ہیں۔ دنیاوی اعتبار سے بلحاظ تجارت یہی شہر عرب کی تجارتی منڈی ہی۔ کسی زمانہ میں یہی وقعت طائف کو حاصل تھی مگر چونکہ تہامہ سے وہاں تک بسہولت پہنچنے کے لیے کوئی اچھا راستہ نہ تھا اسلیے وہاں کی تجارت بھی مکہ معظمہ کو منتقل ہوگئی اب یہ شہر ملک عرب میں مرکز تجارت ہی یہاں کے بازارات تمام دنیا کے نایاب و زمانہ اسباب سے بھرے پڑے ہیں۔ شام و مصر کا مشہور پارچہ استنبول کا اور ہر جگہ اور ہر قسم کا سامان تجارت دستیاب ہو سکتا ہی لیکن زیادہ فروغ انگریزی تجارت کو ہی۔ پارچہ جات عموماً یورپ کے تیارشدہ

اور کہانے کی چیزوں میں مربہ جات اچار چٹنی اور مٹھائیاں وغیرہ انگریزی ساخت کی بکثرت
ملتی ہیں۔ یہاں کی پیداوار میں کہجور کو خاص امتیاز حاصل ہی جو نہایت عمدہ اور افراط کے ساتھہ پیدا
ہوتی ہی۔ درخت کہجور سے ہی بہت کام لیا جاتا ہی۔ صندوق پلنگ اور اکثر چیزیں اسی سے
بنائی جاتی ہیں۔ طائف کا میوہ جو اپنی خوبی اور ارزانی میں بے مثل ہی بکثرت فروخت ہوتا ہی
یہاں کی عمارات سنگ بستہ اور خوشنما ہیں کہ مکہ کی آبادی پہاڑوں کے درمیان میں واقع ہی
لیکن رفتہ رفتہ آبادی میں اضافہ ہوکر پہاڑ بھی آباد ہو گئے چنانچہ فی الحال پہاڑوں پر بہت
بڑی آبادی ہی اور عالیشان عمارات موجود ہیں ان عمارات میں کثرت آبادی کے ساتھہ اضافہ
ہوتا رہتا ہی۔ مکہ معظمہ کی آبادی قریب قریب ہے۔ مکانات چہہ منزلہ تک ہیں۔ بازاروں میں
سب سے زیادہ دو بازار مشہور ہیں۔ ایک سویقہ دوسرا شامیان۔ سویقہ ایک تنگ بازار ہی جس نے
دہلی کا دریبہ دیکہا ہی یا لکہنؤ کا چوک وہ تنگ بازار کی حقیقت سے خوب واقف ہوگا سویقہ
تجارت میں دریبہ سے ہزار چند زیادہ ہے۔ بازار شامیان میں ہی سب طرح کے سوداگر
ہیں لیکن سویقہ کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ تجارت میں بڑی تجارتیں زیادہ تر شامیوں کے ہاتہہ میں
ہی۔ اُسکے بعد ہندوستانیوں کا درجہ ہی سویقہ میں کرایہ دکان کم سے کم چالیس گنی یعنی چہہ سو
روپیہ سالانہ ہی اور مالک دکان سالم سال کا کرایہ یکم محرم کو پیشگی لے لیتے ہیں اگر کوئی شخص
دُکان کے آگے تخت وغیرہ بچہائے تو اُس سے ہی کم سے کم دس گنی تو ضرور لیں گے عموماً
تجار اپنے گودام دوسرے بازاروں میں رکہتے ہیں۔ کوشش یہ کی گئی ہی کہ ہر جنس جداگانہ ہو
مثلاً جوہری سب ایک قطار میں کپڑے والے ایک قطار میں تسبیح والے ایک میں لیکن
پورے طور پر یہ انتظام ہو نہیں سکا شہر کے انتظام کے واسطے پولیس ہی ہی لیکن بہت کم
اور ہر پولیس پر ایک اور پولس ہی جسکو .... کہتے ہیں۔ یہ سب لوگ ترک ہوتے ہیں ان
کے علاوہ ہر ایک قسم کے سوداگروں کے شیخ بہی ہیں۔ مثلاً جوہریوں بزازوں اور بساطیوں
کے شیوخ علحدہ علحدہ ہیں۔ اگر کسی شخص کو معمولی شکایت ہو تو اُن شیوخ سے رجوع کرسکتا ہی

اور وہ نہایت عمدگی سے تصفیہ کر دیتے ہیں اور اگر معاملہ کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ اُس میں ملزم کو
معقول سزا دیجائے تو اُسکے متعلق ضروری کارروائی کرکے اعلیٰ عہدہ دار سرکاری کے پاس
پیش کر دیتے ہیں گویا مستغیث کے وکیل بھی ہو جاتے ہیں یہاں علاوہ سرکاری ڈاکٹر کے خانگی
ڈاکٹر اور دواخانے بھی ہیں۔ دوائیں زیادہ تر یورپ سے آتی ہیں اور ہر قسم کی پٹینٹ دوا دستیاب
ہوسکتی ہے حکیم بھی یہاں ہیں یہ حکیم زیادہ تر ہندی ہیں۔ اور یہ خراب اور مرکبات بشکل دستیاب
ہوتے ہیں۔ جو لوگ ڈاکٹری دوا کے عادی نہیں ہیں وہ خود مرکبات تیار کر لیتے ہیں۔ سرکاری
شفاخانہ بہت عالیشان اور نہایت صاف ستھرا ہے اس میں دو ڈاکٹر مقرر ہیں اور مریضوں
کے لیے متعدد پلنگ مہیا ہیں۔ غریبوں کو دوا وغیرہ مفت ملتی ہے اور صاحبان دولت سے
بعض وقت قیمت بھی لی جاتی ہے گلیاں اور کوچے صاف نہیں ہیں اسکے علاوہ راستے ایسے
ہیں کہ وہاں دہوپ بہت کم آتی ہے غالباً ان وجوہ سے بھی زمانہ حج میں بیماری پیدا ہوتی ہے
بعض عربوں نے شہر کے باہر مکانات بنا لیے ہیں اور موجودہ شریف صاحب کے
باغات منا کے راستے میں ہیں دیگر معززین نے بھی اب اسکو پسند کیا ہے۔ فوج جسکو اُردو
کہتے ہیں تھوڑی سی شہر میں اور زیادہ تر قلعہ میں اُس پہاڑ کی ایک چوٹی پر جو شہر مکہ کے اطراف
میں واقع ہے رہتی ہے لیکن اب شہر کے باہر ہی ایک عمارت بنی ہے جسکو عسکریہ کہتے ہیں گو ابھی
وہاں پوری فوج منتقل نہیں ہوئی لیکن کچھ حصہ چلا گیا ہے اس عمارت کے قریب ہی ریلوے
اسٹیشن مکہ زیر تعمیر ہے اور ایک عالیشان مسافر خانہ بھی بن رہا ہے غالباً اس مسافر خانہ میں ایک
ہزار آدمی ایک وقت میں قیام کر سکیں گے یہ عمارات نہایت عمدہ موقع پر تیار ہو رہی ہیں
بازار صفا مروا میں زیادہ تر صرافوں اور حجاموں کی دوکانیں ہیں صفا مروہ دوڑ کر اکثر اشخاص حلق
کرلیتے ہیں یہاں سے ایک راستہ جنت المعلےٰ کو اور دوسرا قلعہ کو جاتا ہے اس بازار میں ہر قسم
ہتھیار تلواریں ریوالور اور دیگر سامان حرب بہ کثرت فروخت ہوتا ہے اس بازار میں سے ایک
گلی جاتی ہے جس میں قصاب یکجا رہتے ہیں اور دوسری طرف ایک احاطہ ہے جس میں سامان

نیلام ہوتا ہی کہ معظمہ میں مسجدیں بہت کم ہیں اور جہاں تک دریافت ہوا ہی اُسکے مطابق اس شہر کی
آبادی معمولی ایام میں کم سے کم دو لاکھ سے زائد ہی اس میں زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو ہجرت کر کے
آگئے ہیں بخاریں زیادہ تر ہندوستانی ہیں یہ لوگ شہر سے ذرا فاصلہ پر رہتے ہیں اہل مکہ کا
طریقہ بود و باش ترکی وضع سے ملتا ہی لیکن اب میز و کرسیاں کافی مقدار میں اور لباس
میں جدت اور پُرانے طریقے سے نفرت پائی جاتی ہی۔ الحمدللہ ہمنے داخل مکہ معظمہ ہونیکے
بعد اپنے قیام گاہ میں وضو وغیرہ کر کے نماز مغرب ادا کی اور اپنے کمال اشتیاق اور دیرینہ آرزو
کو لیے ہوئے حاجی شیخ محمد سراج صاحب معلم کے ہمراہ حاضری حرم شریف اور طواف بیت اللہ
سے مشرف ہونیکی سعادت حاصل کی۔ اسکے بعد چونکہ راستہ میں خوب بھیگے تھے اور
اندیشہ تھا کہ مبادا سردی اثر کر جائے اسلیے ہم قہوۃ الحمارہ کے قریب جو سب سے بڑا حمام ہی
نہانے گئے یہ حمام اگرچہ شام او مصر کے حماموں کے مقابلہ میں ادنیٰ درجہ کا ہی تاہم بیانکے
لحاظ سے بہت اچھا ہی بیان کیا جاتا ہی کہ اس حمام کو خلیفہ ہارون الرشید نے تعمیر کرایا
تھا جس میں اُنکی بنائی ہوئی مشہور نہر زبیدہ کا پانی بہم پہنچایا جاتا ہی۔ حمام سے فارغ ہو کر اپنے
قیام گاہ کو واپس آئے چونکہ تھکے ہوئے تھے نیند آگئی تہجد کی نماز کے واسطے پھر حرم
شریف میں حاضر ہوئے۔ اسوقت یہاں کی حالت قابل دید ہی قریباً تین بجے ہونگے مؤذن
صلوٰۃ کہہ رہے ہیں اور ہزارہا آدمی نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ خانہ کعبہ کے طواف
میں مشغول اور بکمال عجز و انکسار خدائے واحد کی عبادت میں مصروف ہیں ہم نماز فجر تک حرم شریف
میں حاضر رہے؛

بیت اللہ و مسجد الحرام

شہر مکہ کے وسط میں وہ مقدس و متبرک مکان بہ عمارت وسیع و عالی شان واقع ہی
جو کعبہ شریف اور بیت اللہ کے مبارک نام سے موسوم ہی اور دنیا میں سب سے پہلا

مکان ہی جو خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے بنایا گیا تھا اور جسکو خداوند تعالیٰ اپنے
اپنی طرف منسوب فرماکر شرف وفضیلت کے مدارج اعلیٰ عطا فرمائے اُسکو عالم کا قبلہ قرار دیا اور
تمام مستطیع مسلمانوں پر اُسکا حج فرض فرمایا تاکہ اطراف واکناف عالم سے وہاں حاضر ہوکر اپنے
قلوب کو نور ایمان اور تجلیات الٰہی سے تاقیامت منور کرتے رہیں اور حدود حرم کو وہ عظمت
وبزرگی عنایت ہوئی کہ وہاں شکار اور قطع اشجار تک کو حرام فرمادیا گیا۔ مسجد الحرام خانہ کعبہ کے
چاروں طرف مسلسل ومتصل نہایت شاندار یک منزلہ عمارت ہی جو تین درجہ کا ایک ہی دالان
معلوم ہوتا ہی۔ اسکا طول دیوار غربی سے شرقی تک ہاتھ کے گز سے ۲۶۰ گز اور عرض
دیوار شامی سے دیوار یمانی تک ۲۰۴ گز ہی۔ حرم شریف کے دروازے اور ہر دروازہ
میں متعدد مخرج ہیں۔ مسجد کے ستونوں کی تعداد . . . . اور کنگرے ۱۳۵۲ ہیں اسکے گرد
سات بلند مینار ہیں جن میں اذان اور روشنی ہوتی ہی مسجد کی عالیشان عمارت اپنے شاندار
کنگروں خوشنما قبوں اور بلند میناروں کے ساتھ ایسی دلفریب ودلکش ہی کہ اُس کی طرف
قلوب کو خاص طور پر کشش ہوتی ہی اس عمارت میں متعدد مدرسے اور کتب خانے ہیں۔
حرم شریف میں چار مدرسے مشہور ہیں جن میں سے ایک دو میں صرف قرأت کی اور باقی
میں حدیث اور فقہ کی تعلیم ہوتی ہی انکا خرچ کچھہ تو چندہ پر ہی اور زیادہ تر دار و مدار ترکی سلطنت
کی امداد پر ہی۔ سلطان کی طرف سے اناج اور روٹی تقسیم ہوتی ہی اس میں سے بھی مدرسہ کو
حصہ ملتا ہی۔ مسجد حرام کے وسط میں خانہ کعبہ ایک مستطیل عمارت ہی جسکو ظاہری طور پر حضرت
ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا تھا اُسکے بعد مختلف زمانوں میں ترمیم یا تجدید ہوتی رہی اسکے
چاروں گوشوں کو رکن کہتے ہیں۔ جو رکن عراقی شامی اور یمنی اور رکن حجر اسود کے نام
سے موسوم ہیں۔ دیوار شرقی بیت اللہ شریف کا طول رکن حجر اسود سے تا رکن
عراقی تقریباً ۲۶ گز اور دیوار جنوبی کعبہ شریف کا عرض رکن یمانی سے رکن حجر اسود تک
۲۱ گز ہے دیوار شرقی میں ایک چوبی دروازہ ہی جسپر چاندی کے پتر طلائی میخوں سے

جڑے ہوئے ہیں کعبہ شریف کونہ شمال و مشرق میں سطح زمین سے تخمیناً ۴ فیٹ بلندی
پر حجر اسود ہے جو تخمیناً ایک بالشت چار انگل طویل و عریض ہی اسکے چاروں طرف چاندی
کا پتر لگایا گیا ہی۔ مابین رکن شامی و عراقی کعبہ کی دیوار شمالی کے اوپر ایک پرنالہ ہی جسکو
میزاب رحمت کہتے ہیں اسکے نیچے حضرت اسمعیل علیہ السلام کی قبر بیان کی جاتی ہی خانہ
کعبہ پر ہمیشہ سیاہ ریشمی غلاف پڑا رہتا ہی جسمیں کلمہ طیب لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور
مقدس الفاظ جل جلالہ کپڑے کی بناوٹ میں سیاہ ریشم سے منقوش اور نمایاں کیے جاتے ہیں
اور اُنپر کلابتوں کے کام سے بعض آیات قرآنی اور پر سلاطین عثمانیہ کے نام لکھے ہوتے
ہیں۔ در مبارک پر بہی زری کا کام ہوتا ہی اور آیات قرآنی و کلمہ طیبہ نہایت خوشخط اور صاف
لکھا ہوتا ہی۔ خانہ کعبہ کی شمالی دیوار سے ڈیڑ گز کے فاصلہ پر رکن عراقی سے رکن شامی تک
ایک بیضاوی نما سنگ مرمر کی دیوار بشکل نصف دائرہ کیھنچدی گئی ہی اسکے درمیانی حصہ کو
حطیم کہتے ہیں یہ حصہ بزمانہ سابق یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قبل عمارت خانہ
کعبہ میں داخل تھا لیکن حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کو باہر چھوڑ کر خانہ کعبہ کی دیوار کو
سیدہا کر دیا وہ لوگ جو کعبہ داخل نہیں ہوتے وہ یہاں ہی عبادت کرتے ہیں اور یہاں کی عبادت
کا ثواب عبادت اندرون خانہ کعبہ کی برابر ہی۔ خانہ کعبہ کے اطراف چار مصلے ہیں جن میں سے
حطیم کے سامنے مصلے حنفی ہی یہ مصلی سب مصلوں سے زیادہ وسیع تین در کا دو منزلہ ہی اسکی
عمارت نہایت شاندار ہی اور رسومات مطاف سے باہر بجانب شمال واقع ہی اس مصلے
سے دیوار حطیم تک تخمیناً ۴۰ گز کا فاصلہ ہی۔ اسکے بالائی درجہ میں تکبیر کہی جاتی ہی اور نیچے امام کہڑا
ہوتا ہی لیکن زمانہ حج میں امام عموماً در کعبہ کے پاس جاکر نماز پڑہاتا ہی۔
دوسرا مصلی شافعی ایک در کا مکان ہی اور اُس کمرہ کی چہت پر ہی جسکے اندر چاہ زمزم
ہی۔ یہ مصلی دیوار کعبہ شریف سے ۴۰ گز کے فاصلہ پر مشرق کی طرف مطاف سے باہر واقع ہی۔
یہاں شافعی امام نماز پڑہاتے ہیں لیکن ایام حج میں وہ بہی نیچے اترکر نماز پڑہاتے ہیں۔

تیسرا مصلے حنبلی ہی یہ ایک چھوٹا سا یکدرہ مکان ہی جو حجر اسود کے مقابل ستونات مطاف سے باہر بجانب مشرق پشتہ دیوار کعبہ معظمہ سے تخمیناً ۴۷ گز کے فاصلہ پر واقع ہی

چوتھا مصلی مالکی ہی۔ یہ بھی ایک مختصر یکدرہ مکان ہی جو مغرب کی جانب ستونات مطاف سے باہر خانہ کعبہ سے ۴۵ گز کے فاصلہ پر واقع ہی اذان اول مصلی شافعی پر ہوتی ہی اور پھر حرم کے ساتوں میناروں پر جنکے تقریباً تین تین حصے ہیں ہر ہر حصہ پر ایک ایک آدمی کھڑا ہو کر اذان دیتا ہے) اذان سے پہلے صلوۃ اسقدر خوش الحانی سے کہتے ہیں کہ خواہ مخواہ دل کھینچتا ہی۔

مقام ابراہیم۔ خانہ کعبہ کے شمالی جانب حدود مطاف کے اندر ایک چھوٹا سا بنگلہ نما مکان معہ سائبان بنا ہوا ہی اسکے اندر وہ متبرک پتھر ہی جسپر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدموں کے نشان منقش ہو گئے ہیں ان نشانات قدوم کے اطراف چاندی کا پتر لگا ہوا ہی۔ یہاں طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہی مقام ابراہیم سے غلاف کعبہ تک تخمیناً دو گرہ کم ۱۲ گز کا فاصلہ ہی۔

ممبر خانہ کعبہ ۔ رکن عراقی کے سامنے سفید سنگ مرمر کا عظیم الشان تیرہ زینہ کا ممبر ہے جسپر امام خطبہ جمعہ پڑھتا ہی اُسکے اوپر مخروطی شکل کا ایک خوشنما گنبد بنا ہوا ہی جسپر طلائی ملمع کیا گیا ہی۔

چاہ زمزم چاہ زمزم جو کمرہ کے اندر ہی ۶۷ گز عمیق ہی اور دیوار کعبہ سے ۳۳ گز کے فاصلہ پر ہی دہن چاہ کا قطر ۸ فیٹ ہی لیکن ۸ - ۱۰ فیٹ نیچے جا کر دُور کم ہو گیا ہی پانی قدرے کھاری ہی لیکن ذائقہ اسقدر مرغوب ہی کہ گلاس مُنہ سے لگا کر چھوڑنیکو دل نہیں چاہتا اس کنوے میں سے کم سے کم تین لاکھ ڈول روزانہ نکلتا ہو گا لیکن پانی کم ہوتے نہیں سنا۔

راقم

نواب سربلند جنگ

قومی لباس

مجھے نہایت مسرت ہے کہ مسلمانوں کے قومی لباس کے متعلق "اولڈ بوائے" کے ابتدائی زمانہ میں جو تحریک کی گئی اس پر اوران کالج نے بہت کچھ توجہ فرمائی اور اس مسئلہ سے متعلق چند نہایت عمدہ مضامین شائع ہوئے۔ زیادہ خوشی اس بات پر ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے قومی لباس کی ضرورت قریب قریب تمام مضامین نگار صاحبان محسوس کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں البتہ اس کی تشخیص میں ابھی تک اختلاف ہے جس کا اصل ضرورت کے تسلیم ہو جانے کے بعد طے ہو جانا کچھ دشوار نہیں معلوم ہوتا سب سے زیادہ خوشی مجھے اپنے عزیز بھائی مسٹر ہارون خاں صاحب شروانی کا مضمون دیکھکر ہوئی کہ اُنھوں نے انگلستان میں بیٹھ کر ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے بجائے انگریزی لباس کے ایک قومی لباس کو تسلیم کیا ہے۔

دسمبر ۱۹۱۱ء کے "اولڈ بوائے" میں ایک مسلمان" بھائی نے اس مسئلہ سے متعلق مجھ سے دو سوال کیے ہیں۔" ایک یہ کہ لفظ قوم سے میری مراد کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ قومی لباس" میں کسکو قرار دیتا ہوں۔

اس قسم کے سوالات بعض اور بھائیوں کے مضامین میں بھی میں دیکھ چکا ہوں۔ ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ مختصر طور پر اُنکے جوابات عرض کر دوں۔ افسوس ہے کہ میرے عزیز بھائیوں نے میرے پہلے مضمون کو زیادہ توجہ کے ساتھ ملاحظہ نہیں فرمایا ورنہ کم از کم دوسرا سوال کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ لفظ قوم" مسلمانوں کے کسی خاص طبقہ یا خاص جماعت پر محدود نہیں ہے مسلمانوں کی قومیت کا دارومدار تمام تر اُنکے پاک مذہب پر ہے اسلیے تمام کلمہ گو میرے خیال میں مسلمانوں کی قوم میں داخل ہیں لیکن چونکہ اسوقت جس مسئلہ پر ہم بحث

کر رہے ہیں اسکا تعلق صرف ہندوستان سے ہی اور دیگر ممالک کے مسلمانوں کے جداگانہ قومی لباس موجود ہیں اسلیے اس موقع پر "قوم" سے میری مراد ہندوستان کے مسلمان ہیں۔

اب رہا یہ امر کہ میں اپنی رائے میں کس لباس کو ہندوستان میں مسلمانوں کا قومی لباس قرار دیتا ہوں۔ اسکے متعلق میری ذاتی رائے یہ ہی کہ ہمارا قومی لباس نہ تو بالکل انگریزی ہونا چاہیے نہ ٹھیٹ پرانی وضع کا بلکہ ان دونوں کے بین بین ایک ایسا لباس ہو جو دونوں قسم کی سوسائٹیوں میں بغیر انگشت نمائی کے استعمال کیا جاسکے، جو اس ملک کی آب وہوا کے لحاظ سے ہر موسم کے مناسب تیار ہو سکے اور جو کم خرچ بالا نشین ہو۔ یہ باتیں میرے خیال میں اُسی لباس میں پائی جاتی ہیں جسکو ہمارے حکیم امت سر سید اعظم علیہ الرحمۃ نے تجویز اور پسند کیا ہی؛ یعنی ترکی ٹوپی اور بند کار کا لمبا کوٹ جسکو علی العموم ترکی کوٹ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہی اور جو ہمارے کالج میں یونی فارم قرار پاکر ایک حد تک قومی لباس کی حیثیت حاصل کر چکا ہی۔

لیکن میری رائے میں محض مضمون نگاری اس اہم مسائلہ کے حل کرنے کے واسطے کافی نہیں ہی بلکہ عملاً ہمکو اس بات کے دکھلانے کی ضرورت ہی کہ محمدن کالج نے مسلمانوں کے قومی مرکز ہونے کا جو دعوی کیا ہی وہ کہاں تک زندگی کے ہر شعبہ میں اسکو پورا کر رہا ہی جیسا کہ میں اپنے ابتدائی مضمون میں عرض کر چکا ہوں۔ کم از کم قومی جلسوں میں ہم لوگوں کو لازمی طور پر اپنے اس قومی لباس میں ہونا چاہئے۔ امید ہی کہ امسال اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے سالانہ جلسہ میں ہمارے وہ عزیز جو اس تحریک کے حامی ہیں عملی شکل میں اپنی حمایت کو ظاہر کرینگے۔

اسکے علاوہ ایک دوسرا قومی لباس ہمارے مقدس مآب بانی مولوی حامد حسین خاں صاحب (   ) نے تجویز فرمایا ہی؛ جسکو وہ لباس تقوی کے کا کام سے موسوم فرماتے ہیں۔ لیکن اسکی وضع قطع انہوں نے ظاہر نہیں کی۔ اسلیے میری رائے میں ہمارے

واجب التعظیم بھائی کے مجوزہ لباس کا مفہوم حسب ذیل شعر معلوم ہوتا ہی ؎

تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس
یہ وہ جامہ ہی کہ جس کا نہیں سیدھا اُلٹا

امید ہی کہ ہمارے بھائی کیسٹ اس مرتبہ سالانہ جلسہ میں اسی لباس تقویٰ میں نمودار ہونگے

خاکسار سید محمد یعقوب
از۔ مراد آباد

(نیصلہ طلب باتوں پر ابھی ہم کچھ لکھنا اپنی مصلحت کے خلاف سمجھتے ہیں لیکن اپنے بھائی مولوی حامد حسین خاں صاحب کے "لباس تقوے" کے مفہوم کو اس شعر میں اپنے دوسرے بھائیوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں ؎

بر فرق کلاہِ برکی داشتنت نیست
درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

اولڈ بوائے)

اولڈ بوائز

یہ خبر ہمارے لیے پرانی ہی کہ ہمارے بھائی مسٹر عبد الرشید خاں صاحب نے بیرسٹری کے امتحان میں کامیابی حاصل کر لی ہی اور اخی مسٹر سید محمود صاحب (قوم) ڈاکٹر آف فلاسفی ہو گئے ہیں۔ ہم اپنے دونوں بھائیونکو مبارکباد دیتے ہیں۔

ہمارے بھائی میر ولایت حسین صاحب کو اُنکے خطاب "خانی" پر کالج میں چند پارٹیاں دی گئیں اور طلبا و اسٹاف نے اُنکے خدمات کا اعتراف کیا۔ ہم اپنے بھائی کو مکرر مبارکباد دیتے ہیں۔

امتیازی نشان

سال بہر ہوا کہ عنوان بالا "پرا ولڈ بائے" میں بحث چھڑی تھی (مگر دوسرے مسائل نے اسے آگے بڑھنے نہ دیا) اب میں اپنا ناچیز خیال پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ میرے نزدیک امتیازی نشان ایسا ہونا چاہیئے جسکو ہر اولڈ بوائے ہر حیثیت اور ہر حالت میں استعمال کر سکے۔ بیج میں یہ دقت ہی کہ وہ ایک کپڑے سے اُتار کر دوسرے کپڑے پر لگانا پڑتا ہی، نیز لگانے کی بعض لوگوں کو استطاعت بھی نہیں اسلیے سب سے سہل انگوٹھی معلوم ہوتی ہی جس پر کالج کا بیج ہو اور جو ایسوسی ایشن کے ذریعے سے کم قیمت پر تیار کرا کر اولڈ بوائز کے ہاتھ فروخت کیجائے۔ اس انگوٹھی میں کوئی نمود و نمایش بھی نہو گی، اور امیر غریب، فیشن ایبل اور اناڑی سب اسکو یکساں آزادی، ہر قسم کے لباس اور سرکاری یونیفارم کے ساتھ، اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے استعمال کر سکتے ہیں، یہ میری رائے ہی جو اپنے بھائیوں کی خدمت میں عرض کر سکتا ہوں۔

طفیل احمد

از منگلور

مادر کالج کے قانونی طلبا نے ہمارے بھائی مسٹر عبدالمجید خواجہ کے ٹرسٹی مقرر ہونے پر اُنکے اعزاز میں ایک پُر تکلف ڈنر دیا۔
ہمیں اپنے بھائی سے امید ہی کہ وہ اپنی نئی حیثیت میں کالج کے لیے اور زیادہ مفید ثابت ہونگے۔

سعدی از دست خویشتن فریاد

وہ زمانہ ہے خوب ہم کو یاد | صفحۂ دہر ہم سے تھا آباد
خوب آرام سے گذرتی تھی | چہرے بشاش اور دل تھے شاد
غم ماضی نہ فکر استقبال | سارے جھگڑوں سے رہتے تھے آزاد
اپنی کٹتی تھی عیش و عشرت میں | یہ نہ سوچا کرے گی کیا اولاد
آج روتے ہیں خستہ حالی پر | اپنا اسباب خودکشی نہیں یاد
اپنے ہاتھوں سے خود تباہ ہوئے ہم | اور کہیں ہے فلک کی یہ بیداد
خانہ جنگی شعار تھا اپنا | گھر میں میراث ہو گیا تھا فساد
باہمی جنگ جیسے جیسے بڑھی | دشمنوں کی برائی دل کی مراد
بھاگتے تھے علوم سے کوسوں | مرغ بازی کے فن میں تھے اُستاد
لذت علم کو سمجھتے کیا | یاں تو بگڑا ہوا تھا منہ کا سواد
روز سنتے تھے اور پڑھتے تھے | ذکر شیریں و قصۂ فرہاد
ان فسانوں نے کر دیا بے چین | ہو گیا مضطرب دل ناشاد
کہیں ابرو تھی خنجر براں | کہیں مژگاں سے تھے نشتر فصاد
کہیں افعی تھے گیسوئے پیچاں | کہیں رخسار دشنۂ جلاد
دل ناداں سے ضبط ہو کہتک | مضغۂ گوشت تھا نہ تھا فولاد
عاشقانہ طبیعتیں اُن کی | اور اُسپر تھا شاعری کا ضماد
دل کے ناسور کھل گئے آخر | مدتوں کا بھرا ہوا تھا مواد
اب درستی کی کوششیں ہیں عبث | گھنی لکڑی کہیں چڑھی ہے خراد
کچھ کسی سے گلہ نہیں ہم کو | اپنے ہاتھوں سے ہم ہوئے برباد
ہر کس از دست غیر نالہ کند | سعدی از دست خویشتن فریاد

حافظ ولایت اللہ ازناگپور

کلام اکبر

پچھلے دنوں ہم نے اپنے قبلہ وکعبہ حضرت اکبر مدظلہٗ سے تازہ کلام مرحمت فرمانیکی فرمایش کی تھی۔ ہمارے عریضے کے جواب میں آپنے ہمیں جو خط تحریر فرمایا اسکا اقتباس درج ذیل کرتے ہیں یقین ہے کہ ہمارے ناظرین اس ایک شعر کا جو آخر میں درج ہے پورا لطف اٹھائینگے اور اس سے زیادہ جو کچھ حضرت موصوف نے اپنی رنگین عبارت میں تحریر فرمایا ہے مزہ پائینگے:۔

بہت ناتوان اور افسردہ دل ہوگیا ہوں۔ عزلت اور خموشی کو جی چاہتا ہے۔ آپ انقلاب دنیا دیکھ رہے ہیں۔ نو عمروں یا غافلوں کا کام ہے کہ حوادث کا مقابلہ کریں؛ یہاں نہ ضرورت نہ دلی طاقت۔ آپ مضمون مانگتے ہیں؛ ایک شعر ذہن میں ہے عرض کرتا ہوں:۔

ہمیں گھیرے ہوئے ہیں ہر طرف اصلاح کی موجیں
مگر یہ حس نہیں ہے ڈوبتے ہیں یا اترتے ہیں

ہمیں یہ معلوم کر کے نہایت مسرت ہوئی کہ ہمارے بھائی مسٹر سید راس مسعود صاحب بی-اے بیرسٹرایٹ لا ہوکر ولایت سے ہندوستان آ گئے چاروں طرف اس کی خوشی ہے خدا سے دعا ہے کہ مسٹر مسعود ملک و قوم کے لیے مفید ثابت ہوں اور اپنے نامور والد اور لائق باپ کی طرح قومی کاموں میں حصہ لیتے رہیں ہم اپنے بھائی کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

ہمارے بھائی خواجہ غلام الثقلین صاحب اپنا سیاست نامہ عرب و ایران تیار کر رہے ہیں جو انشاء اللہ ہمارے ذریعے سے شائع ہوگا۔ غالباً ہم آیندہ رسالہ میں انکا کوئی مضمون درج کر سکیں۔

کلکتہ کے اولڈ بوائز

(۵)

قصۂ طول ہے کہ کیوں اتنے دنوں تک خاموش رہا۔ بیماری تو اب پرانے بے مزہ بہانے ہیں۔ تندرست تھا اور ہوں مگر متفکر، متردد، مغموم۔ چند نفوس نے جن کی نگرانی دین اور دنیا نے فرض کردی ہے پریشان و پراگندہ خاطر کر رکھا ہے۔ زیادہ وقت حکیم و ڈاکٹر کی صحبت میں گذرا اور گذر رہا ہے۔ ایفائے وعدہ کا برابر خیال رہا ہر چند قلم دوات لے کر بیٹھا مگر بسم اللہ ہی تک مضمون کی آمد رہی۔ اور وکی جو فکر کی تو مضمون ہوا ہو گیا اور وہی متوحش خیالات طغیانی پر آنا شروع ہو گئے۔ آخر مضمون نگاری کو سلام کرنا پڑا اکثر احباب کے بے حد اصرار سے مجبور ہو کر کسی صورت سے یہ چند سطریں سیاہ کردی ہیں۔ کوئی پسند کرے یا نفرین بھیجے۔ یہاں نہ ستایش کی تمنا ہے نہ صلہ کی پروا۔ فقط چند آثار نا مقصود ہے۔

میری ایک عرض ہے، کوئی صاحب برا مانیں تو آدھی روٹی زیادہ کھائیں۔ گذشتہ مضمون کے ایک قدرداں تحریر فرماتے ہیں کہ مضمون پڑھ کر نفرت ہوئی اور اسکے ساتھ یہ تاکید تھی کہ خبردار ہمارے حالات نہ لکھنا ایک دوسرے صاحب نے زبانی دھمکی دی ہے کہ اگر میرا نام تمہارے سلسلہ میں پایا گیا تو یاد رکھنا تمہاری اچھی طرح خبر لیجائیگی"۔ میں ان فرمایشات کے قبول کرنے سے مجبور ہوں۔ حقیر تاریخ لکھنے بیٹھا ہے۔ مورخ اپنے فرض کے بجالانے میں خفگی و عتاب کے خوف کو اپنے نزدیک پھٹکنے نہیں دیتا۔

آج کی داستان میں علاوہ اور تذکروں کے بھائی شوکت کے تین کلکتہ کیلنڈروں میں سے دو کا ذکر ہوگا۔ ایک ایسا نہیں جسکا کوئی قصہ لکھے۔ گو ویسا ہی گول مول، ہٹا کٹا، بڑا وضعدار، قسم کھائی ہے کہ ایک سوت برابر بھی کم نہ ہونگے۔ بھائی شوکت اپنی جیب میں رکھنا چاہتے ہیں اور وہ بھی چاہتا ہے کہ کاش! شوکت کے ڈھیلے ڈھالے

جیب کے بیتلے میں سما سکتا اور گاہے گاہے اس قومی مسافر کی تکان دور کرتا مگر اس کی داستان
تو دُکھ درد کا قصہ اور بیماری و موت کی حکایت ہے۔ کون کہے کون سُنے۔ یہاں زندہ دلوں کے
دلچسپ قصوں سے غرض ہے نہ کہ ایک مُردہ دل کے رونے دھونے کی کہانی سے۔
کسی نے سچ کہا ہے۔ ؎

افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

آپ ان باتوں کو کہاں تک سنیئے گا اپنے مطلب کی بات سُنیئے:-

اخی شمس العلماء خان بہادر مولوی سید محمد یوسف صاحب جعفری

عظیم آباد کے باشندے، شمس العلما مولوی سید احمد علی صاحب رُمشی کالج اور اخی ڈاکٹر
آیت اللہ صاحب کے عزیز خاص ہیں ۱۸۸۳ء میں انٹرنس پاس کر کے کالج سے علیحدہ ہوئے
ایک مقدس عالم، احادیث رسول اللہ کے پورے مقلد، عربی کے ادیب، فارسی میں
طاق، اردو کے مشاق۔ نظم بہت خوب لکھتے ہیں آپ شاید اول اور تنہا اولڈ بوائے
ہیں جو ایک ساتھ دو دو خطابوں سے سرفراز ہیں اب قریب پچاس کے سن شریف پہونچا
بہت ضعیف ہو گئے ہیں بورڈ آف اگزامنرس کے دفتر میں ہیڈ مولوی کے عہدہ پر ممتاز ہیں
ڈاکٹر رینکن کی تصانیف میں جسکا تعلق اُردو فارسی سے ہے آپنے بہت کچھ حصہ لیا ہے۔ کلکتہ
یونیورسٹی کے فارسی اور اُردو امتحانات کے اکثر ممتحن ہوتے ہیں۔

بھائی ظریف محمد

صوبہ سرحدی کے رہنے والے مگر گورکھوں کا سا بوٹا قد۔ مسٹر بیک مرحوم کے آخر
زمانہ میں کالج میں داخل ہوئے۔ بی اے اور ایم اے کی ڈگریاں حاصل کر کے چند برس تک

تاریخ کے پروفیسر رہے، کالج کی برادری میں اب تک پروفیسر ظریف کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں فلسفی مزاج، ہر بات کو فلسفے کی میزان میں تولنے والے اگر پوری نہیں اترتی تو اسے بکواس تصور کرتے ہیں۔ تاریخ کے کیڑے تحقیق کے شیدا۔ رقعات عالمگیری کے چند فقروں سے آپ کی تحقیق ہے کہ عالمگیر کے خیالات میں دہریت کی بو پائی جاتی ہے خلق کی زبان سے مستغنی۔ اگر یہ ذہن نشین ہو جائے کہ قرون اولیٰ میں رومن کیتھلک پادریوں کا سا لبادہ عربوں کا تھا تو اپنے زیب تن کرنے پر آمادہ۔ نکتہ چین، مقرر، اسم باسمی ظریف بلکہ شیخ ظریف۔ تھوڑے عرصے سے نظم کا بھی شوق پیدا ہوا ہے۔ ذیل کے بے مثال اشعار کلکتہ کی عام زبان میں آپ ہی کی فکر رسا کا نتیجہ ہیں:۔ ؎

اس طرف آج یار آلس ہے	میری حالت پہ ترس کیا لس ہے
پھیر بھی اسکے ساتھ آلس ہے	موت ..... کو ساتھ لالس ہے
میکدے میں ہے گول مال بہت	محتسب خوب مار کیا لس ہے
چلا چپلی نہ اب کرو ناصح	دیر سے ہم کو نیند آلس ہے

ایک ہٹو ... ہم جو ماں کا ظریف

لو کیا تری سامت آلس ہے

امپیریل رکارڈ آفس کا پرشین ڈپارٹمنٹ آپ کے ذمہ ہے آجکل ایک قابل قدر علمی (اردو) تصنیف میں منہمک ہیں۔ آپکے معصروں میں تو شاید نہیں مگر شاگردوں میں یہ خبر دلچسپی سے سنی جائیگی کہ اب مونچھیں نند چام نہیں ہوتیں۔

بھائی عبدالرحمن

کالج میں سندھی کے غلط لقب سے مشہور ہوئے طلبا رکالج کی مشہور معروف طلبا ئی پر حرف آتا ہے کہ ایک صوبہ[1] کی جوان کو سندھی بنا دیا جسکا نہ سر نہ پیر۔ کجا کاٹھیاواڑ کجا

[1] برادرم مولانا کا یہ املا حیرت انگیز ہے۔

قریب کا ایک غازی مرد اور گجا سندھی ریگستان کا ایک بدنما اونٹ ۔ گذشتہ دور کے مشہور طلبا میں سے ہیں ۔ یونین کے وائس پریسیڈنٹ بھی رہ چکے ہیں ۔ بمبئی یونیورسٹی سے میٹرک پاس کرکے کالج میں داخل ہوئے اور بی اے کی ڈگری حاصل کرکے مسٹر آرچبولڈ کے زمانہ میں کالج چھوڑا ۔ مادر کالج کے فدائی علیگڈھ کی خدمت میں زندگی بسر کردینے کے خیال میں مست خندہ رو خوش صحبت ایسے کہ جی چاہتا ہے کہ گھنٹوں بیٹھے ہوئے ان سے باتیں کیے جاؤ ۔ سدا سہاگ ۔ اب آدھ من گوشت کی جسم مبارک پر زیادتی ہوگئی ہے ۔ وضع خاص انکی علیگڈھی شیروانی، کالر اور ترکی ٹوپی ۔ صاحبیت سے پرہیز ۔ انتہا درجہ کے محنتی، چوبیس گھنٹہ کام کرنے کو آمادہ، بشرطیکہ ہاتھ میں سگرٹ اور میز پر چاہ کی پیالیاں ہوں ۔ آجکل اس حقیر کی آفس میں "صاحب سجادہ"۔

بھائی محمد علی

کب کالج میں داخل ہوئے ؟ کیا کیا کارنمایاں کیے ؟ کہاں کے رہنے والے ہیں ؟ سب جانتے ہیں ۔ ممکن ہے کہ زمانہ تعلیم میں کوئی لقب پایا ہو ۔ آپکے معاصرین میں بھائی سجاد حیدر صاحب اس مسالہ پر بخوبی روشنی ڈال سکتے ہیں ۔ مگر آج کل "توبیل والے" کے مبارک خطاب سے یاد کیے جاتے ہیں؛ جو تار بابو کی مہربانی سے آپ کے سوانح زندگانی کا ایک اہم ترین مسالہ سمجھ کر داخل کیا گیا ہے ۔ ایک برس سے کلکتہ میں قیام ہے ۔ بنگالہ کی آب و ہوا آخر اپنا رنگ جما دیتی ہے، اس گلے اور سندیس ایسی چیز نہیں کہ کھانے والے کے پیٹ پر اثر نہ کریں اور تن و توش بڑھ نہ جاے ۔ ماشاءاللہ اب بھائی محمد علی بآسانی تمام بھائی سرفراز خاں کا مقابلہ فرما سکتے ہیں ۔ منطقی بنگال نے دماغی قوت میں بھی ترقی دیدی ہے ۔ کسی مسالہ پر اگر مباحثہ چھڑا تو ایسی ایسی حجتیں پیش کرتے ہیں کہ عقل چکر میں آجاتی ہے ۔ جون جولائی کی چپچپی گرمی تو بس غضب ہی کرتی ہے ۔ گذشتہ سال اس حقیر اور بھائی عبدالرحمٰن نے

اس کا خوب لطف اُٹھایا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ کامریڈ کا دفتر کلکتہ میں ہے جبکہ آبادی میں نہیں۔
کامریڈ کی کامیابی ہر اولڈ بوائے" کے لیے مایۂ فخر و ناز ہے۔ برادران اولڈ بوائز تم
کامریڈ کی ضرورت سے واقف ہو، ابھی تک ایک بڑی جماعت نے اس کی عملی مدد نہیں
کی ہے۔ کیا سہ ماہی (۱؎) ایسے مفید کام کے لیے نہیں نکال سکتے۔ اپنے اخراجات کو
کم کرو مگر اس کی مدد ضرور کرو۔ یہ تمہاری قوم کا اکلوتا فرزند ہے، اس کی زندگی سے بہت
سی امیدیں وابستہ ہیں۔

راقم مورخ کلکتہ۔ غلام مولیٰ
از پٹنہ

مسٹر حامد علی صاحب صدیقی سے ہمارے بھائی واقف ہونگے خدا کا شکر ہے کہ وہ اب مستقل
تحصیلدار ہو کر اپنے مستقر پر پہونچ گئے ہیں ہم اپنے بھائی کو مبارکباد دیتے ہیں۔

ہمیں یہ معلوم کر کے سخت افسوس ہوا کہ ہمارے بھائی مسٹر جمیل احمد صاحب
ڈسٹرکٹ انجینئر عثمان آباد کی صاحبزادی اور ایک بچہ کا یکے بعد دیگرے ایک عشرہ کے
درمیان انتقال ہوگیا۔ دردمند باپ اور مصیبت زدہ ماں کے لیے بیاپلے
دو صدمے نہایت ناگزیر ہیں۔ دونوں مرنے والے معصوم تو یقینی جنتی ہیں۔
ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا والدین کو صبر عطا فرمائے اور نعم البدل دے۔

ہمارے پھوپی زاد بھائی سید مختار علی صاحب کے انتقال سے ہمارے دل کو صدمہ
پہنچا ہے۔ ہم اپنے بھائیوں سے مرحوم کی مغفرت کی دعا کے طالب ہیں۔

زمانہ کا ہم پر اثر

یہ زمانہ بھی عجیب وغریب انقلاب کا ہی۔ جدہر دیکھو معلوم ہوتا ہی کہ کوئی مخفی مگر زبردست طاقت اپنا کام کر رہی ہی اور ہمارے تمام افعال وخیالات کو ایک نئے سانچے میں ڈہال رہی ہی۔ لوگ معتقد کے قائل نہوں اور خوشی سے تو ہم بھی اسکے قائل ہونا نہیں چاہتے مگر کوئی مانے یا نہ مانے ہمکو تو بدیہی طور سے یہ نظر آرہا ہی کہ ہمارا رخ اب ایک خاص جانب پر رہا ہی اور ہمارے تمام قومی احساسات ایک خاص مرکز پر آرہے ہیں۔ وہ مرکز کیا ہی؟ وہ قومیت اور مذہب کی طرف ایک اندرونی میلان ہی جو قومی محبت، اخوت، حب الوطنی غرضکہ ہماری تمام آیندہ امید اور ترقی کی بنیاد ہی۔ ممکن ہی کہ ہمارے بعض دوست اس خیال پر مضحکہ اڑائیں لیکن آپ لکھ رکھیے کہ یہ پیشین گوئی تھوڑے ہی زمانہ میں ثابت ہو کر رہے گی۔

آج سے دس برس پہلے جو حالت ہماری تھی اُسکا موقع اگر ہمارے سامنے پیش کیا جائے تو ہم کو اُسے دیکھکر سخت تعجب ہوگا اور شاید ہم کو اُسکے اصلی خیال کرنے میں تامل ہوگا۔ تمام مسلمانوں سے کنارہ کشی ہمارا اُس زمانہ میں عین شیوہ تہا۔ ہم اُن سے دور، وہ ہم سے بیزار۔ یوروپین طرز معاشرت ہماری زندگی کا اعلیٰ مقصد بلکہ یوں کہیے کہ مایۂ ناز تہا۔ مذہب سے بالکل اجنبیت تہی کسکو خبر تہی کہ ہمارے برادر محترم آنریبل مسٹر محمد رفیق ایک آج صرف مسلمان نہیں بلکہ مرتاض، تہجد گذار صوفی ہو جائیگا۔ ہمارے بہائی مولوی عبدالمجید جان صاحب اور سید زین الدین صاحب سے جو لوگ واقف ہیں اُنکو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ اُنکی ڈاڑہیاں ایک مشت دو انگشت کی شرعی حد سے بھی متجاوز ہو گئی ہیں۔ نماز تو اُنکی عرصہ سے قضا ہی نہیں ہوتی۔ لباس کا یہ حال ہی کہ بجائے سوٹ کے اب صرف شیروانی پر اکتفا کرتے ہیں۔ ملکی وضع کی پابندی میں یہ انتہا کی شدت ہی کہ اعلیحضرت امیر صاحب افغانستان کی تشریف آوری کے وقت جب ہمارے برادر مکرم سید زین الدین صاحب بحیثیت ٹرسٹی کے حضور موصوف کے استقبال

کو جاتے تھے اسوقت بھی اُنکے پیر سے سلیم شاہی جوتی نہیں اُتری۔

مادر کالج کے فرزند اولین فضل اللہ نواب سربلند جنگ بہادر کے حالات ہمارے دوسرے بھائیوں پر مخفی نہیں ہیں۔ وہ مذہب کے بڑے دلدادہ ہو رہے ہیں۔ اُنہوں نے ہمیں ایک سفرنامہ بھیجا ہے جو لندن یا جرمنی کا نہیں بلکہ اُس ارض مقدس کا ہے جسکے ریگستان کے ہر ذرے کی روشنی ضیاء خورشید سے کم نہیں۔ ہم نے اپنے بھائی کو اُس زمانہ میں دیکھا تھا جب کہ وہ سرتاپا صاحب بہادر تھے۔ یہ خیال کہ آیندہ کسی زمانہ میں وہ حاجی ہو جائینگے کسی کے گمان میں بھی نہیں۔

علی گڈھ کے کھلنڈروں کے سرتاج جو نام کے نہیں بلکہ کام کے بھی شوکت ہیں اُنہوں نے ایک روز باتوں باتوں میں کہا کہ بھائی اب تو سوٹ و بوٹ سے طبیعت اکتائی جاتی ہے اور یہ پوشاک بدن پر بھاری معلوم ہوتی ہے۔ وہ تو اپنی رو میں کہہ گئے لیکن ہمیں یہ اندازہ کرنیکا موقع مل گیا کہ ہمارے بھائی کے اصلاح کے دن آ گئے۔

الغرض ایسی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ اس حیرت انگیز کایا پلٹ پر عقل کام نہیں کرتی کیا یہ اس بات کا بدیہی ثبوت نہیں ہے کہ زمانہ حال کی تعلیم اور ضروریات زندگی بظاہر کتنا ہی بدل دیں مگر ہمارے پاک مذہب اور قومیت کی محبت و عظمت ہمارے دلوں سے کسی طرح نہیں جا سکتی۔ عالم شباب میں ہماری من چلی اور شوقین طبعیتیں جو روش چاہیں اختیار کریں۔ لیکن جب نئے خون کا زور گھٹ جاتا ہے اور تجربہ اور فطرت سلیم ہمکو راستہ دکھانے لگتی ہے تو ہم خود بخود اپنے اصلی نقطہ پر آجاتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ قوم بننے کے لیے جن اعلیٰ اخلاق کی ہمکو ضرورت ہے اُن سے ہم ابھی بہت دور ہیں۔

اسی مہینہ میں علیگڈہ سے مدراس جاتے ہوئے ہمارے بھائی مسٹر یعقوب حسن ایک روز کے لیے بنارس بھی آئے اور ہم اُنکے ساتھ ہندو کالج دیکھنے گئے۔ وہاں کالج مذکور کے معزز سکرٹری بابو بھگوانداس صاحب ایم اے سے ملاقات ہوئی۔ یہ صاحب پہلے ڈپٹی کلکٹر

تھے لیکن عرصہ سے اپنی ذاتی ترقی پر لات مار کر اور اپنی تمام دنیاوی عزت کو قوم پر نثار کر کے اُنکی خدمت کے لیے اپنی عزیز زندگی وقف کر رہی ہیں اُنکی وضع دیکھنے کے قابل تھی بڑے بڑے بال ہمارے مولویوں کے بیٹے کے ہمشکل، اسپر معمولی ململ کی پگڑی، ایک لمبا کرتا، اُسکے نیچے ایک دیسی دھوتی، پیریں دیسی بوٹ! بس! ہم سب نے اس سراپا عظمت شخص کو دیکھا اور معلوم کیا کہ حب الوطنی اور ایثار قومی کی ایک مجسم تصویر ہمارے سامنے کھڑی ہے۔ عزیزی سید منظر علی نے تو باوجود اپنے سابقہ تعارف کے اُنہیں دور سے دیکھ کر سچ مچ ایک صوفی خیال کیا اور ضروری تعظیم کے لیے تیار ہو گئے اس شخص کی بات بات سے قومی درد ٹپکتا تھا اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس قابل تقلید شخص نے عزم بالجزم کر لیا ہے کہ ہر چہ باداباد ہم کو اپنی قوم کی اصلاح اور اُنکو پستی سے بلندی پر لے جانا چاہیے۔ مبارک ہے وہ قوم جس میں ایسے باایثار لوگ موجود ہیں اور آفرین ہے اُس شخص پر جس کی ایسی ہمت ہو۔

کاش ہم میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو جاتے۔ آئے دن کے واقعات ہم پر یہ بات روز روشن کی طرح ثابت کر رہے ہیں کہ اگر ہمکو دنیا میں اپنی ہستی قائم رکھنی ہے تو ہم کو بھی دوسری قوموں کی طرح ذاتی آرام اور سکھ کی نیند کو خیرباد کہدینا چاہیے۔ تیرہ سو برس ہوئے کہ الفقر فخری کا عظیم الشان سبق ہم کو دیا جا چکا ہے۔ آؤ ہم بھی اپنا بھولا ہوا سبق یاد کر کے اپنی مردہ قوم کو زندہ کریں۔ (ایڈیٹر)

ہمارے بھائی مسٹر ہارون خاں صاحب شروانی اور مسٹر شمشاد احمد خاں صاحب بیرسٹری کے امتحان میں رومن لا میں کامیاب ہوئے ہیں۔ خدا کرے دونو لڑکے اپنے بقیہ امتحانات میں کامیابی حاصل کر کے جلد وطن واپس آکر قومی کاموں میں مصروف ہوں۔

رباعیات

بیشک ہے عطیہ یہ شہانا تیرا
ممنون ہو پھر کیوں نہ زمانہ تیرا
دس لاکھ بھی تجھ سے ہی ملیں گے آصف
یارب رہے معمور خزانہ تیرا

ترپولی کے قلعوں میں گھس آئی اٹلی
تبریز میں بھی قوم مسلماں پٹ لی
چندہ نہ دیا انکو بھی ماشاء اللہ!
تعلیم کے چندہ کی لگن بھی مٹ لی

گر خیال ترقی کا کبھی لاتے ہیں
لے اڑتے ہیں اغیار تو شرماتے ہیں
ملنے والے نصیحت کہ لڑے دیکھتے ہیں
پیچھے جو تھے ہم سے وہ بڑھے جاتے ہیں

آغا نہ کبھی چین سے اک پل بیٹھے
ملنا کف افسوس جو تھا مل بیٹھے
نو لاکھ پہ اسلام کی اٹکی ہے نجات
اب دیکھنا ہے اونٹ یہ کس کل بیٹھے

آنکھوں سے جہالت کے اٹھادے پردے
ایمان کی دولت دے ہمیں او زر دے
یہ بھی ہو اگر تیری مشیت کے خلاف
یارب! ہمیں پیوند زمیں کا کر دے

رجسٹرڈ نمبر ایل (۵۲۲)

اولڈبوا

جلد ۴ بابت ماہِ مارچ سنہ ۱۹۱۲ء نمبر ۶

اڈیٹر
ابو حامد عترت حسین بی اے (علیگ)

فہرست مضامین

باہتمام مولوی رشید احمد انصاری

مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہوا

حسب ایماء عبد العلیم خاں صاحب میونسپل کمشنر دفتر اولڈ بوائے چھاونی بنارس سے شائع ہوا۔ قیمت سالانہ (۲؍)

اولڈ بوای

اس ماہواری رسالے کے خاص مقاصد یہ ہیں

۱ جملہ سابق طلبا مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علیگڈھ کے دلوں میں اُنکے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا اُسکے حالات سے اُنکو باخبر کرنا اور اُس کی ترقی کے لیے ہر طرح کوشاں رہنا۔

۲ اولڈ بوائز میں رشتۂ اخوت قائم رکھنا، اور اُنکو ترقی دینا اور اُنکے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

۳ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن" اور کالج" کی مالی مدد کے لیے سابق طلبا کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادر مہربان کے خدمتگذاروں میں خود اُسکے فرزندوں کی خدمات کافی وتسلی بخش ہوں۔

۴ جملہ اولڈ بوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا تاکہ وہ قومی خدمات میں معتدبہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کرسکیں جو قوم نے اُنپر ہمارے کالج کے قائم کرنیکے لئے

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست کیجاتی ہے

(۱) جملہ خط وکتابت دربارۂ ترسیل زر وتبدیل پتہ "مینیجر بابے" بنارس سے ہونی چاہئے۔

(۲) مضامین و دیگر مراسلات بنام اسسٹنٹ "اڈیٹر اولڈ بابے" بنارس آنا چاہئے۔

اسی طرح ریویو کے لیے کتابیں اور تبادلہ کے لیے اخبارات ورسائل بھی

منتظمان اولڈ بوائے" ہروقت مشورہ ورفع شکایات کے لیے تیار ہیں اور شکرگذاری کے ساتھ اُنپر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر و منیجر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۰۰ اولڈ بوائے ۰۰

"ہم"

(+)

عجب اتفاق ہی کہ اس مرتبہ جو مضامین شائع کیے جاتے ہیں اُن میں بجز ایک دو کے سب کے سب ہماری شکایتوں سے پُر ہیں؛ جسنے پایا جائیگا کہ "ہم" دُنیا کے بدترین اخلاق کا اچھا خاصہ نمونہ ہیں بعض لوگوں کا خیال ہی کہ ان باتوں کو یوں ہی دبا رہنے دیا جائے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایسی تحریروں سے رسالہ کے "لُون میں فرق آتا ہی مگر "ہم" کہتے ہیں کہ اگر یہی لیل و نہار ہیں اور یہی خیالات ترقی کرتے رہے تو خدانخواستہ ہمارا اور ہمارے ساتھ اسلام کا بہت جلد اس ملک سے خاتمہ ہو جواہی۔

ہمارے رسالہ کا جہاں یہ مقصد ہی کہ ایام گذشتہ کی یاد تازہ کیجاے وہیں ایک بہترین مقصد یہی ہی کہ "ہم" اپنے بھائیوں کو آنیوالے خطرات سے آگاہ کرتے رہیں۔ "ہم" نہیں خیال کرسکتے کہ ہمارے لیے اس سے بڑا کوئی خطرہ ہو کہ ہماری ذات سے باوجود اس ترقی تعلیم اور روشن خیالی کے

ملک میں اور خاص کر اسلامی دنیا میں ہمیں ملامت اور نفرین کے ساتھ یاد کیا جائے۔

سر سید اور انکے جانشینوں کو ہمیشہ یہی رونا رہا کہ قوم تعلیم بغیر کچھ نہیں کر سکتی۔ اور اب قوم میں تعلیم کا چرچا ہوا تو ہمارے تعلیم یافتہ نہیں بعض تعلیم کو بدنام کرنے والے ملک و قوم کے سامنے ایسے خراب نمونے پیش کرتے ہیں کہ ہمیں قومی ترقی کے آثار کچھ اچھے نظر نہیں آتے۔

"کالا آدمی" باعتبار اپنی دلفریبی کے تو اچھا ہے لیکن اس میں جو منظر پیش کیا گیا ہے وہ اُس سے کہیں کم ہے جو ایک تعلیم یافتہ کے کیرکٹر کا اظہار اسٹیشن پر کر رہا ہو گا۔ "سیر کالج" میں جن شکایتوں کا ذکر ہے انکو معلوم کر کے ہمیں افسوس ہوتا ہے۔ "ظالم انسان" ہمارے خیالات کا انتہائی نمونہ ہے اور اس میں ہمارے بھائی مسٹر "آزاد" نے اپنی آزادخیالی کی خوب داد دی ہے۔ "چار آنہ فنڈ" میں جو تحریک پیش کی گئی ہے اُس کی جانب ہمارے بھائیوں کو جلد متوجہ ہونا چاہیے۔ "یاد عزیز" اور "شکوہ" میں بہت سی کام کی باتیں ہیں اور ہمکو انسے سبق لینا چاہیے۔

ہماری کیفیت یہ ہے کہ ان حالات کو سُن سُن کر گویا ؎

لطف مرنے میں ہے باقی نہ مزا جینے میں   کچھ مزا ہے تو یہی خونِ جگر پینے میں
کتنے بیتاب ہیں جوہر مرے آئینے میں   کسقدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں

اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں
داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں

"ہم" اسوقت تک ترقی نہیں کر سکتے جبتک مسلمان ہو کر ترقی نہ کریں اور قوم کے لیے ہمارا وجود اسوقت تک کچھ بھی مفید نہیں جب تک کہ "ہم" خود مسلمان نہ بن لیں۔ ہمارے بھائی ہم سے زیادہ روشن خیال اور اپنی ضرورتوں سے واقف ہیں مگر "ہم" اپنا فرض خیال کرتے ہیں کہ انہیں آنیوالے خطرات سے آگاہ کردیں۔ ہمارے بھائی "ہم" سے خفا ہو جائینگے مگر ہمیں پرواہ نہیں۔ ہمیں جو کہنا ہے آزادی کے ساتھ کہینگے۔

اڈیٹر

شکوہ

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں — فکرِ فردا نہ کروں محوِ غمِ دوش رہوں
نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں — ہم نوا! میں بہی کوئی گل ہوں کہ خاموش ہوں
جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجہکو
شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجہکو

ہی بجا شیوۂ تسلیم میں مشہور ہیں ہم — قصۂ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم
سازِ خاموش ہیں فریاد سے معمور ہیں ہم — نالہ آتا ہی اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم
اے خدا شکوۂ اربابِ وفا بہی سن لے
خوگرِ حمد سے تہوڑا سا گلا بہی سن لے

تہی جو موجود ازل سے ہی تری ذاتِ قدیم — پہول تہا زیبِ چمن پر نہ پریشاں تہی شمیم
شرطِ انصاف ہی اے صاحبِ الطافِ عمیم — بوئے گل پہیلتی کس طرح جو ہوتی نہ نسیم
ہم کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تہی
ورنہ امت ترے محبوب کی دیوانی تہی

ہم سے پہلے تہا عجب تیرے جہاں کا منظر — کہیں مسجود تہے پتہر کہیں معبود شجر
خوگرِ پیکرِ محسوس تہی انساں کی نظر — مانتا پہر کوئی ان دیکہے خدا کو کیونکر
تجہ کو معلوم ہی لیتا تہا کوئی نام ترا
قوتِ بازوئے احمد نے کیا کام ترا

بس رہے تہے یہیں سلجوق بہی تورانی بہی — اہلِ چیں چین میں، ایران میں ساسانی بہی

اسی معمورے میں آباد تھے یونانی بھی ، اسی دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی

پر ترے نام پہ تلوار اُٹھائی کس نے؟

بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے؟

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں ، کبھی خشکی میں لڑے اور کبھی دریاؤں میں

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں ، کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی

کلمہ پڑھتے تھے تو ہم چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لیے ، اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے

تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے ، سربکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لیے

قوم اپنی جو زر و مالِ جہاں پر مرتی

بُت فروشی کی عوض بُت شکنی کیوں کرتی

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے ، پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے

تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے ، تیغ کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے

زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے؟ ، شہر قیصر کا جو تھا اسکو کیا سر کس نے؟

توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے؟ ، کاٹ کے رکھ دیئے کفار کے لشکر کس نے؟

کس نے ٹھنڈا کیا آتشکدۂ ایراں کو؟

کس نے پھر زندہ کیا تذکرۂ یزداں کو؟

کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی؟ ، اور تیرے لیے زحمت کشِ پیکار ہوئی؟

کس کی شمشیر جہاں گیر، جہاں دار ہوئی؟ ، کس کی تکبیر سے دُنیا تری بیدار ہوئی؟

کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے؟
مُنھہ کے بل گر کے ہو اللہ احد کہتے تھے

آگیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز — قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز — نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہونچے تو سبھی ایک ہوئے

محفلِ کون و مکاں میں سحر و شام پھرے — مئے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے
کوہ میں دشت میں لیکر ترا پیغام پھرے — اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے
دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہمنے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے — نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہمنے
تیرے کعبہ کو جبینوں سے بسایا ہم نے — تیرے قرآن کو سینے سے لگایا ہمنے
پھر بھی ہم سے یہ گِلا ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں تو بھی تو دلدار نہیں

اُمتیں اور بھی ہیں اُن میں گنہگار بھی ہیں — عجز والے بھی ہیں مستِ مئے پندار بھی ہیں
اُن میں کاہل بھی ہیں غافل بھی ہیں ہشیار بھی ہیں — سیکڑوں ہیں کہ تیرے نام سے بیزار بھی ہیں
رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

بت صنمخانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے — ہے خوشی اُن کی کہ کعبے کے نگہبان گئے
منزلِ دہر سے کعبہ کے حدی خوان گئے — اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے
خندہ زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں

اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں؟

یہ شکایت نہیں ہیں انکے خزانے معمور | نہیں محفل میں جنہیں بات بھی کرنے کا شعور
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور | اور بیچارے مسلماں کو فقط وعدۂ حور

اب وہ الطاف نہیں ہم پہ عنایات نہیں
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں؟

کیوں مسلمانوں میں ہے دولتِ دنیا نایاب | تیری قدرت تو ہے وہ جس کی نہ حد ہے نہ حساب
تو جو چاہے تو اٹھے سینۂ صحرا سے حباب | رہروِ دشت ہو سیلی زدۂ موجِ سراب

طعنِ اغیار ہے رسوائی ہے ناداری ہے
کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے

بنی اغیار کی اب چاہنے والی دنیا | رہ گئی اپنے لیے ایک خیالی دنیا
ہم تو رخصت ہوئے اوروں نے سنبھالی دنیا | پھر نہ کہنا ہوئی توحید سے خالی دنیا

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے

تیری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے | شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے
دل تجھے دے بھی گئے اپنا صلا لے بھی گئے | آ کے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

دردِ لیلی بھی وہی قیس کا پہلو بھی وہی | نجد کے دشت و جبل میں رمِ آہو بھی وہی
عشق کا دل بھی وہی حسن کا جادو بھی وہی | امتِ احمدِ مرسل بھی وہی تو بھی وہی

پھر یہ آزردگیِ غیر سبب کیا معنی؟
اپنے شیداؤں پہ یہ چشمِ غضب کیا معنی؟

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا؟ — بت گری پیشہ کیا بت شکنی کو چھوڑا؟
عشق کو عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا؟ — رسم سلماں و اویس قرنی کو چھوڑا؟

آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں
زندگی مثل بلال حبشی رکھتے ہیں ہم

عشق کی خیر وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی — جادہ پیمائے تسلیم و رضا بھی نہ سہی
مضطرب دل صفتِ قبلہ نما بھی نہ سہی — اور پابندیِ آئین وفا بھی نہ سہی

کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے

سرِ فاراں پہ کیا دین کو کامل تو نے — اک اشارے میں ہزاروں کے لیے دل تو نے
آتش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے — پھونک دی گرمیِ رخسار سے محفل تو نے

آج کیوں سینے ہمارے شرر آباد نہیں ؟
ہم وہی سوختہ ساماں ہیں تجھے یاد نہیں

وادیِ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا — قیس دیوانۂ نظارۂ محمل نہ رہا
حوصلے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دل نہ رہا — گھر یہ اجڑا ہے کہ تو رونقِ محفل نہ رہا

اے خوش آں روز کہ آئی و بصد ناز آئی
بے حجابانہ سوے محفل ما باز آئی

بادہ کش غیر ہیں گلشن میں لبِ جو بیٹھے — سنتے ہیں جام بکف نغمۂ کوکو بیٹھے
دور ہنگامۂ گلزار سے یک سو بیٹھے — تیرے دیوانے بھی ہیں منتظرِ ہو بیٹھے

پھر پتنگوں کو مذاقِ تپش اندوزی دے
برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگر سوزی دے

قوم آوارہ عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز — لے اڑا بلبلِ بے پر کو مذاقِ پرواز

مضطرب باغ کے ہر غنچہ میں ہے بوئے نیاز — تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کیلئے
طور مضطر ہے اسی آگ سے جلنے کے لیے

مشکلیں اُمّتِ مرحوم کی آساں کردے — مورِ بے مایہ کو ہمدوشِ سلیماں کردے
جنسِ نایاب محبت کو پھر ارزاں کردے — یعنی ہم دیر نشینوں کو مسلماں کردے

جوئے خوں می چکد از حسرت دیرینۂ ما
می طپد نالہ بہ نشتر کدۂ سینۂ ما

بوئے گل لے گئی بیرونِ چمن رازِ چمن — کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہیں غمازِ چمن
عہدِ گل ختم ہوا ٹوٹ گیا سازِ چمن — اُڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پردازِ چمن

ایک بلبل ہے کہ ہے محوِ ترنم اب تک
اسکے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

قمریاں شاخِ صنوبر سے گریزاں بھی ہوئیں — پتیاں پھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی ہوئیں
وہ پرانی روشیں باغ کی ویراں بھی ہوئیں — ڈالیاں پیرہنِ برگ سے عریاں بھی ہوئیں

قیدِ موسم سے طبیعت رہی آزاد اسکی
کاش گلشن میں سمجھتا کوئی فریاد اسکی

لطف مرنے میں ہے باقی نہ مزا جینے میں — کچھ مزا ہے تو یہی خونِ جگر پینے میں
کتنے بیتاب ہیں جوہر مرے آئینے میں — کسقدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں

اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں
داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں

چاک اس بلبلِ تنہا کی نوا سے دل ہوں — جاگنے والے اسی بانگِ درا سے دل ہوں
یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دل ہوں — پھر اسی بادۂ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں

عجمی خُم ہے تو کیا، مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا، لے تو حجازی ہے مری

شیخ محمد اقبال

اولڈ بوائز

ہماری برادری میں یہ خبر نہایت مسرت سے سنی گئی ہے کہ اخی مسٹر سید راس مسعود صاحب ولایت سے بیرسٹر ایٹ لا ہو کر وطن واپس آ گئے۔ جیسا کہ معلوم ہوا ہے ہمارے بھائی نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے اعلےٰ اعزاز کے ساتھ بی اے کی ڈگری حاصل کی اور کامیابی کے ساتھ بیرسٹری کی سند لی۔ ابھی یہ نہیں معلوم ہوا کہ وہ کہاں وکالت کرینگے۔ بہرکیف ہماری دعا ہے کہ وہ جہاں رہیں خوش رہیں۔ ہم اپنے درمیان اپنے بھائی کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اُنکے مع الخیر واپس آنے پر اُن کی والدہ ماجدہ محمود بیگم صاحبہ کی خدمت میں مبارکباد عرض کرتے ہیں۔

ہمارے ایک دوسرے بھائی مسٹر عبدالرشید خاں صاحب خلف جناب کرنل عبدالمجید خاں صاحب بہادر (پٹیالہ) بھی وطن واپس آئے اور ہمیں اُنکے واپس آنے سے بھی کچھ کم مسرت نہیں ہوئی ہمارے بھائی مسٹر مسعود کے ساتھ ولایت گئے وہاں برابر کامیابیاں حاصل کیں اور ساتھ ہی واپس آئے۔ ہم اپنے بھائی کا خیر مقدم کرتے ہیں اور انکے نامور والد ماجد کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

سیرِ کالج

۱۹۰۲ء سے جب سے مینے مادرِ کالج کو چھوڑا اب مجھے علیگڈھ جانے کا موقع نہیں ملا۔
اتفاقاً ۴ فروری سنہ حال کو، ایک مدت کے بعد میرا وہاں جانا ہوا اور ایک روز مقیم رہ کر
دوسرے دن چار بجے عصر کی نماز پڑھ کر وہاں سے روانہ ہوگیا۔ مسجد کالج اور بورڈنگ
کی عمارتیں دیکھکر طبیعت بیحد مسرور ہوئی۔ نواب صاحب قبلہ مدظلہ کی زیارت اور دوسرے
صاحبونکی ملاقات سے یہ خوشی اور بھی دوبالا ہوگئی۔ قبلہ و کعبہ نواب صاحب کا خلق
اور قومی جاں نثاری تو اظہر من الشمس ہے۔ موصوف جسطرح مجھ ناچیز کے ساتھ پیش آئے
اُسکا اعادہ اور اظہار قریب قریب ناممکن کے ہے، ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ نواب صاحب مدظلہ،
مجھ بادیہ گرد کو اپنے دولتکدہ سے میرے قیام گاہ تک اپنی سواری میں خود پہنچا گئے۔ مگر یہ
مسرت خاک میں مل گئی۔ جب یہ معلوم ہوا کہ قبلہ و کعبہ بظاہر تین ماہ کی رخصت لیکر وطن تشریف
لیے جارہے ہیں۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ نواب صاحب قبلہ کی عمر اور تندرستی ضرور
اس قابل ہے کہ وہ کچھ دنوں آرام فرمائیں یہ اُنہیں کی ہمت تھی کہ اس پیرانہ سالی اور تندرستی
ٹھیک نہونے کی حالت میں جو کام کیے اور اسقدر بار صرف قوم کی ترقی کی خاطر اٹھایا کہ دوسرے
صحیح و سالم آدمی کو اٹھانا دشوار کیا بلکہ قریب قریب ناممکن کے تھا اور کیا عجب ہے کہ اسی
بار نے قبلہ و کعبہ کو علیحدگی پر مجبور کیا ہو۔

دوسری پریشان کرنے والی بات طالب علموں اور پروفیسروں کی نماز سے
بے پرواہی تھی۔ مینے کالج کی مسجد میں ۴۔ فروری کو ظہر، عصر، مغرب اور عشا، کی نماز پڑھی اور
۵ تاریخ کو صبح اور ظہرین کی نماز میں شریک رہا۔ ظہرین اور مغرب کی نماز میں تو کچھ
کم طالب علم نظر آئے مگر صبح اور عشار کی نماز میں چند گنتی کے لوگ دکھائی دیے۔ صبح

کی نمازیں آٹھ دس سے زیادہ نہ تھے تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ روز صبح کو تو اتنے بھی نہیں ہوتے گویا بجز امام اور ایک دو مقتدی کے اور کوئی نہیں ہوتا کسی وقت کی نماز میں مینے کسی پروفیسر صاحب کو (جو کالج میں مقیم ہیں) نہیں دیکھا۔ افسوس کہ مسلمانوں کا کالج اور عام شہرت یہ ہو کہ نماز کالج کی طرف سے بھی لازمی ٹہرائی گئی ہے۔ اس پر یہ کیفیت! ۔

بعد نماز عصر کے میں ایک دوست سے ملنے کلب گیا۔ وہاں میرے دوست چند پروفیسروں کے ہمراہ بلیارڈ کھیل رہے تھے۔ یہ سب صاحبان یوروپین روش میں تھے؛ جس سے معلوم ہوا کہ سب کے سب صاحب لوگ ہیں نام سننے پر مسلمان ہونے کا یقین ہوا۔ اُنکو اس لباس میں دیکھنا خالی از حیرت نہ تھا کیونکہ یہ کالج ہمارا کالج مسلمانوں کا ہے جہاں کے پروفیسروں کی یہ حالت ہے۔ آگے چلکر یہ حیرت اور بڑہی۔ منٹو سرکل کی جانب چلا۔ راستہ میں چند پروفیسر صاحبان سے ملاقات ہوئی؛ جو باستثنائے چند بجز ترکی ٹوپی کے انگریزی پوشاک میں تھے منٹو سرکل پر راستہ میں چند پروفیسر صاحبان سے اور ملاقات ہوئی۔ بات چیت ہو رہی تھی کہ مغرب کی اذان ہوئی۔ پروفیسر صاحبان سے کہا کہ مسجد چلیے نماز پڑہیے۔ اگر آپ لوگوں کی ایسی ہی عدم توجہی ہے تو کیا خاک ترقی ہوگی۔ مگر کون سُنتا ہے کیسی نماز! سڑک کا راستہ لیا۔ دونوں دن اکثر پروفیسروں اور طالبعلموں کو بغور دیکھا، تو چند طلباء کے چہرہ پر نشان اسلام (داڑہی) کا پتہ پایا۔ غالباً یہ نواب صاحب قبلہ کا فیض قدم ہے۔ غرض یہ سب باتیں روح کو صدمہ پہنچانیوالی تہیں۔ سرسید کے زمانہ میں جب میں پڑہتا تہا تو کسی کی مجال نہ تہی کہ مسجد سے غیر حاضر ہو مگر اب یہ حالت! اس حالت کا ہونا تعجب انگیز نہیں۔ جب نماز ما نیٹری مسجد سے غیر حاضر رہیں تو طلباء کو غیر حاضری کی کیوں جرأت نہو۔ ہاں ایک بڑی ضروری بات بھول گیا۔ مینے دونوں دن ہر وقت جماعت سے نماز پڑہی مگر کسیوقت مولوی سلیمان اشرف صاحب کو جو کالج میں واعظ ہیں نماز میں نہیں دیکھا۔ یہ تو مجھ میں جرأت نہیں کہ میں یہ کہوں کہ مولانا تارک الصلوٰۃ

ہیں مگر انہیں تارک الجماعت ضرور کہونگا۔ یہ مانا کہ وہ اپنے کمرہ میں نماز نہ پڑھ لیتے ہوں مگر ایسی جگہ جہاں پروفیسروں اور طالب علموں کی یہ حالت ہو تو کیا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مولانا بھی اسی رنگت میں ہیں۔ مولانا کا قیام مسجد کے قریب ہے۔ اگر کچھ دور بھی ہوتا تو بحیثیت عالم ہونے کے مولانا کا ضرور یہ فرض تھا کہ پنج وقتہ نماز جماعت سے پڑھتے گو مولانا کو حد درجہ کی تکلیف بھی ہوتی: تاکہ دوسروں کو بھی جماعت کی عادت ہو۔ اگر یہی روا رکھا جائے اور بالخصوص عالم روا رکھیں کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ علیحدہ علیحدہ نماز پڑھ لیا کرے تو مسجد بیکار ہوئی جاتی ہے اور مسجد میں جماعت کا جو ثواب رکھا گیا ہے وہ بیکار ہوا جاتا ہے ؎

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

جب مولنا احکام شرعیہ میں رخنہ ڈالیں اور اتباع سنت نبوی نہ کریں تو پروفیسروں اور لڑکوں کی نسبت کہنا فضول ہے۔ علاوہ اسکے جو پروفیسر صاحب مولانا کے کمرے کے نیچے قیام پذیر ہیں اور مولانا کے ہمسایہ ہیں وہ بھی اس اثر سے خالی نہیں۔

(باقی آئندہ)

سید محمد مھدی (علیگ)

از بریلی

ہمیں یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ ہمارے بھائی مسٹر بنیاد حسین صاحب صوبہ پنجاب کے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے ہیں انہوں نے مادر کالج میں تعلیم پا کر بی اے کی ڈگری حاصل کی اور ایک عرصہ تک ہمارے مدرسہ کی خدمت کرتے رہے۔ ہم اپنے بھائی کو مبارکباد دیتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور قومی ضروریات کو فراموش نہ کرینگے۔

چار آنہ فنڈ

"اولڈ بوائے" کے ذریعے سے ہماری آواز وقت واحد میں تمام بھائیوں کے کانوں تک پہونچ جاتی ہے، جن بھائی کا جیسا مذاق ہوا انہوں نے بلا تکلف مضمون لکھکر روانہ کر دیا اور اپنا ارمان نکال لیا۔ خدا اسکے بانیوں اور مددگاروں کی مدد کرے جنہوں نے اسے جاری کر کے ہم لوگوں کو طبع آزمائی کا موقع دیا اب ہمیں یہ چاہئے کہ اس میں مفید مضامین کثرت کے ساتھ شائع کریں اور علیگڈھ کے کھلنڈروں کی طرح ہمارے مضامین آپ ہی اپنی نظیر ہوں۔

مینے جس مضمون پر قلم اُٹھایا ہے وہ عنوان پر درج ہے، مگر اسکے اظہار کے لیے تھوڑی تمہید کی ضرورت ہے۔ فی زمانہ دنیا کی ترقیوں پر نظر کرتے ہوئے ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ شاہراہ ترقی پر ہمکو بہت سرعت کے ساتھ اپنا قدم رکھنا چاہیے ورنہ ڈر ہے کہ علیگیرین (جو دوڑ میں سب سے اول آتے ہیں) خدانخواستہ سب سے پیچھے رہ کر ندامت سے سر جھکائے نظر آئیں۔

اولڈ بوائز اسٹور کے متعلق آپ بہت دنوں سے مضامین دیکھ رہے ہیں اور میں بھی آپ کو توجہ دلا چکا ہوں۔ دیکھیے اس خامہ فرسائی اور قرطاس سیاہی کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ہماری تجاویز سے فائدہ اٹھا کر دوسرے عمل درآمد شروع کر دیں اور ہم مُنھ دیکھتے کے دیکھتے رہجاویں۔ اب دوسرا ایک اور اہم مسئلہ آپ سب بھائیوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ جہانتک دیکھا جاتا ہے ہم لوگ "اپ ٹو ڈیٹ فیشن" میں اسقدر غرق ہو رہے ہیں کہ اپنے اعزہ واقارب کی خبرگیری کرنا تو در کنار مشکل سے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کی بھی کچھ خبر رکھ سکتے ہیں۔ اس بے خبری کے نتائج جسقدر مہلک اثر

پیدا کر رہے ہیں اُنکی جانب خیال کرتے ہوئے دل لرز جایا کرتا ہی۔

اگرچہ ہماری برادری کے پچھلے جلسہ کے موقع پر اس قسم کی تجویز پیش ہوئی تھی کہ ہر اولڈ بوائے اپنے ایک فیصدی کے علاوہ چار آنہ ماہوار اضافہ کرے تاکہ اس فنڈ سے اولڈ بوائز کے یتیم اور نادار طلبہ کی تعلیم میں مدد کیجائے۔ گو یہ تجویز نہایت مفید ہی لیکن میں اس میں کچھ اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ مگر اس سے پہلے میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس تجویز کو غالباً ایک حصہ نے اس وجہ سے ناپسند کیا ہوگا کہ انکی جمع کردہ رقم کو دوسروں کے بچوں پر صرف کیا جاوے یا یہ کہ سالانہ جلسوں کے موقعوں پر مولوی ماسٹروں کے تقررات یا اضافوں سے اس بے مقدار فنڈ کو اور کمزور کر دیا جاوے۔ نہ اس فنڈ میں اسقدر گنجایش ہی کہ وہ ہمارے جملہ نادار اور یتیم بچوں کی تعلیم میں مدد پہونچا سکے ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ خصوصیت کی جائیگی، جسکا نتیجہ آیندہ چلکر دقت سے خالی نہوگا۔ ہم دیکھتے ہی ہیں کہ جو مسلمان مرتے ہیں بجز قرض کے گھر میں کچھ پس انداز نہیں چھوڑتے۔ اسکے علاوہ ہر شخص اپنے عزیز یا دوست کے بچوں کے لیے زور دیگا اور ظاہر ہی صاحب اثر لوگوں کو کامیابی ہوگی۔ اس سے ایک اور منافقت کا اندیشہ ہی۔

مثال کے طور پر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایک اولڈ بوائے "زید" کی آمدنی بتیس روپیہ ماہوار کی ہی اور وہ پانچ آنہ ماہانہ دیتا ہی۔ اب جدید قواعد کی رو سے چار آنہ ماہوار اور ادا کرنے پڑے۔ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہی کہ اس قلیل تنخواہ میں اتنا ادا کرنا اسکے لیے باری اور اسپر یہ اور اضافہ ہی کہ تنگدستی کے عالم میں وہ خود اپنی اولاد کی تعلیم کے بار کا تحمل نہیں ہوسکتا۔ اب بتلایے کہ ایسوسی ایشن اسکے بچوں کے لیے کیا انتظام کریگی۔ غالباً اسکا جواب یہی ہوگا کہ فنڈ میں اسقدر گنجایش نہیں کہ چار آنہ زائد دیے جانے پر اس کی اولاد کی تعلیم لازمی طور پر ایسوسی ایشن کی طرف سے ہو۔ ایسی صورت میں چار آنہ ماہوار زائد دینے سے حاصل ؟۔

ان تمام امور کو مدنظر رکھکر میں یہ مناسب خیال کرتا ہوں کہ جسطرح ہو سکے جلد سے جلد ایک رزولیوشن اس امر کے متعلق ہونا چاہئے کہ ہمارے تمام فنڈوں کی رقوم ہمارے ہی کام میں خصوصیت کیساتھ صرف کی جایا کریں۔ دوسرا ایک رزولیوشن اس باب میں ہو کہ جملہ اولڈ بوائز خواہ اُنکی آمدنی ہزار روپیہ ماہوار کی ہو یا پچیس روپیہ ماہوار کی وہ اپنی اولاد کی تعلیم کی غرض سے ماہانہ یا سہ ماہی ایک مناسب رقم فنڈ میں داخل کرتے رہیں یا کہ یہ رقم خود اُنکی اولاد میں صرف کیجاے۔ اسکے متعلق یہ طریقہ ہی مناسب ہو سکتا ہے کہ یا تو فی بچہ رقم کا تعین کیا جاے یا آمدنی پر فیصدی بڑھا دیا جاے۔ ایسی صورت میں فنڈ کو جو رقم پہونچیگی فنڈ کی مالی حالت اچھی ہوتی جائیگی۔ اسکے علاوہ ہم لوگوں کی فضول خرچیوں کا سدباب ہو کر ہماری آمدنی نیک کام میں صرف ہوگی۔ یہ رقم ایک فیصدی کے علاوہ ہوگی اور شاخ تعلیمات سے منسوب کیجائیگی۔ ہم کو اپنی عقل سلیم سے کام لیکر ایسے پُرآشوب اور کشمکش کے زمانہ میں کوئی گھڑی اور کوئی پل بیکار نہ کھونا چاہیئے۔ اگر آج ہم نے اپنی زندگی کے قیمتی اوقات کو رائیگاں کرکے اور اپنے بزرگوں کے سرمایوں یا اپنی کمائیوں کو ناجائز طریق پر خرچ کرکے اپنی اولاد کو اپنے بعد بھیک کے طور پر تعلیم پانے کا موقع دیا تو تف ہی ہماری زندگی پر اور لعنت ہے ہمارے عیش و عشرت کی زندگانی پر میں اسکے ساتھ ہی یہ الفاظ بھی کھلے طور پر کہونگا کہ اگر ہمارے لیڈروں نے ہم لوگوں کے حالات، اخراجات اور ضروریات کے جانب توجہ نہ کی اور ہم لوگ اسی طرح پر لہو ولعب میں پڑکر اپنی اولاد کو بھیک کی تعلیم پر چھوڑ گئے تو قیامت کے دن خداے پاک کے روبرو ہمارے بچے اپنی تکالیف و مصائب، نیز حق تلفیوں کی پُردرد داستانیں بیان کرکے ہمارے لیڈروں کے دامنوں کو پکڑکر فریاد کرینگے پھر اُنسے اپنی بے توجہیوں کے متعلق کوئی جواب نہ بن پڑیگا۔

یہ خیال خون جگر سے لکھکر سب بھائیوں کے روبرو پیش کرتا ہوں اگر اسکا یہ جواب ملا

کہ بچوں کی تعلیم کے لیے پس انداز کرکے ڈاکخانہ یا بنک میں جمع کرسکتے ہو تو کرنیوالے خود ہوشیاری سے کرینگے لیکن پہر اسکے سوا اور کیا کہا جائیگا کہ دنیا میں پیدا ہونا بڑے ہو کر علیگڈھ میں تعلیم پانا تعلیم پاکر ملازمت کرنا اور نئی برادری میں مثل شیر و شکر کے رہنا ایک ؎

خواب تہا جو کچہ کہ دیکہا جو سنا افسانہ تہا

جب آنکہ کہلی تو نہ کہیں علیگڈہ تہا، نہ بہائی برادری، نہ کوئی ہمارا ہمدرد نہ کوئی رہنما ؎

وائے ناکامی کہ بعد از مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تہا جو کچہ کہ دیکہا جو سنا افسانہ تہا

جگر فگار سید لائق حسین

پچہلے دنوں ہمارے بہائی مسٹر سید ظہور حسین صاحب، جن کا ذکر ان صفحات میں کئی مرتبہ آچکا ہے اور جسکے متعلق اخی مسٹر شوکت علیصاحب نے اپنے کہلنڈروں میں تذکرہ کیا ہے۔ الہ آباد میں سخت علیل ہو گئے تھے ہمیں اپنے ایک عزیز کے ذریعے سے اسوقت خبر ہوئی جبکہ وہ اچھے ہو گئے۔ ابہی تہوڑی نقاہت باقی ہے جو انشاءاللہ جلد جاتی رہیگی۔

اس سال کے منعقدہ اجلاس اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے لیے ملک زمان مہدی خاں صاحب، مسٹر صفدر علیصاحب، مسٹر سعید محمد خاں صاحب، مسٹر ظہور احمد صاحب، مسٹر شوکت علیصاحب، خان بہادر حاجی عبدالرشید خاں صاحب، مسٹر محمد امین صاحب، مسٹر سجاد حیدر صاحب، مسٹر عبد الغفار خاں صاحب، اور مسٹر مظفر علیخاں صاحب تجویز ہوئے ہیں۔

کالا آدمی

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

بدتمیز، بیہودہ، نالائق، کالا آدمی! کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں یہ موجود نہو! گھر کے اندر، بازار کی سڑک پر، سوسائٹی کے حلقہ میں، ملک کے ہر ہر گوشہ میں: وہی بیوقوف، آوارہ، بدتہذیب، کالا آدمی!!

اس کی بدتمیزی نے صاحب لوگوں کا ناک میں دم کر دیا ہے، زندگی تلخ کر دی ہے، ستا مارا ہے! صاحب لوگ عام آبادی کو چھوڑ کر بنگلہ میں رہتا ہے، سرائے کے عوض ہوٹل میں ٹھہرتا ہے، تھرڈ کلاس کی بجائے سکینڈ کلاس میں سفر کرتا ہے، غرض ہر طرح اس سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے: مگر پھر بھی جہاں دیکھو وہی حیوانِ ناطق، مادہ انسانی کی غیر ترقی یافتہ شکل، صنّاعِ حقیقی کی مشق اولین، جاہل، نیٹو، کالا آدمی!!

بریلی کے اسٹیشن پر صاحب لوگ ویٹنگ روم میں آرام کرسیوں پر پڑے ہوئے ہیں مگر سامنے والی بنچ پر کوئی ایک نیٹو بھی موجود ہیں، پلیٹ فارم پر صاحب لوگ فلیٹ ہیٹ پہنے ہوئے سگار کی چنگاریاں اڑاتے اِدھر سے اُدھر کھٹ پٹ کرتے پھرتے ہیں لیکن لوہے کے ستونوں کے پاس کالے آدمی بھی اپنے اسباب کے گٹھر کی نگرانی کر رہے ہیں؛ صاحب لوگ ہر دس پانچ منٹ کے بعد ویسٹ انڈ واچ کمپنی کی جیبی گھڑی پاکٹ سے نکال کر وقت دیکھ لیتے ہیں؛ مگر کالا آدمی پلیٹ فارم کے کنارے پر پہنچکر جسطرف سے گاڑی آنے والی ہے اُدھر جھک کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھور لیتا ہے!

ٹکٹ کلکٹر ہے تو کالا آدمی، بکنگ کلرک ہے تو کالا آدمی، تار گھر میں جائیے تو کالا آدمی، پوسٹ آفس میں جائیے تو کالا آدمی! غرض اسٹیشن ماسٹر کو چھوڑ کر جہاں نظر جاتی ہے، وہی نیٹو، بدتہذیب، گنوار، کالا آدمی!!

رات کے ۱۲-۱ بجے ہیں، دسمبر ۱۹۱۱ء کی شروع تاریخیں ہیں، سردی کسی رقیب کے جسگر خراش طعن کی طرح بدن تو ایک طرف دل و جگر میں بیٹھی جاتی ہے، ہوا کے جھونکے سردی محسوس کرنیوالوں کا بدن بے قابو کیے دیتے ہیں! کارونیشن دربار کے نظارہ کے شوق، اور حضور جارج پنجم کی زیارت کے اشتیاق نے، دہلی جانے والی ٹرین کے لیے بید مسافر اکٹھے کردیے ہیں! اور جاڑے کے موسم اور کئی روز ٹھہرنے کے ارادہ نے اسباب کا طومار باندھ دیا ہے!

ٹن، ٹن: ٹن، ٹن! — وہی کالا آدمی نہایت زور کے ساتھ گھنٹی بجاتا پھرتا ہے اور صاحب لوگوں کی نازک قوتِ سامعہ کی کچھ پرواہ نہیں کرتا! کسقدر وحشی ہے؟ کسقدر جانور ہے؟

ایک غیر معمولی گھر گھراہٹ، ایک پلیٹ فارم کو ہلا دینے والا لرزہ، اور منتظر مسافروں کی معشوقہ شرربار۔ لکھنؤ سے دہلی جانیوالی ٹرین زلفِ یار کی طرح بل کھاتی، پھنکارتی، چنگاریاں اُڑاتی، بریلی کے اسٹیشن پر آٹھری! تھرڈ کلاس کے مسافروں کا۔ بدتہذیب جانوروں کا پنجرہ کھلا اور طوفان بے تمیزی چیختا، پکارتا پلیٹ فارم پر دوڑ پڑا! پوری، کچوری، گرما گرم! پان، بیڑی، سگرٹ! مسی منجن، بریلی کا عمدہ سرمہ! آن واحد میں سارا اسٹیشن گراموفون کا ریکارڈ بنگیا! چیخ پکار، بھاگ دوڑ! کالے آدمیوں کی بھیڑ نے حشرات الارض کے سیلاب نے۔ صاحب لوگوں کا گاڑی تک پہنچنا بھی دشوار کردیا!!

اسی ہل چل میں دو صاحب لوگ۔ وہ دونوں جو ہمارے پیش نظر ہیں۔ خدا خدا

کرکے نہیں، ڈیم فول کرتے ہوئے سکنڈ کلاس تک پہونچے! قلیوں نے صاحب کا ٹرنک، ٹفن باسکٹ، ہولڈال، ہیٹ کیس، غرض ہر ایک چیز گاڑی کے اندر رکھنی شروع کی اور صاحب لوگ اپنا اپنا سگار جلاکر، گاڑی کے دروازہ کے سامنے کھڑے ہوئے باتوں کا سلسلہ چھیڑ دیا!

یہ دونوں حضرات سَر کی ہیٹ سے لیکر پاؤں کی بوٹ تک صاحب لوگ تھے! چسٹر فیلڈ دونوں کے زیب تن تھا! لوٹی ہوئی چھوٹی موری کی پتلون دونوں صاحب پہنے ہوئے تھے، کپڑوں کا کٹ اور فال جنٹلمین کی تعریف کا جزو لاینفک ہے نہایت اچھا تھا، اور استری کی شکن قائم رہنے سے یہ بھی ظاہر تھا کہ آپ کپڑے پہنتے ہی نہیں بلکہ ان کو رکھنا بھی جانتے ہیں! بوٹ دونوں کے تازہ پولش کیے ہوئے براؤن تھے جن کی ٹونہ پتلی تھی نہ چپکلی، بلکہ عجیب طرح سے ایک طرف کو کسیقدر مُڑی ہوئی ٹیڑھی سی تھی: اور سچ پوچھو تو موجودہ فیشن کے لحاظ سے نہایت "اپ ٹو ڈیٹ" تھی! کپڑوں کے لحاظ سے دونوں میں فرق تھا تو صرف اسقدر کہ ایک صاحب اعلیٰ درجہ کا مفلر باندھے ہوئے تھا تو دوسرا ایک اونچا سفید ڈبل کالر لگائے ہوئے اور چھوٹی سی بو باندھے ہوئے!!

حلیہ شریف۔ نہیں نہیں۔ حلیۂ انگریز، کچھ نہ پوچھئے کیسا تھا؟ ایک صاحب کا چہرہ پتلا دُبلا، ہڈیاں نکلی ہوئی، چھوٹی چھوٹی آنکھیں۔ غرض دیکھنے میں کسیقدر ناگوار تھا! دوسرے صاحب کا نقشہ اُبھرا ہوا، اونچی پیشانی، ناک آگے کی طرف خفیف سی جھکی ہوئی آنکھیں گول مگر بڑی، دہانہ کشادہ مگر ہونٹوں کو سکیڑے رکھنے کی عادت! گال کسیقدر موٹے مگر خدا ابلا کرے ولو لیبا سوپ کا چکنی اور چمکتی ہوئی، مختصر یہ کہ نقشہ بحیثیت مجموعی بُرا نہ تھا! ڈاڑھی کی نسبت کچھ کہنا سننا تو ایک فضول سی بات ہے کیونکہ وہ تو بالکل دیکھتے ہی دیکھتے ایسی غائب ہوئی جیسے ہندوستان سے تقسیم بنگالہ یا موجودہ ڈپلومیسی سے ایمانداری! رہیں مونچھیں، اُنکی مختصر سی سوانح عمری چنداں بیجا نہ ہوگی

وہ زمانہ تو لد ہی گیا جبکہ لبیں تراشی جاتی تھیں ؛ البتہ ایک عرصہ سے کاسمیٹک لگا کر انکی خدمت کرنا فرض عین تھا ، مگر اب موجودہ رنگ کے لحاظ سے وہ پانی بھی ملتان بہ گیا ! کروُپ ریزر کی باقاعدہ روزانہ جاروب کشی ، رخساروں سے بڑھتے بڑھتے ہونٹوں تک پہنچ گئی ! اول الذکر صاحب بہادر تو موچھوں کے بارسے بالکل ہی سبکدوش تھے ، البتہ آخرالذکر کی مونچھیں تھیں ضرور ۔ اگرچہ تھیں وہ بھی نہ ہونے کے برابر ۔ کیونکہ چشم بددور پرکار سے پنی ہوئی دونوں طرف آدھی ادھی تھیں !! افسوس کہ رنگ نے دونوں صاحبوں پر پورا ظلم کیا تھا ، کیونکہ نیٹو آب وہوا کی وجہ سے یا نیٹو آفتاب کی تمازت کی ، بہ سے رنگ گورا تو الگ رہا گندمی بھی نہ تھا ! تاہم صاحب لوگوں پر پیدایشی کالا ہونیکا گمان تو بہ توبہ کون کرسکتا ہے ؟ اور اگر کوئی کرے تو نہایت بیوقوف ، نہایت احمق ، نہایت نیٹو ، کالا آدمی !!

سیٹی کی آواز آئی ، اور آگ کھانے اور انگارے اُگلنے والا عفریت آہنی ، ہنکارتا غل مچاتا گذرے جانیوالے وقت کی طرح چل پڑا ! صاحب لوگوں نے قلیوں کو کچھ دیا ، زیادہ مانگنے پر دھتکارا ، اور گاڑی کے اندر پہنچ گئے !! اوپر کے دو گدّوں پر دو صاحب بالکل بے خبر سو رہے تھے ، اور نیچے کے ایک گدّے پر جو کھڑکیوں کے برابر تھا ایک کالا آدمی رضائی اوڑھے پڑا جاگ رہا تھا ! اب صرف نیچے کے دو گدّے بچے ۔ ایک دوسری طرف کھڑکیوں کے برابر ، اور دوسرا ان دونوں کے بیچ میں ۔ اور یہ بھی دونوں خالی تھے ! ہمارے اول الذکر صاحب بہادر جو مونچھ اور ڈاڑھی دونوں کی طرف سے فارغ البال تھے ، سیٹی بجاتے ہوئے اندر آئے اور کھڑکیوں کے برابر والے گدّے پر دراز ہوگئے ۔ ! دوسرے صاحب بہادر یعنی بڑا صاحب ۔ بھی کھڑکیوں کے پاس والے گدّے پر ہی لیٹنا چاہتا تھا ! اس کی وجہ کہ کیوں اُسی گدّے پر لیٹنا چاہتا تھا ؟ ۔ نہ پوچھنے کی ضرورت نہ جواب دینے کی حاجت !

صرف اسیقدر کہدینا کافی سے بھی زیادہ ہوگا کہ - صاحب لوگ کا مرضی، صاحب لوگ کا
کُشی! اور بس !!

مگر اب مشکل یہ تھی کہ صرف بیچ والا گدا خالی تھا: لہذا سب سے زیادہ آسان ترکیب
یہ تھی کہ کالے آدمی کو بیچ والے گدّے پر ہٹا دیا جاے! یہ کچھ مشکل کام بھی نہ تھا، کیونکہ
ہندوستانی آدمی جاگ رہا تھا، صاحب کی طرف گھور رہا تھا، اور سب سے زیادہ یہ کہ
کرتہ پائجامہ پہنے ہوئے اور رضائی اوڑھے ہوے تھا - یعنی دہی گنوار، جاہل، کالا آدمی

بڑا صاحب نہایت بے پرواہی کے ساتھ کالے آدمی سے بولا: "تم اس
گدّے پر آجاؤ" مگر آپ کو سنکر تعجب ہوگا کہ ہندوستانی آدمی برابر صاحب کو گھورے
گیا، اُسکے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ ظاہر ہوئی اور اُسنے کچھ جواب نہیں دیا!! اس
دیدہ دلیری پر صاحب کو جسقدر غصہ آیا قانون ایکیٹ کی رو سے قطعی جائز تھا! اس
مرتبہ صاحب بہادر نے کسیقدر اونچی آواز اور تحکمانہ لہجے کے ساتھ کہا "میں کہتا ہوں
تم اس گدّے پر آجاؤ"

"صاحب بہادر! مجھے تو اسی گدّے پر رہنے دیجیے!" نہایت منت وسماجت
کے لہجہ میں کالے آدمی نے کہا!

بڑا صاحب (اور زیادہ زور دیکر) "نہیں، نہیں! تم ادہر کے گدّے پر آجاؤ"

"حضور میں بہت غریب ہوں: مجھے تو پڑا رہنے دیجیے!"

بڑا صاحب "تمکو ادہر آنا ہوگا" اب صاحب کو متواتر گستاخی پر زیادہ غصہ
آچلا تھا!

"حضور! صاحب! آپ سرکار ہیں! مجھے نہ ہٹائیے، رہنے دیجیے" کالے آدمی
کے لب ولہجہ سے تمسخر ظاہر ہوتا تھا!

بڑا صاحب "ڈَل! تم کو ادہر آنا ہوگا" غصہ کیساتھ کالے آدمی کی رضائی

کھینچتے ہوئے "فوراً اوپر آؤ میں!"

"بس! خبردار!" کالے آدمی نے دست درازی دیکھکر نہایت غصہ کیساتھ کہا! وہ اب اُٹھ بیٹھا تھا، اُسکی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، اور اُسکا بدن۔ پتلا دُبلا بدن۔ کانپ رہا تھا! اُسکے ہونٹوں پر ایک غیرمعمولی حرکت نظر آ رہی تھی، اور اُس کی ڈاڑھی چہرے کے کانپنے کے ساتھ لرز رہی تھی! اُسی حیرت انگیز انقلاب اور صاحب بہادر کو مبہوت بنا دینے والے جذبہ میں کالے آدمی نے نہایت برانگیختہ ہو کر کہا "یہ تو آپ کے چہرے سے ہی ظاہر ہے کہ آپ مسلمان ماں باپ کے معزز فرزند ہیں! مگر میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آپنے کہانتک تعلیم پائی ہے اور کہاں پائی ہے؟"

بڑا صاحب (کسیقدر فخر کے ساتھ) "میں...... کالج کا گریجویٹ ہوں!"

"......... کالج کا گریجویٹ اور یہ اخلاق!" اب کالے آدمی کے غصہ کی انتہا نہ تھی۔ اُس کی نظریں حقارت میں ڈوبے ہوئے تیر بنگئی تھیں، اُس کی آواز جگرخراش اور جوش دلانیوالی ہو گئی تھی، اور اُس کی تیز زبان شرم دلانیوالے الفاظ بلا تکلف ظاہر کر رہی تھی "شرم! شرم!! شرم!!! تمکو اسوقت اپنے کالج کا نام ظاہر کرتے ہوئے شرم بھی نہ آئی!"

صاحب بہادر کی حالت بالکل ناقابل اظہار تھی! کچھ ندامت، کچھ شرم۔ مگر ساتھ ہی کچھ غصہ کچھ چڑچڑاپن! آنکھیں جھکی ہوئی تھیں، پیشانی پر پسینہ تو نہیں کچھ یوں ہی سی نمی تھی، تیوری کے بل ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے، اور وہ اُس غضب ناک ہندستانی کو اب اور نظروں سے دیکھ رہا تھا! مگر سچ پوچھو تو اب بھی وہ کالے آدمی کو پوری طرح سمجھا نہ تھا: اُسنے بات ٹالنے کے طور پر کہا "کیا آپنے علیگڈھ کالج کبھی دیکھا ہے؟"

"کبھی دیکھا ہے!" عجیب استعجاب کے ساتھ کالے آدمی نے دُہرایا! اس کی آنکھوں سے اور زیادہ شعلے نکلنے لگے، اُسکے ہونٹوں کو زیادہ حرکت ہونے لگی اور اُسکی ڈاڑھی

اور زیادہ لرزنے لگی۔ "تم کو اس سے کیا غرض کہ مینے کالج کبھی دیکھا ہی یا نہیں؟ تم ایسے کمینہ اخلاق کے اظہار کے بعد بھی اسقدر جراُت رکھتے ہو کہ مجھ سے ہمکلام ہو! تمہیں ڈوب مرنا چاہیئے! کیا میرا مسلمان ہونا اسیلیے کافی نہ تہا کہ تم مجھ سے شریفانہ برتاؤ کرتے؟ کیا ایسی پاجیانہ حرکت کے بعد بہی تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ مینے کالج کبھی دیکھا ہی! پوچھتے ہو تو سنو! مینے کالج دیکھا ہی۔ تم سے زیادہ دیکھا ہی۔ اُس مرحوم کی آنکھیں دیکھی ہیں، اُس سردار کی آواز سنی ہی جس کی تعلیم کو تم جیسے رسوا کرتے پہرتے ہیں! میں ایک دو سال نہیں پورے ۱۱ سال کالج میں رہا ہوں! مینے بچپن سے ہوش وہیں سنبہالا ہی، میں مسٹر بیک کی مہربانیوں کا پالا ہوا ہوں! میرا نام .... ہے اور میں ضلع بدایون کی تحصیل .... میں تحصیلدار ہوں! میں اُسی کالج کا انڈر گریجویٹ ہوں جس کو تم بدنام کرتے پہرتے ہو! میرا عرف .... ہی جو غالباً تم نے اولڈ بوائے میں دیکھا ہوگا! اب تو تمہیں معلوم ہوا کہ مینے کالج کبھی دیکھا ہی .... "

بڑا صاحب (شرمندگی کے ساتھ بات کاٹ کر) میں آپ سے ادب کے ساتھ معافی"

"نہیں نہیں" خشمناک کالے اولڈ بوائے نے فقرہ بہی پورا نہ کرنے دیا۔ "آپ کیوں معافی مانگتے ہیں! آپ تعلیم یافتہ ہیں، آپ صاحب ہیں، میں تو ایک کالا آدمی ہوں جسکو آپ ٹھوکر مارکر گدے سے ہٹا دینگے! حضور سرکار، بڑے آدمی ہیں؛ میں تو گنوار رعیت ہوں! صاحب بہادر آپ میری رضائی باہر پہنکدیں، مجھے ملیم بگر کہیں، میرے دو تین ٹھوکریں رسید کریں! افسوس! افسوس!! کیا یہی ہی وہ اخلاق جس کی تم کو تعلیم دیجاتی ہی؟ کیا اسی کے لیے سید مرحوم نے قوم کے آگے گداگری کی تہی؟ کیا کالج کی تعلیم سے تم جیسے نونہال پیدا کرنا سید کا مقصود تہا؟ شرم! شرم!! اگر اسوقت میرے بجائے تم کسی اور شریف مسلمان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے۔ اور غالباً اُسے دہمکاکر دوسرے گدے پر ہٹا دیتے، تو وہ اپنے دل میں کالج کو کیا سمجھتا؟ اُس کی تعلیم کی نسبت

کیا رائے لگاتا، اور سید مرحوم کو کن الفاظ سے یاد کرتا؟ ہائے! ہائے!! بدنام کنندهٔ نکونامے چند! ......"۔

دو تین زور کے جھکولے، لائن پلٹنے کی آواز، غیر معمولی روشنی، اسٹیشن کا پلیٹ فارم؛ ایک جھٹکا اور گاڑی ٹھہر گئی! رام پور پر اُترنے والے تو نظر نہ آئے البتہ دہلی دربار کے لیے یہاں بھی ایک اژدہام ٹرین کا انتظار کر رہا تھا۔ جو گاڑی رکتے ہی بلائے آسمانی کی طرح لوٹ پڑا !!

اس سے تو ہمیں بحث نہیں کہ کالے آدمی نے جس وقت کالے کی طرح کیچلی اُتار ڈالی، اور لعن طعن کی بوچھار شروع کر دی تو وہ کس قدر عرصے تک جاری رہی، اور آخر میں پر کیونکر وہی بھائی اور میاں کے الفاظ جو کالے آدمی کا تکیہ کلام تھے گفتگو میں آنے لگے! البتہ یہ ہم ضرور کہیں گے کہ جہاں دیکھو صاحب لوگوں کا وبال جان، موت کا فرشتہ، اگر ہے تو وہی گنوار، جاہل، کُندہ ناتراشیدہ، نیٹو کالا آدمی !! ے

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی !!
کیں رہ کہ تو میروی بہ انگلستان ست !!

سلطان حیدر جوش (علیگ)

ہمارے بہت سے بھائی ہم سے دریافت کرتے ہیں کہ اولڈ بوائے کا دفتر بنارس سے کہاں جائیگا؟ اسکے متعلق ہم ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے مگر گمان ہے کہ مادرِ کالج سے قریب تر ہو جاسے گا۔ ابھی چند باتیں مشورہ طلب باقی ہیں، انکے طے ہونے کے بعد انشاء اللہ! ہم اپنے بھائیوں کو مطلع کرینگے۔

مولوی غلام محمد صاحب اڈیٹر وکیل کا سوگ ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ ہمیں اپنے عزیز بھائی مولوی محمد عزیز مرزا صاحب کے انتقال کی یکایک خبر معلوم ہوئی۔ ہم اب مرحوم کے لیے جتنا افسوس کریں بجا ہے۔ اُنہوں نے ہمارے کالج سے بی اے پاس کیا وہاں کے ٹرسٹی رہے اور آخر وقت تک ملک و قوم کی خدمت تندہی سے بجا لاتے رہے۔

مولوی صاحب کی ولادت اُنکے وطن بیاسو ضلع بلند شہر میں سنہ ۱۲۸۰ ہجری میں ہوئی اُنہوں نے ابتدا سے بی اے تک مادر کالج میں تعلیم پائی اور سنہ ۱۳۰۴ ہجری میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ زمانہ تعلیم میں وہ اپنی ذہانت اور حسن تقریر کے سبب تمام طلباء کالج میں ممتاز خیال کیے جاتے تھے۔ انگریزی زبان دانی اور علم تاریخ میں اُنہوں نے انعامات حاصل کیے

سر آسمان جاہ بہادر کے عہد وزارت میں وہ حیدر آباد بلائے گئے اور نواب وقار الملک بہادر نے اُنہیں سرکار عالی کی ملازمت میں داخل کرایا۔ سنہ ۱۳۰۸ ہجری میں وہ ہوم سکرٹری کے مددگار مقرر ہوئے اور سنہ ۱۳۱۰ ہجری میں مجلس وضع آئین و قوانین کے سکرٹری مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۳۱۲ ہجری میں جوڈیشل سکرٹری کے اول مددگار کر دیے گئے اور سنہ ۱۳۱۴ میں کورٹ آف وارڈس کے سکرٹری ہوئے اس موقع پر قابل تعریف امر یہ تھا کہ اُنہوں نے یتیموں کے مال سے حق الخدمت لینا پسند نہ کیا۔ سنہ ۱۳۱۵ ہجری میں وہ منصرم معتمد کوتوالی و امور عامہ کی خدمت پر مامور ہوئے اور پانچ سال بعد سنہ ۱۳۱۹ھ میں وہ چند روز کے لیے تعلقداری پر پروانہ کیے گئے لیکن اس سے چار سال بعد سنہ ۱۳۲۳ھ میں وہ پھر حیدر آباد بلائے گئے اور عدالت عالیہ (ہائیکورٹ) کے رکن مقرر ہوئے۔ آخر زمانۂ ملازمت میں وہ ہوم سکرٹری کے عہدہ پر ممتاز تھے۔ مگر ایک غلط سازش کی وجہ سے جس میں اُنکے نام سے غلط تحریر بنائی گئی

تھی انہیں پنشن عطا کی گئی۔

زمانہ ملازمت میں حیدرآباد کے بڑے بڑے عہدہ داروں نے اُنکی لیاقت اور قابلیت کو تسلیم کیا ہے اور اُنہوں نے متعدد خدمات کو نہایت عمدگی اور خوبی سے انجام دیا حیدرآباد میں ایسی کوئی سرکاری کمیٹی نہ تھی جسکے وہ ممبر نہ رہے ہوں۔ آخر زمانہ ملازمت میں اُنہوں نے ایک تجویز پیش کی تھی کہ حیدرآباد میں علوم مشرقیہ کی ایک یونیورسٹی قائم کیجائے۔ یہ مفید تجویز اگرچہ سرکار عالی نے منظور فرمائی تھی لیکن مرحوم کے چلے آنے کے باعث التوا میں آگئی۔

حیدرآباد میں مرحوم کی سب سے نمایاں خصلت یہ تھی کہ وہ لوگوں کی نفع رسانی میں دل سے کوشش کرتے تھے اور دوست تو دوست کوئی دشمن بھی اس بات کا شاکی نہ تھا کہ اُن کی ذات سے کسیکو نقصان پہنچا ہے۔

حیدرآباد سے واپس آنے کے بعد ۱۹۱۰ء میں وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے سکرٹری بنائے گئے۔ اُنہوں نے اس کام میں نہایت جانفشانی ظاہر کی اور کئی صوبوں کے دورے لیگ کی شاخیں قایم کرنے کے لیے کیے تعلیمی معاملات سے اُنہیں خاص دلچسپی تھی، ہمارے کالج کے ٹرسٹی اور یونیورسٹی کانسٹی ٹیوشن کمیٹی اور سنڈیکیٹ کمیٹی کالج کے ممبر تھے۔ ندوہ کے کاموں میں بھی وہ اکثر دلچسپی لیا کرتے تھے۔ مطالعہ اور تصنیف و تالیف کا انہیں خاص شوق تھا اور اُنہوں نے اپنی مادری زبان اُردو میں کئی کتابیں تصنیف فرمائی تھیں۔ ایشیاٹک سوسائٹی لندن نے اُنکے پاکیزہ مذاق انشاپردازی کو دیکھکر اُنہیں اپنا رکن بنایا تھا۔ سال گزشتہ میں وہ انجمن ترقی اردو کے سکرٹری قرار پائے تھے مگر افسوس کہ انہیں اس خدمت کے بجالانے کا موقع نہ ملا۔

مولوی عزیز مرزا صاحب باوجود اعلیٰ انگریزی داں ہونے کے صوم وصلوٰۃ کے بڑے پابند تھے اور اسلام کی محبت اُنکا خاص شعار تھا۔

مرحوم نے چھ صاحبزادے چھوڑے ہیں، جن میں ہمارے بھائی مسٹر احمد مرزا حال ہی میں انجنیری کی تعلیم پاکر ہندوستان واپس آئے ہیں، ہمارے بھائی ابو سعید مرزا ولایت میں بیرسٹری کی تعلیم پا رہے ہیں اور باقی چار بھائی ہندوستان ہی میں ہیں۔

ہم اپنے بھائیوں اور مرحوم کے پس ماندوں کے اس غم میں شریک ہیں اور خداوند کریم سے مرحوم کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

ہمارے بھائی مسٹر سید محمود حسین صاحب رئیس ترکی پرہ باس ضلع بلند شہر معہ برادر عزیز مسٹر مسعود حسین صاحب کے زیارت کربلائے معلیٰ کے لیے حال ہی میں روانہ ہوئے ہیں۔ ؎

دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست
تا نہ پنداری کہ تنہا میروی

خدا کرے ہمارے بھائی مع الخیر وطن واپس آئیں۔

سکریٹری شپ کے لیے مسٹر محمد سرفراز خاں صاحب اور مسٹر خواجہ عبد المجید صاحب امیدوار ہیں۔ مسٹر عامر مصطفےٰ خاں صاحب نے امیدواری سے اپنا نام واپس لے لیا اور مسٹر شوکت علی صاحب اس خدمت کے امیدوار ہوئے ہیں۔

ہمیں اپنے مضمون نگار بھائیوں سے یہ شکایت ہی کہ اُنھوں نے رسالہ کے متعلق ہمیں بالکل فراموش فرما دیا ہی، اسیطرح ہمیں یہ شکایت بھی ہی کہ ہمارے بھائی وقتاً فوقتاً اپنے حالات و خیالات سے اطلاع نہیں دیتے کیا ہم اپنے بھائیوں سے اُمید رکھہ سکتے ہیں کہ وہ ہماری اس التماس کو سنیں گے۔

ظالم انسان

قبل ازیں کہ ہم اپنے بھائی مسٹر ایم اے کے آزاد کا مضمون درج کریں مناسب خیال کرتے ہیں کہ اُنکے اُس خط کا خلاصہ بھی درج کردیں جو انہوں نے اپنے مضمون کے ساتھ ہمیں حال ہی میں لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"انگلستان سے واپس آنے کے بعد میں پہلے کی نسبت زیادہ مصروف کار ہوں، بلکہ انگلستان میں کچھ ایسی کم فرصتی رہی کہ بد اتفاقی سے علیگڈھ کے کسی طالب علم سے بھی ملاقات نہونے پائی۔ ہاں! صرف ایک جناب عبدالرحمن صاحب بجنوری سے ایک آدھ گھنٹہ کے لیے ایک سرسری ملاقات ضرور رہی تھی۔"

"مینے جس مضمون کے متعلق جناب مسٹر شوکت علیصاحب سے ذکر کیا تھا اُسکی سرخی "نادان فیلسوف" ہے اور جو مادر کالج کی خیالی زندگی کا ابتدائی خیال ہے۔ اس کا ایک ناتمام خاکہ مینے انگلستان سے بمبئی واپس آتے ہوئے اثنائے سفر میں لکھ رکھا تھا جو ابتک میری کم فرصتی کے باعث اسی طرح بیرنگ پڑا ہوا ہے۔ میں کسی فرصت کے وقت اس خاکہ کو مکمل کرکے بہت جلد بھیجدونگا۔"

"میرے سفر کے حالات کے متعلق جو آپ دریافت کرتے ہیں تو یہ کام ایک بہت بڑے دیدہ ور سیاح اور نکتہ فہم مورخ کا ہے مجھ سے ایک خیالی دنیا کے رہنے والے شخص کو ان باتوں سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔ چونکہ بارہا کے مغربی سفر کے اتفاق پڑنے سے طبیعت کو ان باتوں کی عادت ہوگئی ہے اور میرے نزدیک یہ بات بھی ایک معمولی سی بات ہوگئی ہے، میں نہیں سمجھ سکتا

کہ ان حالات کو میں کیا لکھہ سکوں گا اور جسے میری طبیعت ایک معمولی بات سمجھے ہوئے ہے اُسے میں دوسروں کی نظر میں کیونکر مفید بنا سکوں گا۔"

"اپنے لکھے ہوئے پرچوں میں ڈہونڈتے ڈہونڈتے اتفاق سے یہ مضمون مکمل آیا ہے۔ میں نہیں سمجھہ سکتا کہ یہ کسقدر اور کس حد تک موزوں اور مناسب ہے اسے بھیجے دیتا ہوں"

مضمون یہ ہے :-

شہر میرٹھ سے کچھ دور اُس سڑک پر جو اسٹیشن کی طرف جاتی ہے دو نوعمر شخص جن کی وضع قطع سے نئی روشنی کی جھلک دکہائی دیتی تھی آپس میں اسطرح باتیں کر رہے تھے۔

ایک شخص۔ بھائی اختر! تم مجھے یہاں کیوں لے آئے ہو آخر کوئی وجہ بھی بتاؤ گے؟۔ میری طبیعت کہیں نہیں لگنے کی۔ مجھے وہیں جانے دو۔

اختر۔ اشفاق! تم میری بات بھی مانوگے یا نہیں۔ آؤ۔ چلو اس سطح پتھر پر بیٹھ رہیں۔ تمہارے غم کا بوجھہ اس قدرتی منظر کے دیکھنے سے ہلکا ہو جائیگا اور میں بھی کوشش کرونگا کہ تمہاری طبیعت بہل جائے۔

اشفاق۔ خاک پڑے اس تمہارے قطع زمین پر جو دل بہلانے کا سامان ہو سکتا ہو۔ میری آنکھوں میں دنیا اندھیری ہے۔ میرے ڈر نے میری دلچسپی کی طاقت کو سلب کر دیا، میرے قلب نے میرے دماغ کی قوت ممیزہ کو معطل کر دیا۔ کہو اسپر بھی تم مجھہ سے کچھہ کہنا چاہتے ہو۔

اختر۔ مینے مانا کہ تمہارا صدمہ ایک حد تک ناقابل برداشت ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ تمہیں اپنی بیوی سے الفت تھی مگر میرے کہنے کو التجا سمجھو، اپنی حالت اور میری ہمدردی پر رحم کرو اور چند لمحوں کے لیے اس پتھر پر بیٹھہ کر مجھہ سے باتیں کرلو۔

اشفاق بجز اسکے کہ میں وہاں بیٹھہ کر اور پریشان ہونگا کچھہ نہیں ہوگا۔ میری اس ضد کو

دو۔ سمجھو، میری غربت اور اپنی محبت پر رحم کرو اور مجھے وہیں جاکر اپنا سر پھوڑنے دو

اختر — تمہیں پورا حق حاصل ہے کہ اپنے ارادوں کی تکمیل زیبا یا نازیبا طور پر کرلو، میں ہرگز تمہارا سدِ راہ نہیں ہوسکتا مگر بحیثیت دوست یہ ضرور کہونگا کہ اتنی بات مان لو پھر جو

اشفاق — تم ٹھیک کہہ رہے ہو اور مجھے بھی اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے ابتک کوئی کام تمہارے خلاف مرضی نہیں کیا اور نہ کرونگا۔ مگر اب یہ تو دیکھو کہ ہم اس جگہ سے جہاں تم ٹھیرنا چاہتے تھے کسقدر دور نکل آئے ہیں۔ اب وہاں تک جانا ایک اور مصیبت ہے۔ اور نہ جانے اس جگہ میں رکھا کیا ہے۔

اختر — اچھا تو یہ لو یہ ایک اور بہت بڑا پتھر پڑا ہوا ہے جسپر ہم دونوں بخوبی بیٹھ سکتے ہیں۔ اب اس میں بھی کوئی عذر ہے؟۔

اشفاق — خیر! تمہارے اصرار سے میں مجبور ہوں مگر ایک شرط پر ٹھیرونگا کہ جب اور جہاں میرا جی چاہے اُٹھکر چلدوں۔

اختر — مجھے منظور ہے اور میں یہ بھی کہہ چکا ہوں کہ اپنی ذات پر تمہیں پورا حق حاصل ہے لیکن خدانخواستہ تم کہیں چلے گئے تو تمہارے والد کو میں کیا جواب دونگا۔

اشفاق — یہ نہ کہو کسی کا کوئی جواب دار نہیں ہوتا۔ انسان اپنے جذبات کا پتلا ہے، اسکے وعدوں اور ارادوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایک کا اظہار قبل ازارتکاب ہوتا ہے اور دوسرے کا نہیں۔

یہ دونوں چند لمحوں تک اس پتھر پر چپ چاپ بیٹھے رہے پھر اشفاق نے ایک آہ سرد کھینچکر سلسلہ کلام یوں شروع کیا۔

اشفاق — اختر! تم میری وحشت کا اندازہ نہیں کرسکتے۔ مجھے خوف ہے کہ میں پاگل ہوجاؤنگا۔

عرض کیجیے جوہر اندیشہ کی گرمی کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

اختر پر تم نے اس قسم کی باتیں کرنا شروع کیں۔ مجھے سخت تعجب ہی کہ تعلیم یافتہ اور روشن خیال شخص ایسے الفاظ اپنی زبان سے نکال سکتا ہی۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ محض ایک خیال ہی جو تمہیں ستا رہا ہی ورنہ اصل حقیقت کچھہ نہیں۔ میرے کہنے کا بُرا نہ ماننا، کیونکہ اس دنیا کا یہی دستور ہی کہ آج پیدا ہوئے کل ہمیں دفن کرینگے اور کل ہمیں دفن کرنے والے ساغرِ اجل سے مخمور ہونگے۔

اشفاق تم تو ایسی بگڑی بگڑی باتیں کر رہے ہو جیسے کوئی قدرت کا سفیر اپنے ہموطنوں کی چارہ جوئی کرتا ہو۔ تمہارے خیالات بے حد محدود معلوم ہوتی ہیں؛ اس سی پایا جاتا ہی کہ تم نے ابتک وسیع مقتل کو اس نظر سے نہیں دیکھا جیسے کوئی انصاف پسند انسان دیکھتا ہو۔ تم اس حقیقت سے کما حقہ واقف نہیں۔ تمہارے نزدیک اسکے کل حرکات و سکنات جائز اور درست ہیں۔ تم اس کے عیب میں بھی خوبی نکال لیتے ہو، اس کی پستی میں بھی بہو علویت پاتے ہو، یہاں کی ظلمت نے اپنے بدنما داغوں کو تمہاری کمزور نگاہوں سے چھپا لیا، مختصر یہ کہ تم اسکے فریفتہ ہو، گرویدہ ہو، مداح ہو اور نکتہ چین کی "سب کچھہ ہو۔

کسی پر جبر کرتا ہی کسی پر ظلم کرتا ہی	زمانہ ہی کہ ظلم ناروا سے اسکی مرتا ہی
زمیں پر کانٹے بوتا ہی زمیں پر گل کترتا ہے	جہاں کے دونوں رخ وہ اپنی خونریزی سے بھرتا ہے

عدم تک رنگ چھایا ہی اسی کے جورِ پنہاں کا
کہ ہی ہر قبر خاکہ اک نئے گورِ غریباں کا

اختر پیارے اشفاق! تمہارے پہلے اعتراض کا جواب یہ ہی کہ میں ایک سیدھا سادہ آدمی ہوں میں نے اس دنیا میں امن و امان پھیلانیکا ٹھیکہ لیا ہی نہ اپنے کو اس قابل سمجھتا ہوں کہ اوروں کو راہ راست پر لے آؤں۔ میری ناقص عقل جہانتک کام

کرتی ہی مجھے یہ معلوم ہوتا ہی کہ میرے خیالات بہت ہی مفید و کارآمد ہیں۔ میں اپنے خاندان میں رہکر اُس کی مٹی خراب نہیں کرسکتا۔ میرا فرض ہی کہ میں زمانہ کا ساتھ دوں۔ ساری دنیا مجھ سے یہ امید رکھتی ہی کہ میں یہاں کے خلاف قواعد کوئی کام نہ کروں۔ مجھے ضرور ہی کہ میں ایک حد تک اپنے اسلاف کی تقلید کروں۔ بیشک میں بھلے اور بُرے میں ایک حد امتیاز رکھتا ہوں۔ مجھے یہاں کی ہر ادا نہیں بہاتی مگر اس سے میں کسی طرح گریز نہیں کرسکتا کہ اوروں کی نظروں میں کھٹکوں۔ مجھے اسکے متمکنوں سے واسطہ رکھنا ہی، یہاں جب تک رہونگا تنازع البقاء اور انتخاب فطری کے عالمگیر اصول کا پابند رہونگا اور جب نہونگا تب اُنسے بری ہونگا۔

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہ کن اسد
سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تھا

اشفاق مجھے اس سے رنج ہوتا ہی کہ تمہاری دلیلیں تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہوتیں۔ جیسے میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ تم نے اب تک فقط اسکا روشن حصہ دیکھا ہی تاریک پہلو کو جانچا تک نہیں۔ تمہارے بیان سے صاف ظاہر ہی کہ تم ان تمام قوانین کی پابندی محض اسلیے کرتے ہو کہ تم ہر شخص کو اسکا مطیع دیکھتے ہو۔ معلوم ہوتا ہی کہ کسی نے اپنا قیمتی وقت اسکی اصلیت دریافت کرنے میں صرف نہیں کیا کہ انکا موجد کون تھا۔ ان میں کئی ایسے ہیں جو پایہ ترجیح سے گرے ہوے ہیں اور کئی ایسے ہیں جو انسان کی شان کے خلاف ہیں۔

اختر سوا اسکے میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی کہ تم یہاں کے مسلم آئین سے سرتابی کرنا چاہتے ہو مگر تم یہ جانتے ہو کہ صرف دلائل سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ یہاں کے آئین میں زبردست عیوب موجود ہیں۔

تمہیں چاہیے کہ تم اُن واقعات کو پیش کرو جو تمہاری نظروں میں انسان کے ظلم و ستم کے محرک ہیں۔

اشفاق کیا تم نہیں جانتے کہ آج ہی میرے دل پر ایک تازہ زخم پڑا ہے۔ خیر! اگر یہیں تک ہوتا تو میں برداشت ہی کر لیتا مگر تم تنگ دل انسانوں نے اپنے چند افعال سے اس پر نمک چھڑکا اور ایک دبی ہوئی آگ کو مشتعل کر دیا۔

دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینہ کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی اپنے چراغ سے

اختر میں تمہارے آج کے صدمہ پر جسقدر ہمدردی ظاہر کروں کم ہے۔ مگر اسکے معنی ہیں کہ تمہیں بعید از عقل باتیں کرتے ہوئے سنوں اور اُنکی نسبت اپنی سچی رائے نہ دوں،

اشفاق تم نے کیا اچھا کیا جو عقل کو مدنظر رکھا۔ لو اب میں تمہیں اُسی دیبی کی سوگند اور تمہارے اعتراض سے تمہاری تردید کرتا ہوں تم جانتے ہو کہ میری شادی ہوئے یہ چوتھا مہینہ ہے!۔

اختر ہاں!

اشفاق تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ شادی سے پہلے مجھے کتنی تکلیفیں اٹھانا پڑیں؟

اختر مجھے سب یاد ہے۔

اشفاق تم نے میری بیوی کو بھی دیکھا تھا؟

اختر تمہاری عنایت ہے۔

اشفاق یہ نہ کہو، بلکہ تم دونوں کی خواہش کے مطابق۔ خیر یہ میرا جملہ معترضہ تھا مگر تم اُس کی لیاقت اور قابلیت کی داد دیا کرتے تھے۔

اختر۔ خدا مرحومہ کو غریق رحمت کرے۔

اشفاق میں اُس سے کسقدر محبت کرتا تھا۔

اختر تمہاری محبت پرستش کی حدتک پہونچگئی تھی۔

اشفاق اب تم اسپر بھی مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ جو مظالم اس پر ٹوٹے ہیں اُنکی شکایت نہ کروں۔

اختر مثلاً

اشفاق جسوقت میری پیاری رضیہ (یہ نام لیتے ہوئے میرا کلیجہ منہ کو آتا ہی) بستر مرگ پر ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی اور اپنا رخصتی سلام ہرایک کو کر رہی تھی اسکے منہ میں جبراً شہد ڈالا گیا اور یہ خبر اڑادی گئی کہ وہ دنیا سے چل بسی حالانکہ اُسوقت تک سانس برابر جاری تھی، اور فوراً آدمی بھیجا گیا کہ بازار سے کچھ سود اخرید کر لے آئے اور درزی کو بھی بُلا لے تاکہ جسے تم تجہیز تکفین کہتے ہو اس کی تیاریاں ہوں جب اُس کی نگاہ واپسیں مجھ پر پڑی میں نے بے اختیار ہو کر چاہا تھا کہ ایک آخری بوسہ لیلوں مگر اس سے روکدیا گیا۔ جب طائر روح پرواز کر گیا گویا سارا جوہر اس سے جاتا رہا۔ باہر آکر دیکھتا ہوں کہ وہیں پانچ آدمی صحن میں بیٹھے ہوئے ہیں اور بہت سے اور آرہے ہیں؛ جن میں ایک تم ہی تھے۔ تم نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ ایک شخص کسقدر عجلت اور پھرتی کے ساتھ کپڑا پھاڑ کر (کفن) سی رہا تھا مجھے حیرت تھی کہ اتنی عجلت کس بات کی ہی۔ مگر پھر معلوم ہوا کہ حسب دستور ان چیزوں کو بہت جلد تیار کرنا چاہئے۔

جس نازنین کے دوش یہ بھاری ردائے گل
زیب کنار اُس کے کفن وا مصیبتا

اتنی دیر میں بہت سے لوگ اکٹھا ہو گئے اور مولوی عبدالغفور صاحب نے جلد قبرستان چلنے کا تقاضا کیا۔ فوراً ایک چھوٹا لڑکا اندر بھیجا گیا۔ اُس کے واپس

آنے سے پہلے میں اندر گیا تو دیکھتا ہوں کہ مستورات اب تک وہاں سے ہٹیں نہیں تھیں اسلیے میں وہیں رو کا گیا کیونکہ وہ سب پردہ نشین خواتین تھیں اور میں اُنکے نزدیک ایک غیر مرد تھا حتی کہ یہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ میرا محرم راز ان کا رازدار بنگیا۔ آگے بتلاتے ہوئے میرا دم گھٹتا ہی۔ جب مرد اندر گئے تو دفعتاً میری خوشدامن چیخ چیخ کر رونے لگیں اور یہ الفاظ اُنکے منہ سے جاری تھے " نہ لے جاؤ میری پیاری رضیہ کو نہ لے جاؤ، اُسنے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا اور اب بھی یہ تمہیں نہیں ستائیگی اسکا ذمہ میں لیتی ہوں میری اس سعادت مند بیٹی نے کبھی قصور نہیں کیا تھا، پھر اسپر یہ ظلم کیوں کیا جاتا ہی۔ مجھے بھی اسکے ساتھ جانے دو " اختر! تم خیال کر سکتے ہو کہ ان جملوں میں کسقدر درد اور رقت ہی، گویا ہر لفظ سے لہو ٹپکتا ہی۔ پھر بھی بچاری ہمارے یہاں کی عورتیں دوب کے کچھ حساب میں نہیں۔ بھیڑ اور بکری کی طرح زندگی بسر کروانا مرد اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں، عقل کو بدنام کر کے طاقت سے کام لیتے ہیں انسان بن کے وحشیونکا شیوہ اختیار کر لیتے ہیں، پرند و درند اور باقی تمام کائنات جن تحائف و برکات سے اپنی نصف آبادی کو محروم نہیں رکھتے وہ انسان ایسے وتیرے اختیار کرتا ہے خیر! یہ امر میرے نفس کلام سے کسیقدر خارج ہی، میں اسکے متعلق آیندہ کسی گفتگو میں اپنا خیال ظاہر کرونگا۔ اب سنو جب یہ سب مرد اندر پہونچے تو اس خاموش اور بے زبان پیکر کو ہاتھوں ہاتھ اُٹھا لیا اور جنازے میں رکھا۔ وہاں سے چلے تو وہ چال بھی ستم سے خالی نہ تھی؛ رفتار اسقدر تیز کہ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اُسے تنگ آکر جوں توں قبرستان پہونچانا چاہتے تھے۔ بصد دقت وہاں پہونچے، جہاں اُس بچاری پر ایک اور عذاب کا پہاڑ توڑا گیا؛ یعنی اُسے اُتار کر ایک گڑھے میں لٹا یا۔ سب ظالموں نے ملکر اُسپر مٹی ڈالنا شروع کی اور

مجھ سے بھی باد اجل نے کہا، مگر میں نے اُنکے حکم کی تعمیل نہ کی۔ مجھے اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت خفا ہوئے جسکا مجھے افسوس ہے۔ غرض آناً فاناً وہ گڑا
مٹی سے بھر دیا گیا اور وہ نازنین جو کبھی اپنا سر ریشم کے تکیوں پر رکھتی تھی زمین کا نوالہ
ہوگئی۔

ہے مجھکو یہ تعجب سوئیں گے پاؤں پھیلا
یہ رنگ گورے گورے کیونکر کفن کے اندر

اختر! اب بتاؤ تم نے یہ کل کیفیات بچشم خود دیکھیں یا نہیں اور میں اپنے دعوے میں
سچا ہوں یا جھوٹا۔ یاد رکھو تم نے عقل کا واسطہ دیا ہے۔

اختر (جو اُن دردانگیز جملوں سے متاثر ہو چکا تھا اور آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں) تمہارا کہنا
بہت درست ہے، تمہارے بیان میں مطلق مبالغہ نہیں، تمہاری دلیلیں معقول ہیں
مگر یہ تو بتاؤ کہ ایک خوبصورت پھول مرجھا جاتا ہے تو وہ کس کام آتا ہے؟

اشفاق اسے بے وفا پھینک دیتے ہیں۔

اختر جب یہ حالت دنیا میں ہر شے کی ہے تو ہم اس سے کیونکر بری ہو سکتے ہیں؟

اشفاق پھر میرا رونا کس بات کا ہے!

اختر اس کا علاج یہی ہے کہ انسان خود اپنا معالج بنے۔

اشفاق مجھے تعجب ہے کہ تم ایک ذی روح کو غیر ذی روح سے تشبیہ دیتے ہو۔

اختر ایک روح کے نہونے سے دونوں کی حالت یکساں ہے۔

اشفاق اختر! اختر!! یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اُسی کو خاک میں ملانے کو کہتے ہو جس (مظلوم کیپ)
پر دو گھڑی پہلے ایک غیر مرئی چیز کے ہونیسے دنیا کے ظاہر پرست اپنی جانیں نثار
کرتے تھے۔ اب اُسی کے نہونے سے اسپر سب ظلم و ستم روا رکھیں۔ اگر اس
ظلمت کدہ کا یہی حال ہے تو لو پھر ہمارا بھی اسے سلام ہے۔

اختر تمہیں اختیار کامل ہے، تم جو چاہو کرسکتے ہو مگر ایک آخری تردید یہ ہے کہ تمہارے رسوم و قیود تمہیں کیا سکھاتے ہیں۔

اشفاق رسوم و قیود جیسی اور چیزیں انسان کی بنائی ہوئی ہیں ویسی ایک یہ بھی ہے۔ کیا اچھا ہوتا جو تم وعدے پر قائم رہتے۔ تم نے مجھے عقل کا واسطہ دیا تھا نہ نقل کا۔ بس یہ سب :-

خموشی نے اپنا تسلط جمایا۔ بیچارہ اختر ان رسم سوز اور قیود شکن الفاظ پر خاموش رہا اور کچھ جواب نہ دے سکا۔ اور اب یہ دونوں شہر کی طرف جاتے ہوئے دکھائی دیے۔

از "آزاد"
بمبئی

ہمیں یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی ہے کہ ہمارے اخی محترم مولوی محمد حسن خانصاحب پوسٹماسٹر بنارس جو کچھ عرصہ سے چھاونی کے صدر ڈاکخانہ میں اس خدمت کو منصرمانہ انجام دے رہے تھے اب اسی ڈاکخانہ میں مستقل ہو گئے ہیں۔ ہمارے بھائی نہایت محنتی اور حاکم و محکوم دونوں کے تیر طلب میں اور ہم نے اپنی آنکھوں سے انکا کام دیکھا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ سرکار انکے ان خدمات کا کافی صلہ دیگی۔ مسٹر محمد حسن خاں صاحب مادر کالج کے اولین طالب علموں میں سے ہیں۔ ہم اپنے بھائی کو مبارکباد دیتے ہیں۔

بقیہ اولڈبوائز

یہ خبر ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے لیے نہایت رنج دہ ہے کہ ہمارے دفتر کامریڈ (کلکتہ) سے مبلغ چھ سو ستر روپیہ نقد اور مختلف رقموں کے چھ چک چوری گئے۔ اسوقت تک چوروں کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ ہمیں اپنے بھائی مسٹر محمد علی سے اس نقصان میں ہمدردی ہے اور خداوندکریم سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس رقم کی تلافی فرمائے۔

کرشن کنور اسرار نگون ایشیائی شاعری حیات انیس درشاہوار

عہ عہ ۶؍ عہ ۱۲؍

رنج و راحت ہادی اسلام سیاحت امیر چاہات آبپاشی الشافی

عہ ۱۲؍ عہ ۱۲؍ عہ ۸؍

یہ کتابیں نیجراو لڈبوائے بنارس چھاونی سے ملسکتی ہیں۔

قدردانانِ اَوَدھ پنچ

۳۴۶	مسٹر ابوالحسن صاحب انسپکٹر آبکاری چندوسی ضلع	مراد آباد
۳۴۷	" سراج الدین صاحب ۔ کنٹرولر آفس ۔ دلکشا	لکھنؤ
۳۴۸	" آنریبل راجہ رام پال سنگھ صاحب رئیس کری سدولی ضلع	رائے بریلی
۳۴۹	" قاضی نذیر الدین صاحب رئیس کوٹھی وکٹوریہ گنج	لکھنو
۳۵۰	" مظفر محمد خاں صاحب ۔ تحصیلدار	گونڈہ
۳۵۱	" سید محمد صادق صاحب ۔ سب انسپکٹر پولس گلاوٹی "	بلندشہر
۳۵۲	" غلام اکبر صاحب ۔ سب انسپکٹر ۔ دفتر سپرنٹنڈنٹ صاحب	بارہ بنکی
۳۵۳	" سید باقر حسین صاحب رپن اسٹریٹ	کلکتہ
۳۵۴	" سید نصیر الدین حیدر صاحب ڈپٹی کلکٹر	بارہ بنکی
۳۵۵	" سید فدا حسین صاحب ۔ انسپکٹر خفیہ پولیس	لکھنؤ
۳۵۶	" ایل ڈی میر صاحب	لکھنؤ
۳۵۷	" ودلے خاں صاحب ۔ سب انسپکٹر کندہرا پور	اعظم گڈھ
۳۵۸	" عزیز الحسن صاحب غوری ۔ ڈپٹی کلکٹر	فتحپور
۳۵۹	" سید رضا حیدر صاحب رئیس شاہ گنج	آگرہ
۳۶۰	" شیخ محمد وجیہہ صاحب ۔ ڈپٹی کلکٹر	مظفر نگر
۳۶۱	" شیخ نواب علی صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل	بارہ بنکی
۳۶۲	" اشفاق علی صاحب ضلعدار نہر	جہانسی
۳۶۳	" محمد علیخاں صاحب وکیل	بجنور
۳۶۴	" سید زین العابدین صاحب منصرم جی	نگینہ گڈہ

۳۶۵	مسٹر شریف احمد صاحب	مظفر نگر
۳۶۶	" احمد حسین صاحب ہیڈ ماسٹر [illegible] اسکول	رام پور
۳۶۷	" وہاج الدین صاحب بیرسٹرایٹ لا	لکھنؤ
۳۶۸	" سید احمد رضا صاحب اسلامیہ ہائی اسکول	[illegible] اٹاوہ
۳۶۹	" آغا محمد صفدر خاں صاحب قزلباش - بی اے ایل ایل بی [illegible]	سیالکوٹ
۳۷۰	" آرا سکند صاحب عرف سردار مرزا صاحب بیگم برج	میرٹھ
۳۷۱	" سید حسن عسکری صاحب معرفت سید فدا حسین صاحب وکیل	رائے بریلی
۳۷۲	" خلیفہ سید محمد سالم صاحب رئیس	پٹیالہ
۳۷۳	" حاجی عیسیٰ خاں صاحب رئیس وتاولی	علی گڑھ
۳۷۴	" محمد حامد خاں صاحب - انسپکٹر نمک	سانبھر
۳۷۵	" سید جلال الدین صاحب ایم اے - چیفس کالج	لاہور
۳۷۶	" سید مظفر امام صاحب منصف بانسی	بستی
۳۷۷	" سید نظام الدین حسن صاحب - ایم اے بی ایل	لکھنؤ
۳۷۸	شمس العلما مولوی سید امجد علیصاحب	الہ آباد
۳۷۹	خان بہادر مولوی اسرار الحسن خاں صاحب نصیر المہام	بھوپال
۳۸۰	مولوی حشمت اللہ صاحب - جنٹ مجسٹریٹ	فرخ آباد
۳۸۱	مسٹر زوار حسین صاحب انسپکٹر نمک	بنارس
۳۸۲	" سید محمد اکبر علیخاں صاحب رئیس پنڈراول	بلند شہر
۳۸۳	" قاضی برکت علیصاحب دفتر بندوبست ڈاکخانہ بارپور ضلع	ڈھاکہ
۳۸۴	" عبدالحکیم صاحب مہتمم تعمیرات	بھوپال